پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر ونایاب رسائل وکتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان (0322-6180738)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالاتِ حکیم الامت 107

اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّدِ النّبیّ
الامّیّ وعلٰی اٰلہٖ وسلّم تسلیمًا

ھدیۂ مُحبّت

بخدمت جناب ....

....

....

....

نوٹ:۔ دوست احباب کو ہدیہ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیے

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون.... مظاہر علوم سہارن پور..... دار العلوم کراچی
ودیگر مراکز علم سے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے
دستیاب شدہ نادر ونایاب رسائل کی پہلی مرتبہ یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت 107

مجموعہ تالیفات

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

الحمد للہ! عرصہ دراز کی جستجو کے بعد تقریبا 325 رسائل
اس مجموعہ میں شائع کیے جارہے ہیں۔

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

مرتب

قاری محمد اسحاق
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

مقالاتِ حکیم الامت (107)

تاریخ اشاعت.................جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ
ناشر.................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.................سلامت اقبال پریس ملتان
بائنڈنگ.................اشرفیہ بک بائنڈنگ....ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور	دارالاشاعت........اُردو بازار........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار.....لاہور	قرآن محل.....کمیٹی چوک.....راولپنڈی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار .... لاہور	مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار.....پشاور
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید.....راولپنڈی	مکتبہ اسلامیہ.....امین پور بازار.....فیصل آباد
اسلامک بک کمپنی.....امین پور بازار.....فیصل آباد	ممتاز کتب خانہ.....قصہ خوانی بازار.....پشاور
مکتبہ رشیدیہ.....سرکی روڈ.....کوئٹہ	مکتبہ ماجدیہ.....سرکی روڈ.....کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ......بہادر آباد.....کراچی	مکتبہ عمر فاروق.....شاہ فیصل کالونی.....کراچی
والی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علیمیہ...اکوڑہ خٹک	مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

اِجمالی فہرست

المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ

یعنی

اَحکامِ اِسلام عقل کی نظر میں

7

مجموعہ ملفوظات

خبرت

340

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ

بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

المصالح العقلیه للاحکام النقلیه

یعنی

اَحکامِ اِسلام عقل کی نظر میں

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الأسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الأسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد و الصلوٰۃ! یہ احقر مدعا نگار ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جن کے بعد ان کے امتثال اور قبول کرنے میں ان میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونے کے سبب ان قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کردے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں ان کو نہیں مان سکتا تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کرسکتا ہے؟ تو کیا احکام شرعیہ کا مالک ان سلاطین دنیا سے بھی کم ہوگیا۔ غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی ان احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں اور گو مدار ثبوت احکام کا اُن پر نہ ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن ان میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے ان کا معلوم ہوجانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے گو اہل یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کے لئے تسلی بخش وقوت بخش بھی ہے (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر وعلماء مثل امام

غزالی وخطابی وابن عبدالسلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانی مذکور بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارے زمانہ میں تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اس سے بہت سے لوگوں میں ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہوگیا ہے اور گواس کا اصل علاج تو یہی تھا کہ اُن کو اس سے روکا جائے (چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے) لیکن تجربہ سے اس میں باستثناء طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اس لئے **تسهيلا اللطامه وتيسيرا على العامة** بعض اہل علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر وتقریر کرنے لگے ہیں اور اگران تقریرات وتحریرات میں حدود شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی تو ان کو کافی سمجھ کر کسی نئے مجموعہ کی ضرورت نہ ہوتی مگر علوم حقہ واتباع علوم حقہ کی قلت اور آراء فاسدہ اور اتباع اہواء مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت اُن میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جس کو کسی صاحب قلم نے لکھا ہے مگر علم وعمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب ویابس وغث وسمین سے پُر ہے ایک دوست کی بھیجی ہوئی عرضی میرے پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے اس کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عوام (عام آدمیوں کو) مضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدون اس کے اس کا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جائے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرۃ ہے اس لئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے مبرا ہو ایسے لوگوں کے لئے مہیا کیا جائے تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو اس کو دیکھ لیا کریں کہ اگر مورث منافع نہ ہوگا تو دافع مضار تو ہوگا (البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت ووقعت کم ہو جائے یا وہ ان کو مدار احکام سمجھنے لگے کہ ان کے انتفاء سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا ان کو مقصود بالذات

سمجھ کر دوسرے طریق سے اُن کی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے لے' جیسا کہ اوپر بھی ان مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے ''چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے۔'' سو ایسے طبائع والوں کو ہرگز اس کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہے۔ بہرحال وہ ذخیرہ یہی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ احقر نے غایت بے تعصبی سے اس میں بہت سے مضامین کتاب مذکورہ بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت (اور بہت زیادہ ان مضامین کا حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ تھا جیسا کہ بعد اخذ کے حجۃ اللہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا اور بعض جگہ ہمارے اکابر سے۔ ولله الحمدعلی ان اخذنالم یکن من غیر الماخذ. ۱۲ منه) تھے لے لئے ہیں اور اس میں احکام مشورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے محض ایک نمونہ ہے اس مبحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں سنا ہے کہ ترجمہ اس کا بھی ہو چکا ہے مگر عوام کو اس کا مطالعہ مناسب نہیں کہ غامض زیادہ ہے اور اس ہمارے زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی اعلی المدرس بالمدرسۃ الخدیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اسرار الشریعۃ ہے جو (۱۳۲۸ھ) میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے اور اس کے قبل ایک رسالہ حمیدیہ شائع ہو چکا ہے مگر یہ دونوں نئی کتابیں عربی زبان میں ہیں جن میں حمیدیہ کا ترجمہ اردو تو کئی سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعۃ کا ترجمہ کاندھلہ میں مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب کر رہے ہیں۔ میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ (اور تعمیم فائدہ کے لئے بعض دوسری مفید کتب کا بھی پتہ دیتا ہوں جن کا مطالعہ اس موضوع میں بصیرت بڑھا دے گا۔ الانتباھات المفیدہ

للاحقر۔اس کا انگریزی ترجمہ بھی حال میں شائع ہو گیا ہے۔ناشر ۱۲منہ۔العقل والنقل للمولوی شبیر احمد عثانی 'سلمہ مواعظ هفت اختر' وعظ روح الارواح' رسالہ الحق جو پرچہ الرشاد میں نکلتا ہے' مآل التهذیب نو مقالے ۔۱۲منہ) کرنا معلومات میں ترقی دے گا اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اس لیے ایک کو دوسرے سے مغنی نہ سمجھا گیا میں نے ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اس لیے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا جائے اور اس تفرد کے شبہ کو صاحب ''حجۃ اللہ البالغہ'' نے بھی خطبہ میں اس کی اصل کو کتاب و سنت کے اشارات واضحہ سے نکال کر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اس کے بعض بعض مآخذ کو بھی بیان فرمایا ہے اور نام اس کا "المصالح العقلیه للأحکام النقلیة" رکھتا ہوں۔حق تعالیٰ اس کو اس کے موضع میں نافع اور ترددات وشکوک فی الاحکام کا رافع فرمادے۔والسلام

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

یکم رجب یوم الخمیس ۱۳۳۴ھ

باب الوضو

اسرار وضو

طہارت کے چار مراتب ہیں۔

مرتبہ اول:......ظاہر کو ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاک کرنا۔

مرتبہ دوم: اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچانا۔

مرتبہ سوم:......دل کو اخلاق مذمومہ ورزائل سے صاف کرنا۔

مرتبہ چہارم......اپنے ضمیر کو ماسوئ اللہ سے صاف کرنا

پس جب تک انسان عقائد فاسدہ سے اپنے دل کو پاک وصاف نہ کرلے تب تک وہ ان احادیث نبویہ **الطهور شطر الايمان ونصف الايمان** کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایمان کو دل سے تعلق ہے پس جب تک دل خباثتوں سے پاک نہ ہوجائے تب تک طہارت نامکمل ہے۔

یہ ایمان کے مقامات ہیں اور ہر ایک مقام کا ایک طبقہ ہے جو شخص ادنیٰ طبقہ سے نہ گزرے وہ اعلیٰ کو نہیں پہنچ سکتا۔ طہارت کے سر کو کوئی نہیں پہنچ سکتا جب تک دل کو اخلاق مذمومہ سے پاک کرکے اخلاق محمودہ سے معمور نہ کرلے اور اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اعضاء کو گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے پاک کرکے عبادات وطاعات الٰہی سے معمور نہ کرلے۔ جو شخص محض اپنے اوقات عزیزہ کو استنجاء وشست وشوئے دہن ودست وپا ودرستی لباس وصفائی ظاہر وطلب آب جاری میں صرف کرتا اور اپنے باطن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا وہ وسوسہ شیطان ومرض مالیخولیا میں مبتلا

ہے بلکہ طہارت ظاہر محض صفائی باطن کی دلالت کے لئے مقرر ہوئی ہے۔ شست وشوئے رُوودست وپاتحریک دل کے لئے ہے۔ ہمارے تمام ظاہری اقوال وافعال حرکات وسکنات کا اثر ہمارے قلب پر بالضرور پڑتا ہے یایوں کہو کہ جو کچھ ہمارے باطن میں مرکوز ہے حرکات ظاہری ہی اس کی آئینہ دار ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہر ضروری نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن بھی ضروری ہے۔

''احکام الٰہی میں وجوہ واغراض متعددہ ہونے کی حکمتیں''

یہ بات ثابت ومسلم ہے کہ خدا کی پیدا کردہ ادویہ میں مصالح واغراض متعددہ ہوتے ہیں ایسا ہی اس کے احکام میں بھی متعدد حکمتیں واسرارورموز ہیں۔ چنانچہ ایک ایک جڑی بوٹی اور دوا میں اُس نے صدہا اوصاف وخواص رکھے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی دوا سے کئی کئی امراض کا دفعیہ ہو جاتا ہے لہٰذا بقاعدہ مذکورہ ذیل میں جس قدر وضو کی حکمتیں واسرار ہم بیان کریں گے وہ سب اس میں پائی جاتی ہیں بلکہ اور بھی بہت سی حکمتیں اُس میں اور دوسرے احکام میں ایسی بھی ہیں جہاں تک ہمارا علم نہیں پہنچا۔

اول حکمت وضو......ترکِ غفلت

اب ہم ترتیب وار وضو کی حکمتیں آیات قرآنی واحادیث نبویہ وکتب علم الابدان سے لیکر بطور خلاصہ لکھتے ہیں لہٰذا واضح ہو کہ وضو انسان کو ظاہری وباطنی گناہوں اور غفلت ترک کرنے پر آمادہ کرتا ہے اگر نماز بغیر وضو کے پڑھنی شروع ہوتی تو انسان اس طرح پردہ غفلت میں سرشار رہتا......اور غافلانہ نماز میں داخل ہو جاتا اور دنیاوی ہموم وشواغل میں پڑ کر نشیلے آدمی کی طرح ہو جاتا......لہٰذا اس نشۂ غفلت کو اتارنے کے لئے وضو مشروع ہوا ہے تاکہ انسان باخبر وباحضور ہو کر خدا کے آگے کھڑا ہو۔

دوم حکمت وضو......حفظ ماتقدم

مشاہدہ وطبی تجارب اس امر کے شاہد ہیں کہ انسان کے اندرونی جسم کے زہریلے

مواد اطراف بدن سے خارج ہوتے رہتے ہیں اور وہ ہاتھ پاؤں یا اطراف منہ وسر پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں اور مختلف اقسام کے زہریلے پھوڑے وپھنسیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اطراف بدن کو دھونے سے وہ گندے مواد رفع ہوتے رہتے ہیں۔ یا تو جسم کے اندر ہی ان کا جوش پانی سے بُجھ جاتا ہے یا خارج ہوتا رہتا ہے۔

سوم حکمت وضو......حصول حب الٰہی

بہ نیت اطاعت الٰہی ظاہری وباطنی نظافت کا پابند خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

ترجمہ: یعنی خدا تعالیٰ باطنی وظاہری طہارت وصفائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پس جس صفت سے انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کا شرف عطا ہو لازم ہے کہ اس سے متصف رہے۔

چہارم حکمت وضو......غلبہ ملکیت بر بہیمیت

جب طہارت کی کیفیت نفس میں راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کے لئے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھہر جاتا ہے اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

پنجم حکمت وضو......ازدیادِ عقل

طہارت سے طبیعت میں عقل کا مادہ بڑھتا رہتا ہے اور جہاں عقل تام ہو گی وہاں حضور الٰہی بھی تام ہوگا۔

ششم حکمت وضو......عود نور وسُرور

گناہوں اور کسل کے باعث جو روحانی نور وسرور اعضاء سے سلب ہو چکا تھا وضو کرنے سے دوبارہ ان میں عود کر آتا ہے۔ یہی روحانی نور قیامت میں اعضاء وضو میں نمایاں طور پر درخشاں ظاہر ہوگا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

ان امتی یاتون یوم القیامۃ غرامحجلین من اثار الوضو
فمن استطاع منکم ان یستطیل غرتہ فلیفعل.

ترجمہ: یعنی قیامت کے دن میری امت جب آوے گی تو وضو کے آثار سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے روشن ہوں گے اس لئے تم میں سے جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھائے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے:

تبلغ الحلیۃ من المؤمن حیث یبلغ الوضوء.

ترجمہ:۔ جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائے گا۔

ہفتم حکمت وضو.....قرب ملائکہ

طہارت کی وجہ سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ قرب واتصال ہوجاتا ہے لہٰذا وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں اس کو شرف باریابی عطا ہو۔ کیونکہ طہارت کی وجہ سے انسان کو شیاطین سے بُعد ہوجاتا ہے۔

ہشتم حکمت وضو......شعارالٰہی میں بطہارت داخل ہونا

چونکہ نماز عظیم الشان شعار اللہ میں سے ہے۔لہٰذا شعار الٰہی میں داخل ہونے کے لئے وضو لازم ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مفتاح الصلوٰۃ الطھور.........یعنی نماز کی کنجی وضو ہے۔

نہم حکمت وضو.....عرض حال

رعایا کو بغرض عرض مطلب وحال اور احکام شاہانہ سننے کے لئے دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وجہ سے تمام آداب وتعظیمات جو وقت حضوری دربار بجالاتے ہیں وہ سوال ہی کے مد میں شمار کئے جاتے ہیں مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور حکم سننے کے لئے کان چاہئیں۔

ایسا ہی حضور دربار کے لئے ہاتھ منہ پاؤں کا دھونا اور درستی لباس کی ضرورت ہے

اور یہ سب کچھ مدسوال وعرض حال ہی میں شمار کئے جاتے ہیں پس جب امراء وسلاطین کے حضور میں جانے یا کسی عمدہ یا پاکیزہ کام کا قصد کرتے ہیں تو ان اعضاء وضو کو دھو لیتے ہیں کیونکہ ان پر اکثر گردوغبار ومیل کچیل کا اثر بوجہ ان کی برہنگی کے ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں

دہم حکمت وضو..... حصول تقویت و بیداری اعضائے رئیسہ

تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے اور اعضائے رئیسہ میں تقویت و بیداری پیدا ہوجاتی ہے۔غفلت اور خواب اور نہایت بیہوشی اس فعل سے دور ہوجاتی ہے۔اس تجربہ کی تصدیق حاذق اطباء سے ہوسکتی ہے کیونکہ جس کو غشی ہو یا زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد لی گئی ہو اس کے اعضائے مذکورہ پر پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔چنانچہ علاّمہ قرشی نے اپنی کتاب موجز میں اور دیگر اطباء نے بھی لکھا ہے:

فانه ينعش الحرارة الغريزة ويقويها وينفع
الغشى الحادث عن الكرب الحمامي وغيره.

ترجمہ:۔یعنی منہ ہاتھ پاؤں پر پانی چھڑکنا حرارت غریزہ کو تازہ اور قوی کردیتا ہے اور حمام وغیرہ کی تکلیف سے جو بیہوشی پیدا ہو اس میں یہ امر نافع ہے

یہی وجہ ہے کہ انسان کو امر ہوا کہ اپنے نفس کی کاہلی اور پژمردگی وسستی وکثافت کو بذریعہ وضو دور کرے تاکہ خداتعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کے لائق ہوسکے۔کیونکہ وہ سدا ہوشیار و بیدار ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

لاتاخذه سنة ولانوم..... یعنی خداتعالیٰ کو غفلت ونیند نہیں پکڑتی۔

پس غافل وکاہل اس کے حضور کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہوسکتے۔یہی وجہ ہے کہ نشہ ومستی کی حالت میں نماز پڑھنا مشروع نہیں۔چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔

لاتقربوا الصلوٰة وانتم سكارى

ترجمہ: نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو۔

کسی نشہ باز کو کسی ظاہری حاکم و بادشاہ کے دربار میں بحالت نشہ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی پس جب کہ نشہ باز و شرابی بحالت نشہ وغفلت ایک دنیاوی حاکم کے دربار میں باریاب نہیں ہوسکتا تو جو شخص نشہ باز و غافل جیسی حالت بنائے ہوئے ہو اس کو احکم الحاکمین کے دربار میں کب شرف باریابی عطا ہوسکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز اس لئے ممنوع ہوئی کہ نشہ باز کو بحالت نشہ معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا کہہ رہا ہے اور اس کے دل میں کیا گزر رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

حتیٰ تعلموا ماتقولون

یعنی نماز اس حالت میں پڑھو کہ تمہارے دل کو معلوم ہو جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو۔ یعنی اُن کلمات سے تمہارے دل کا واقف ودانا ہونا ضروری ہے جو تمہارے منہ سے نکل رہے ہیں اور جن کو تم اپنی زبان سے پڑھ رہے ہو۔

اختتام وضو پر دعائے توبہ پڑھنے کا راز

وضو میں ساتوں انداموں کو دھونا سات قسم کے گناہوں کو ترک کرنے کی طرف ایماء اور رجوع الی اللہ کی صورت اور صفائی ظاہر و باطن کی استدعاء اور زبان حال کی دعا ہے اور اُس کے بعد دعائے توبہ کو زبان قال سے پڑھنا رحمت الٰہی کو جذب کرنے کے لئے بہت ہی مناسب ومؤکد مدعاء ہے کیونکہ جب انسان کا ظاہر پانی سے پاک ہوجاتا ہے تو یہ اُس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کا دل بھی اسی طرح پاک وصاف ہوجائے مگر وہاں تو دست قدرت الٰہی کے سوا کسی اور کی دسترس نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس مقصد کے حصول کے لئے اُسی کے آگے دست سوال پھیلایا جاتا ہے۔

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین

ترجمہ: یعنی اے خدا مجھے تائبین اور پاکیزہ دلوں کے گروہ میں کیجیو۔

جواب اس سوال کا کہ وضو کی ترتیب کیوں مامور بہ ہے؟

وضو کی ترتیب منصوص کا خلاف اس لئے ناجائز ہے کہ انسان سے احکام الٰہی کی مخالفت و گناہ کا ظہور اسی ترتیب سے ہوتا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے لہٰذا اعضائے وضو کو بترتیب منصوص دھونا ان کو گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے دھونے اور تائب کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً جس اندام کے ذریعہ سے انسان سے اولاً گناہ سرزد ہوا اس کو سب سے پہلے دھونا سب سے پہلے اس کے ترک گناہ اور توبہ کی طرف ایماء ہے۔

خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے چہرے کے دھونے کا امر فرمایا جس میں منہ، ناک، آنکھیں شامل ہیں۔ پہلے کلی کے ذریعہ زبان کو صاف کیا جاتا ہے جس میں توبۂ زبان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان کی زبان مخالفت احکام الٰہی میں سارے اندامو ں سے سبقت لے جاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اکثر خطایا ابن ادم فی لسانہ یعنی بنی آدم سے اکثر گناہ اس کی زبان کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کفر و غیبت و نمیمت (چغلی) و سب و شتم (بدگوئی) اور صدہا قسم کے لاطائل اور بیجا کلمات نکلتے ہیں پھر ناک میں پانی ڈال کر اس کو صاف کیا جاتا ہے جو کہ مشمومات ممنوعہ (خوشبو) اور دماغی کبر و غرور سے توبہ کرنے کی علامت ہے پھر سارے چہرے کو مع دونوں آنکھوں و پیشانی کے دھویا جاتا ہے جو کہ مواجہ کے سارے گناہوں اور آنکھوں کی بدنظری کے چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے جو ہاتھوں کے ترک ذنوب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب انسان باتیں کرتا اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ہاتھ پکڑتے یا چھوتے ہیں پھر سر کا مسح کیا جاتا ہے اور اس کو دھویا نہیں جاتا ہے کیونکہ سر سے بذاتہ کوئی مخالفت صادر نہیں ہوتی بلکہ باتباع زبان اور آنکھ اور ان کی مجاورت کے باعث ہوتی ہے لہٰذا سر کے لئے ایسا حکم ملا جو دھونے اور نہ دھونے کے درمیان ہو اور وہ مسح ہے اور پھر کانوں کا مسح کیا جاتا ہے کیونکہ اکثر اوقات انسان کے کانوں میں بلا اختیار بغیر قصد آواز آپڑتی ہے۔ لہٰذا ان کے لئے بھی دھونے اور نہ دھونے کے درمیان یعنی مسح کا حکم ملا اور ایسا ہی مسح گردن کو سمجھو۔

ان ہر سہ اندامہائے ممسوحہ یعنی سر، کان، گردن کے مسح میں سرکشی، گردن کشی اور عدم سماعت حق کے قبیح اعمال سے توبہ کی طرف ایماء ہے۔ دوسری وجہ ان مذکورہ بالا اندامو ں کے مسح کرنے کی یہ ہے کہ اگر ان کو دھونے کا امر ہوتا تو بڑا حرج ہوتا اور لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے کیونکہ جس شخص کو پانچوں نمازوں میں پانچ بار وضو کی حاجت ہوتی اور اس کو سر پر پانچ بار پانی ڈالنا پڑتا بلاشبہ یہ فعل اس کے لئے سخت حرج میں داخل ہے۔ حالانکہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج

یعنی خداتعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی حرج ڈالے۔

پھر پاؤں کو دھویا جاتا ہے کیونکہ آنکھیں دیکھتی اور زبان بات کرتی اور ہاتھ حرکت کرتے اور کان سنتے ہیں اور سب کے بعد پاؤں چلتے ہیں لہٰذا پاؤں کو دھونا سب سے آخر ٹھہرا کیونکہ ان سے مخالفت الٰہی کی حرکت سب سے آخر میں سرزد ہوتی ہے۔ پس سب سے آخر ان کی توبہ کی نیت آئی ہے اور تین بار ہر اندام کو دھونا توبہ کے ارکان ثلاثہ ندامت بر گناہ و ترک گناہ اور آئندہ گناہ کو ترک کرنے کے لئے عزم بالجزم کی طرف ایماء ہے۔

حکمت طہارت صغریٰ و کبریٰ بطور اختصار

طہارت اس لئے کی جاتی ہے بات ہے کہ باطن منور ہو جائے اور انس و سرور پیدا ہو اور افکار ردیہ دور ہو جائیں اور تشویشات و پراگندگی اور پریشانی افکار رُک جائیں۔ پس طہارت کی روح نور باطن و سرور دل و اطمینان خاطر ہے

سر اور کانوں کے مسح کے لئے جدید پانی لینے کی حکمت

وضو میں مسح سر و کانوں کے لئے جدید پانی لینا اندامہائے ممسوح کی تجدید توبہ کی طرف ایماء ہے۔

مٹی اور پانی سے طہارت مشروع ہونے کا راز

مٹی و پانی سے طہارت کا مشروع ہونا فطرت مستقیمہ و عقول سلیمہ کے موافق ہے۔

۱)......خدا تعالیٰ نے پانی اور مٹی کے درمیان قدرۃً و شرعاً اخوت ڈالی لہٰذا ان دونوں کو طہارت کے لئے جمع کیا۔ وجہ یہ ہے کہ آدم اور اس کی اولاد کو خدا تعالیٰ نے ان ہی سے پیدا کیا۔ گویا ہمارے والدین اور ان کی ذریت کے لئے مٹی اور پانی والدین ہیں۔

۲)......خدا تعالیٰ نے ہر زندہ چیز کی زندگی پانی اور مٹی سے ٹھہرائی لہٰذا ان ہی سے بنی آدم اور چرندوں، پرندوں، درندوں کی قوت بنائی کیونکہ مٹی اور پانی کا وجود عام ہے ہر جگہ مل سکتے ہیں۔

۳)......منہ کا مٹی سے آلودہ کرنا خدا تعالیٰ کو پسند آتا ہے۔ چونکہ ان دونوں اشیاء کا عقد آپس میں قدرتی طور پر محکم اور قوی ہے۔ لہٰذا شرعاً بھی ان کا آپس میں عقد ٹھہرانا خوب و مناسب تر ہے۔

بطور استحباب وضو کا باقی پانی پینے کا راز

وضو کا بچا ہوا پانی پینے میں یہ راز ہے کہ جس طرح انسان اپنے ظاہری انداموں پر پانی ڈال کر ظاہری انداموں کے گناہوں سے تائب اور طالب مغفرت ہوتا ہے ایسا ہی متوضی کی طرف سے وضو کا بقیہ پانی سے یہ ایما ہوتا ہے کہ اے میرے خدا جس طرح تو نے میرے ظاہر کو پاک کیا ایسا ہی میرے باطن کو پاک و صاف کر۔

وضو کے لئے سات اندام مخصوص ہونے کی وجہ

(۱) انسان کی بناوٹ اور وضع پر غور کرو تو تم پر واضح ہوگا کہ اس کے ساتھ اخلاقی اعضاء جن پر تمام شرائع و قوانین کا دارومدار ہے وہ ذووجہین و ذوقوتین یعنی دورُخے اور دوہری قوتوں والے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ زبان، آنکھ، کان، دماغ۔ سر جس میں ناک بھی شامل ہے۔ ہاتھ، پاؤں، شرمگاہ، یہی اعضاء ہیں جن کے ساتھ اخلاقی شریعت

بلکہ قوانین معاش ومعاد کا تعلق ہے اور وہ ذو وجہین اس طرح ہیں کہ ان ہی سے تو انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو کر اپنے لئے سات دوزخ کی راہ بناتا ہے اور ان ہی کے وسیلے سے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری واطاعت کر کے سات بہشت اپنے اعمال حسنہ کے بدلہ میں اور ایک زائد بطور انعام واکرام پاتا ہے۔ کیونکہ کریم کا یہ طریق ہے کہ وہ اپنی خوشی ورضا کے اظہار میں حق موعود سے بڑھ کر اُجرت دیا کرتا ہے۔

(۲) وضو میں سات اندامون کو دھونا ساتوں قسم کے اصول جرائم سے تائب ہونے کی طرف ایما ہے چنانچہ آیت:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

میں ہر طہارت کنندہ کو باطنی پاکیزگی وصفائی اور انابت الی اللہ اور ترک گناہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پس سات اندامون کے لئے وضو کا مخصوص ہونا ان کو ساتوں قسم کے گناہوں سے دھونے اور سیئات سے دست برداری دینے کی طرف اشارہ ہے تاکہ انسان آثار دوزخ سے نجات پائے اور قابل دخول بہشت ہو۔ اسی امر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں۔

ما منکم من احد یتوضا فیسبغ الوضوء ثم یقول اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین الا فتحت له ابواب الجنة الثمانیة یدخل من ایھا شاء.

ترجمہ: یعنی تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو پورا پورا وضو کرے اور پھر اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین پڑھے مگر اس کے لئے آٹھوں بہشتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کا تقرر منجملہ اور وجوہ کے توبہ و صفائی دل کے لئے بھی ہے اور ساتوں اندامون کا دھونا اسی وجہ سے ہے کہ یہی اعضاء درکات جہنم اور یہی اعضا درجات بہشت کے راستے ہیں۔

راہ نارو جنت ایں اعضائے تست   ہر چہ کاری بدروی برائے تست

یہی سات اعضاء ہیں جن کے ذریعہ نفس امارہ کی ناپاک وناجائز حرکات کا صدور ہوتا ہے۔

قصہ نفس از پری اے پسر   قصہ دوزخ بخواں بالفت سر

(۳) خدائے تعالیٰ نے انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے کان سے سنتا ہے، ناک سے سونگھتا ہے، زبان سے چکھتا ہے، ہاتھ سے چھوتا ہے، اس کا اثر اس کے دل میں پہنچتا ہے اور ایک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے جو اس کے اخلاق پر اثر کرتا ہے انسان کے دل کے اندر سے نکلنے والی چیزوں کی بنسبت وہ چیزیں زیادہ ہیں جو باہر سے اس کے دل کے اندر جاتی ہیں بلکہ ٹھیک یوں کہنا چاہئے کہ جو کچھ انسان کے دل سے نکلتا ہے وہ وہی ہے جو باہر سے اس کے دل میں جاتا ہے پس صفاء دل کے لئے ان اعضاء سبعہ کا دھونا بڑا مفید ہے جن کا اثر انسان کے اندر دل میں جا کر پیدا ہوتا ہے کیونکہ جیسا کہ ظاہری اندامون کو دھونے سے ان میں نشاط و سرور و نور پیدا ہوتا ہے ایسا ہی دل میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ہر اندام وضو کو تین بار دھونے کا راز

۱)...... ہر اندام وضو کو تین بار دھونا۔ تین ارکان توبہ کی طرف ایما ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ موجودہ حالت گناہ سے نکلنا۔ ندامت کرنا۔ آئندہ کے لئے ترک گناہ کا عزم بالجزم

۲)...... ہر اندام وضو کو تین بار تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ تین سے کم دھونے میں نفس پر پورا پورا اثر نہیں پیدا ہوتا اور یہ امر تفریط میں داخل ہے اور زیادہ دھونے میں افراط و اسراف ہے کیونکہ اگر دھونے کے لئے ایک حد متعین نہ ہوتی تو ظنی اور وہمی انسان سارا دن ہاتھ پاؤں ہی دھونے میں گزار دیتے اور ان کی نماز کا وقت گزر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے فرمایا:

نعم ولو کنت علی ضفۃ نھر جار...... ترجمہ: یعنی بیشک وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ تم نہر جاری کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرو۔

اور گو بعض صورتوں میں انداموں پر بار بار پانی ڈالنے سے پانی تو ضائع نہیں ہوتا مگر متوضی کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہے اور وقت کا ضائع کرنا بڑا بھاری اسراف ہے۔

اسلام میں مسواک کرنے کی حکمت

(۱) یوں تو بالعموم دانتوں کو صاف کرنا اور اجلا بنانا بڑے بڑے فوائد پہنچتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی نہایت ہی انسب اور عمدہ ہے کہ جب کسی عالیشان دربار میں جاتا ہو تو قبل از حضور دربار ظاہری شکل وشباہت کا سنوارنا اور دانتوں کو صاف کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ کیونکہ بات چیت کرتے وقت دانتوں کی زردی اور میل نظر پڑنے سے طبائع سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے پس احکم الحاکمین رب العالمین سے بڑھ کر کس کا دربار عالیشان ہوسکتا ہے جس کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ یعنی خدا تعالیٰ خوب ہے اور وہ خوبی کو پسند کرتا ہے۔

سو جبکہ یہ بات ٹھہری تو دانتوں کے میل اور بوئے دہن کو وہ کب پسند کرسکتا ہے اس وجہ سے اعظم شعائر اللہ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے جیسا کہ دیگر قاذورات اور میل کچیل کو صاف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے ایسا ہی دانتوں کے میل ومنہ ومسوڑھوں کی عفونت کو رفع کرنا بھی مستحسن ہے یہی وجہ ہے کہ نماز سے پہلے مسواک کا استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ تعظیم شعائر اللہ کے لئے جو امور، بجالائے جاتے ہیں اُن سے جسمانی فوائد حاصل ہونے کے علاوہ اخروی اجر وثواب بھی ملتا ہے۔

(۲) اگر بہت دنوں تک مسواک نہ کی جائے تو مسوڑھوں اور دانتوں میں بقیہ غذا کے رہنے اور میل جم جانے سے منہ میں تعفن اور بدبو ہو جاتی ہے اور جب انسان مسجد کے اندر نمازیوں میں جا کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی بو سے ان کو اور ارواح طیبہ ملائکۃ اللہ کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ امر عنداللہ وعندالناس مقبوح ومکروہ ہے۔

وضو خدا کے نام سے شروع کرنے کا راز

جب کہ طہارت نماز حسب فرمودہ خداوند کریم مقرر ہوئی تو لازم ہے کہ اُسی کے نام و نیت سے شروع بھی ہوتا کہ ثواب ہو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.

سید الا عمال بالنیات گفت نیت خیرت بسے گلہا شگفت

کیونکہ اگر وضو حسب عادت بحالت غفلت کیا جائے اور اس میں اطاعت امر الٰہی و قربت الی اللہ کا خیال نہ ہو تو اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا اس لئے وضو باسم اللہ مقرر ہوا تا کہ نماز و نیاز و قربت الٰہی و انابت الی اللہ کا خیال دل میں پیدا ہو اور انسان خواب غفلت سے باہر آوے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی جس نے وضو کرنے میں خدا کا نام نہیں لیا اُس کا وضو نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ)

جواب اس سوال کا کہ جب کہ منہ ہاتھ پاؤں کو تین تین بار دھویا جاتا ہے تو سر اور کانوں کا تین تین بار کیوں نہ مشروع ہوا:

دراصل جیسا کہ دیگر اندام وں کا دھونا تین تین بار مشروع ہوا ہے ایسا ہی سر اور کانوں کا مسح بھی تین تین بار تھا مگر بوجہ رفع حرج دو بار معاف اور ایک بار باقی رہا۔ شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۲۱۹ اور ۲۸۰ ملاحظہ ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ درحقیقت سر اور کانوں کو نہ دھونا اور ان کا مسح کرنا رفع حرج کے لئے مقرر ہوا ہے اور اگر ان کے دھونے میں بھی تثلیث ہوتی تو رفع حرج کی حکمت ضائع ہو جاتی کیونکہ جس اندام پر تین بار ہاتھ پھیرے جائیں وہ قریباً سارا تر ہو جاتا ہے۔ سخت سرد ممالک میں سر اور کانوں کو سردی سے بچانے کے لئے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے بس جن کو ایسے ممالک میں پانچ بار روزمرہ سر اور کانوں کو دھونا پڑتا اُن کے لئے یہ امر باعث ہلاکت یا مرض تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ بطور احتیاط و حفظ ما تقدم اور سر اور کانوں کا مسح ایک ایک بار مشروع رہا۔ وضو میں ہر داہنے عضو کو پہلے دھونے کی

وجہ اور استنجا اور ناک جھاڑنے کا بائیں ہاتھ سے مخصوص ہونے کا راز:

(۱)...... وضو کو ہر داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے ٹھہرا ہے کہ ہر داہنے عضو کو بائیں پر فضیلت ہے اور فضیلت کا کام پہلے فضیلت والے کو ہی دیا جاتا ہے۔

کہ دارد فضیلت یمیں بریسار

لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب مستعمل ہیں اُن میں تو دائیں عضو کو مقدم رکھا اور جو ایک جانب مستعمل ہیں وہ محاسن اور طیبات کی قسم سے ہوں تو اُن کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا مناسب ہے یہی قانون خدا تعالیٰ کے ہاں جاری ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے

ویوت کل ذی فضل فضله (پارہ ۱۱ سورہ ہود)

یعنی خدا تعالیٰ فضیلت والی چیز کو اُس کی فضیلت عطا فرماتا ہے۔

(۲)...... جس کو مرتبہ عدالت واعتدال کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اُس کا حق عطا کرتا ہے کھانے پینے اور پاکیزہ چیزوں کے لئے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کے لئے بائیں ہاتھ کو خاص کرتا ہے ابن ماجہ میں ہے

عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحب التيامن في الطهور و ترجله اذا ترجل وفي انتعاله اذا انتعل.

ترجمہ: یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دائیں طرف سے وضو شروع کرنا شانہ کرنا اور پاپوش پہننا پسند فرماتے تھے۔

شارح ہندی نے بھی ان امور کی وجہ یہی فضیلت وشرافت بیان کی ہے۔

(۳)...... جب کہ یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ انسان کے ہر فعل مناسب ونامناسب کا اثر انسان ہی کے دل پر پڑتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ جس فعل کو اپنے مناسب طریق سے پھیر کر غیر مناسب طور پر کیا جائے اُس کا اثر بھی دل میں غیر مناسب ہی پیدا ہوگا یہی وجہ ہے کہ دست راست سے استنجا کرنا ناک جھاڑنا اور دست چپ سے بغیر عذر کے کھانا پینا موجب غموم وباعث قساوت قلب ہے۔

وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا راز

۱)......تقویت وتصفیہ خون دل وجگر کے لئے ہاتھوں کا دھونا مفید ہے چنانچہ حاذق اطباء پر یہ امر مخفی نہیں ہے اور یہ امر بوجہ احسن اُسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ ہاتھوں کی وہ تمام رگیں جو بواسطہ اور بغیر واسطہ دل اور جگر کو پہنچتی ہیں وہ دھونے میں شامل ہو جائیں اور جو رگیں دل وجگر تک پہنچتی ہیں وہ کچھ ہاتھ کی انگلیوں سے اور کچھ کفِ دست وساعد سے اور کچھ کہنیوں سے شروع ہوتی ہیں۔

اسی وجہ سے کہنیوں تک ہاتھ کا دھونا مقرر ہوا تا کہ تمام رگیں دھونے میں داخل ہو جائیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہاتھوں کے اور منہ کے دھونے سے دل اور جگر کو تقویت پہنچتی ہے اور پانی کا اثر رگوں کے ذریعہ سے اندر جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وایدیکم الی المرافق آیا ہے یعنی وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ تو جو لوگ فن سرجری اور جراحی میں ماہر ہیں وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اکحل رگ جس کا دوسرا نام ہنری اظام اور تیسرا نہر البدن ہے جب کبھی دلی وجگری وجلدی بیماریوں کے رفع کرنے اور تصفیہ خون کے لئے اس رگ کا خون نکالنا تجویز کرتے ہیں تو کہنی کے برابر سے ہی اس رگ پر نشتر لگا کر خون نکالا کرتے ہیں کیونکہ اس جگہ میں یہ رگ ظاہر وباہر بھی ہوتی ہے نیز علاوہ دل وجگر کے اس کا اثر سارے بدن پر حاوی بھی ہے پس ہاتھوں کو دھونا کہنیوں تک بھی اس لئے مقرر ہوا کہ نہر البدن کے ذریعہ سے پانی کا اثر پورا پورا اندر چلا جائے۔

۲)......جب کہ وضو میں اصل اطراف بدن کا دھونا مقرر ہے تو ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اس لئے ٹھہرا کہ اس سے کم کا اثر نفس انسانی پر کچھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ کہنی سے کم عضو نا تمام ہے۔

وضو میں ناک کو صاف کرنے کی حکمت

۱)......ہر مذہب وملت کے لوگ ناک کی بلغمی رطوبتوں کو رفع کرنا پسندیدہ نظر

سے دیکھتے ہیں۔ اگر ناک کو اندر سے نہ دھویا جائے تو ناک کی منجمد بلغم سے دماغ میں برا اثر پہنچتا ہے جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتا ہے نیز اہل عرب کے عرف میں ناک کے لفظ کو عزت اور بڑائی کے محل پر استعمال کرتے ہیں چنانچہ جب وہ کسی کے لئے بددعا کرتے ہیں تو کہتے ہیں ارغم اللہ انفہ یعنی خداتعالیٰ اُس کی ناک خاک آلود کرے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اُس کو عزت و بڑائی کے مقام سے ذلت میں گرائے پس ناک کو دھونا اپنے کبر و غرور کو چھوڑنے اور خداتعالیٰ کی درگاہ میں اپنی کسر نفسی دکھانے کی طرف ایما ہے۔ (فتوحات مکیہ)

وضو میں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا راز

(۱) پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز ہے کہ وہ رگیں جو پاؤں سے دماغ کو پہنچتی ہیں وہ کچھ پاؤں کی انگلیوں سے اور کچھ ٹخنوں سے شروع ہوتی ہیں اور ان سب کو دھونے میں شامل کر لینے سے دماغ کے بخارات ردیہ بجھ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاؤں کا دھونا ٹخنوں تک وضو میں مقرر ہوا۔

وارجلکم الی الکعبین یعنی پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو۔

(۲) چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اور ان پر اجرام موذیہ اور گرد و غبار پڑتا رہتا ہے لہٰذا پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا امر ہوا۔

(۳) پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے میں یہ راز بھی ہے کہ اس سے کم ناتمام عضو ہے لہٰذا سارے عضو کا دھونا مقرر ہوا تا کہ اس دھونے کا اثر بالاستیعاب ہو۔

بحالت عدم موزہ وضو میں پاؤں کو دھونے کا راز اور موزہ کے مدام نہ ہونے کا راز

پاؤں کا ظاہر حال اس امر کا مقتضی ہے کہ جب پاؤں پر موزے نہ پہنے ہوں تو ان کو وضو میں دھونا ہی لازم ہے کیونکہ ننگے پاؤں پر گرد و غبار و اجرام پڑتے اور جمتے

رہتے ہیں اس لئے بحالت برہنگی ان کا دھونا ہی فرض ہے ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ اطراف بدن کے اندااموں کے دھونے کا امر اس لئے بھی ہوا کہ جسم کے اندرونی حصہ کے زہریلے مواد خارج ہو کر ان میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور ان کی سمیت جوش مار کر خطرناک امراض کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور دھونے سے جوش سمیت دھیما پڑ جاتا ہے یا کہ از راہ مسامات خارج ہو جاتا ہے اور جب برہنہ اطراف بدن کو دھویا نہیں جاتا تو گرد و غبار پڑنے سے مسامات بند ہو جاتے ہیں اور مسامات کے بند ہونے سے زہریلے مواد پھر اندر کی طرف جا کر موجب ایذاء و درد ہوتے ہیں پس عدم موزہ کی حالت میں دھونا مقرر ہوا تا کہ اس برہنگی میں جو اجرام خبیثہ اور گرد و غبار جمع ہوا ہے وہ زائل ہو جائے جیسا اس سرخی میں اول بیان ہوا اور موزہ کی دوا ماً اجازت نہ ہوئی تا کہ جو خبیث مادے باطن سے ظاہر کی طرف آ کر جمع ہوئے ہیں وہ زائل ہو جائیں۔

جیسا کہ اس سرخی میں دوسری حکمت بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں فائدے پاؤں پر مدام موزہ رکھنے میں کہ اس حالت میں وہ کبھی نہ دھلتا یا پاؤں پر محض تھوڑے سے پانی سے مسح کرنے میں حاصل نہ ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسح موزہ کی انتہائی مدت تین دن رات سے زیادہ مقرر نہیں ہوئی بلکہ موزہ پر مسح کرنے والے مقیم کو تو ہر ایک دن اور رات کے بعد اور مسافر کو ہر تین دن اور رات کے بعد دھونے کا امر ہوا نیز محض مسح صرف توبہ و انابت کی طرف تو توجہ دلاتا ہے لیکن دھونے میں تقویت دماغ اور صفائی جلد و انکشاف مسامات بھی مقصود ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر پاؤں پر صرف مسح ہی ہوتا تو اور جو باقی اہم مقصود ہیں وہ حاصل نہ ہوتے۔

طہارت معنوی پر عام نظر

اخلاق فاسدہ و اوہام باطلہ سے پاک رہنے کا سبق سکھانا اسلام کا خاصہ ہے کیونکہ اوہام باطلہ و اعمال اخلاق فاسدہ نفس انسانی کو ایسے گندہ کرنے والے ہیں جیسے انسانی جسم غلاظتوں اور نجاستوں سے ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے

ان سب سے پاک وصاف ہونے کا امر فرمایا اسی طہارت معنوی میں یہ بھی داخل ہے کہ شہوت بیجا وحرص نفسانی کی آلودگی اور رویت نفس یعنی خود بینی سے پاک وصاف ہو جائے کہ اس حکم الٰہی میں تمام لوگوں کے ساتھ شامل ہو جانے سے انسان کو اپنے اور دوسرے کے درمیان مساوات اور برابری حقوق کا پتہ ملتا ہے خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسی طرح کسی کی حق تلفی نہ کرنا بھی طہارت معنوی میں داخل ہے اور طہارت جسم میں اس طہارت باطن کی طرف بھی اشارات ہیں چنانچہ مختصراً کچھ اشارات لکھے جاتے ہیں طہارت صغریٰ کے بھی اور طہارت کبریٰ کے بھی۔

طہارت دست (ہاتھ)

حسب فرمودہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طہارت شطر الایمان ہے پس مومن کو لازم ہے کہ طہارت کے معنی مقصودہ و مرادات مطلوبہ کو سمجھ کر اس کی عظمت شان کا حق بجالائے ہاتھوں سے کسی ایسی حرام چیز کو پکڑنے اور لینے سے پاک وصاف وطاہر رکھے جس میں حکم الٰہی کی مخالفت ہو۔ ناحق کسی کو نہ مارے یا نہ کسی کا مال چھینے نہ کسی کو ضرر دینے کے لئے دست درازی کرے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں اسی طرف ایما ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

ترجمہ: یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔

طہارتِ دہن (منہ)

جب منہ کو صاف کرنے کے لئے منہ میں پانی ڈالے تو اُس وقت حرام چیزوں کے کھانے پینے اور حرام باتیں منہ سے نکالنے کی طہارت کو ملحوظ رکھے یعنی ایسے اقوال کو منہ سے نکالنے اور ایسی اشیاء کے کھانے کو اپنے منہ سے نفی کرنے کے لئے مستعد رہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا منہ روحانی نجاست سے آلودہ ہو کر مستحق لعنت بنے اور ایسی چیزوں کے کھانے پینے اور ایسے اقوال منہ سے نکالنے کے لئے تیار رہے۔ جن سے اُس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملے اور ملاء اعلیٰ میں مستحق صفت وثناء ہو۔

طہارت بینی (ناک)

جب ناک کو پاک کرنے کیلئے ناک میں پانی ڈالے تو خیر اور بھلائی کی خوشبو سونگھنے کے لئے آمادہ ہو اور بدی اور شرارت کی بو کو پھینک دے ناک کی طہارت میں ننگ وخود بینی سے پاک رہنے کو غور کرے کیونکہ ننگ وخود بینی وعار ایسے امور ہیں جن سے انسان میں اپنے ہی بنی نوع پر بلندی اور بڑائی چاہنے کا اور نافرمانی الٰہی کا خیال ومادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

طہارت چہرہ

اپنا چہرہ دھونے کے وقت ماسوائے الٰہی سے اپنی تمام امیدیں اور توجہات ایسے اعمال بجالانے سے منقطع کردے جن کا رخ ورجوع خدا تعالٰی کی طرف نہ ہو اور اپنے منہ پر آب شرم ڈالے اور بے شرمی سے پردہ شرم کو خدا تعالٰی اور لوگوں کے آگے سے نہ اٹھاوے اور اپنی آبرو کو غیر اللہ کے لئے صرف نہ کرے۔

طہارت گردن

مسح گردن کے وقت حرص وہوائے نفسانی سے اپنی گردن کو چھڑانے پر اور خدا تعالٰی کے احکام کی فرماں برداری واطاعات کا حق ادا کرنے پر اور گردن کشی کا خیال چھوڑنے پر آمادہ ہو تاکہ ایسی اشیاء کے حلقہ اطاعت سے اپنی گردن چھڑا کر آزاد ہو جائے جو حضور الٰہی سے مانع ہیں۔

طہارت پشت

پیٹھ دھونے کے وقت تکیہ بر ماسوی اللہ سے اور کسی حق گو دعادل کی غیبت کرنے سے دست برداری کو مدنظر رکھے۔

طہارت سینہ

سینہ دھونے کے وقت اپنے سینہ سے مخلوق الٰہی کے ساتھ کینہ کرنے کے اور اُن

کو دھوکا دینے کے خیالات نکال ڈالے۔

طہارت شکم (پیٹ)

اپنے شکم دھونے کے وقت اشیاء حرام ومشتبہ کھانے اور پینے سے طہارت شکم کو مدنظر رکھ کر ایسی نجاستوں سے اپنے شکم کو پاک رکھے۔

طہارت شرمگاہ وران

شرمگاہ اور ران دھونے کے وقت تمام امور ممنوعہ کے لئے بیٹھنے اور اٹھنے سے اپنے آپ کو بچائے۔

طہارت قدم

پاؤں دھونے کے وقت حرص وہوائے نفسانی کے لئے چلنے اور ایسے امور کی طرف قدم زنی کرنے سے اپنے قدموں کو بچائے جو اس کے دین میں مضر ہوں اور جن سے کسی مخلوق الٰہی کو ضرر پہنچے۔

خدا را براں بندہ بخشائشے ست — کہ خلق از وجودش در آسائشے ست

بابُ التّیمّم

تیمّم کو خلیفہ وضوو غسل ٹھہرانے کی وجہ

(۱) خدا تعالیٰ کی عادت یوں جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ ان پر آسان و سہل کر دیتا ہے اور آسانی کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس کام کے کرنے میں دقت ہو اس کو ساقط کر کے اس کا بدل کر دیا جائے تا کہ اس بدل سے ان کے دل ٹھکانے رہیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے دفعۃً اس کے ترک کر دینے سے جبکہ بدل نہ ہوتا ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے بموقع ضرورت تیمم کو خلیفہ وضوو غسل ٹھہرایا اور منجملہ طہارت کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا۔

وضوو غسل کے تیمّم میں فرق نہ ہونے کی وجہ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس امر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

واماکون تیمم الجنب کتیمم المحدث فلما سقط مسح الرأس والرجلین بالتراب عن المحدث سقط مسح البدن کله بالتراب عنه بطریق الاولیٰ اذفی ذالک من المشقة والحرج والعسر ماینافض رخصة التیمم ویدخل اکرم المخلوقات علی الله فی شبه البهائم اذا تمرغ فی التراب فالذی جاء ت به الشریعة لامزید فی الحسن والحکمة والعدل علیه ولله الحمد.

ترجمہ: یعنی جنبی اور بے وضو کا تیمم یکساں ہونے میں یہ حکمت ہے کہ جب کہ بے وضو آدمی کے لئے تیمم میں ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد سر اور پاؤں کا مسح ساقط ہو گیا تو ان ہی اعضاء یعنی ہاتھ اور منہ پر مسح کرنے کے بعد جنبی کے لئے سارے بدن کا مسح بدرجہ اولیٰ ساقط ہونا چاہیے کیونکہ سارے بدن کے مسح کرنے میں تکلیف اور حرج ہے جو رخصت تیمم کے لئے منافی و مناقض ہے اور سارے بدن پر جنبی کو مٹی ملنے میں خدا تعالیٰ کی افضل مخلوقات یعنی انسان کو خاک میں لوٹنے میں بہائم کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے پس جو کچھ شریعت حقہ نے مقرر کیا ہے حسن اور خوبی اور عدل میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مٹی سے تخصیص تیمم کی وجہ

حضرت علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العٰلمین میں مٹی سے تخصیص تیمم کے سوال پر کچھ جوابات لکھے ہیں جن کا خلاصہ ترجمہ ہم یہاں اردو میں لکھتے ہیں۔

سوال: تیمم ایک وجہ سے خلاف عقل ہے کیونکہ مٹی خود آلودہ ہے وہ نہ پلیدی اور میل کو دور کرتی ہے اور نہ بدن اور کپڑے کو پاک کر سکتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس عالم کی ہر چیز کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا ہے۔ ہماری سرشت کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں جن سے ہمارا نشوونما ہماری تقویت و غذا ہوتی ہے جس کا ہم کو مشاہدہ ہو رہا ہے پس جب کہ خدا نے اس مٹی اور پانی کو ہمارے نشوونما و تقویت غذا کے اسباب ٹھہرائے تو ہمارے پاک اور ستھرے ہونے کے لئے اور عبادات میں مدد لینے کے لئے بھی انہیں کو وضع فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ مٹی وہ اصل چیز ہے جس سے بنی آدم وغیرہ کی پیدائش ہوتی ہے ادھر پانی ہر چیز کی زندگی کا باعث ہے۔ الغرض اس عالم کی تمام اشیا کی پیدائش کی اصل یہی دونوں چیزیں ہیں مٹی اور پانی جس سے خدا نے اس عالم کو مرکب کیا ہے پس جبکہ ہماری ابتدائی پیدائش اور تقویت اور نشوونما مٹی اور پانی سے

ہوئی ہے تو جسمانی وروحانی پاکی کے لئے بھی انہیں کو خدا نے ٹھہرالیا۔

۲)......عادۃً پلیدی وگندگی کو زائل کرنے کا رواج پانی سے بکثرت ہے اور جب بحالت مرض وعدم وجود آب عذر لاحق ہو جائے تو طہارت کے لئے پانی کے دوسرے ساتھی اور ہمسر یعنی مٹی کو بہ نسبت کسی دوسری چیز کے مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۳)......تیمم کے لئے زمین اس واسطے خاص کی گئی ہے کہ زمین کہیں بھی ناپید اور مفقود نہیں ہوتی تو ایسی چیز اس قابل ہو سکتی ہے جس سے لوگوں کی دقت رفع ہو سکے۔

۴)......منہ کو خاک آلود بنانا کسر نفس وانکسار وعاجزی پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے سو تیمم کے لئے مٹی استعمال کرنے میں یہ خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے اور ذلت کی شان طلب عفو کے مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ سجدہ کرنے میں اپنے منہ کو مٹی سے نہ بچانا پسندیدہ اور مستحب ٹھہرایا گیا ہے۔

تیمّم میں دو اندا موں کے مخصوص ہونے کی وجہ اور پاؤں اور سر پر مسح تیمم مشروع نہ ہونے کا راز

تیمم دو اندا موں ہاتھوں اور منہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور پاؤں اور سر پر تیمم مشروع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ مٹی کا سر پر ڈالنا ناپسندیدہ ومکروہ امر شمار کیا جاتا ہے کیونکہ مٹی کا سر پر ڈالنا مصائب اور تکالیف کے وقت لوگوں میں مروج ہے اس وجہ سے سر پر مٹی ملنا مشروع نہیں ہوا کیونکہ یہ امر عنداللہ وعندالناس مکروہ وناپسند ہے اور تیمم میں پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا اس لئے حکم نہیں دیا گیا کہ پیر تو خود ہی گردوغبار سے آلودہ رہتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تا کہ نفس میں اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔ حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ تیمم کے دو انداموں کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

واما كونه في عضوين ففي غايت الموافقة للقياس والحكمة

فان وضع التراب على الرؤس مكروه فى العادات وانما يفعل عند المصائب والنوائب والرجلان محل ملابسة التراب فى اغلب الاحوال وفى تتريب الوجه من الخضوع والتعظيم لله والذل له والانكسار لله ماهو من احب العبادات اليه وانفعها للعبد.

(اس عبارت کا اکثر ترجمہ اوپر لکھا جاچکا ہے)

۲)......دوسری وجہ یہ ہے کہ تیمم صرف دو ایسے مغسول انداموں میں مشروع ہے جو وضو کرنے میں مدام دھوئے جاتے ہیں اور دو ممسوح انداموں سے تیمم ساقط ہوگیا کیونکہ پاؤں پر موزے پہن کر اور سر پر ہر حال میں مسح ہوتا ہے پس جبکہ دو مغسول انداموں کے لئے صرف مسح پر اکتفا کیا گیا تو دو ممسوح انداموں کو ساقط ہی کر دینا مناسب ہے کیونکہ اگر ان پر بھی مٹی سے مسح مشروع ہوتا تو اس سے حکمت سہولت و آسانی میں فرق آتا جو مصلحت الٰہی کے برخلاف ہے۔

باب الغسل

حائض وجنبی کے مسجد میں داخل نہ ہونے کی وجہ

جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا اس لئے ناجائز ہوا کہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر الٰہی میں سے ہے اور کعبہ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اُس کے اندر جانا ایسی ناپاک حالت میں ناجائز ہوا۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

جس مکان میں کتایا جنبی یا تصویر ہواس میں رحمت کے فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایدخل الملائکۃ بیتافیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب

یعنی جس مکان میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنبی آدمی ہو۔

اس سے مراد ہے کہ ان چیزوں سے فرشتوں کو نفرت ہے کیونکہ فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور نجاست ظاہری ومعنوی مثل بُت پرستی اور اس کے مقدمات سے نفرت یہ سب چیزیں اُن صفات کی اضداد کی حامل ہیں اس لئے ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔

کافر کے مسلمان ہونے کے وقت اس کیلئے غسل کرنے کی وجہ

ایک شخص اسلام لایا تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے کا امر فرمایا اور

دوسرے شخص کو ارشاد کیا کہ کفر کی علامت کو اپنے آپ سے دور کردے یعنی سر منڈادے اس میں بھید یہ ہے کہ اس شخص کو ظاہر میں بھی ایک بری چیز سے باہر آجانا متمثل ہو جائے اور نیز اس کو آگاہ کیا گیا کہ جیسا وہ اپنے ظاہر بدن کو غسل دیتا ہے ایسا ہی اپنے باطن کو بھی تمام سابقہ عقائد باطلہ سے دھوڈالے۔

طہارت حیض کے بعد غسل واجب ہونے کی وجہ

حیض کے خون کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اذی یعنی گندگی فرمایا ہے پس جس گندگی سے بار بار جسم آلودہ ہو اُس سے نفس انسانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

دوسرا اجریان خون سے لطیف پٹھوں کو ضعف پہنچتا ہے اور جب غسل کیا جائے تو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور پٹھے تروتازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں وہی قوت عود کر آتی ہے۔ اسی گندگی کے سبب خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے حالت حیض کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوھن حتی یطھرن

ترجمہ: یعنی حیض کے دنوں میں عورتوں سے کنارہ کرو اور ان کے نزدیک مت جاؤ۔ یعنی اُن سے صحبت نہ کرو جب تک کہ وہ حیض سے پاک نہ ہولیں۔

جنبی و حائض کیلئے قرآن کریم اور نماز پڑھنا ناجائز ہونے کی وجہ

(۱)...... جنابت اور حیض دونوں ایسی حالتیں ہیں جن کو قرب الٰہی کے ساتھ منافات اور جن میں نجاست سے اختلاط ہے اور نماز و قرآن کریم کا پڑھنا خدا سے ہمکلام ہونے کا مرتبہ ہے اور خدا کی ہمکلامی کے شرف سے انسان جب ہی مشرف ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کی نجاستوں سے پاک و مطہر ہو کیونکہ خدا پاک ہے اس کو ناپاکی سے نفرت ہے۔

منی نکلنے سے غسل واجب ہونے کی وجہ اور بول و براز سے عدم وجوب غسل کا راز

خروج منی سے غسل کا واجب و لازم ہونا اور بول سے واجب نہ ہونا شریعت اسلامیہ کی بڑی خوبیوں سے اور رحمت و حکمت و مصلحت الٰہی سے ہے کیونکہ منی سارے بدن سے نکلتی ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے منی کا نام سلالہ رکھا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين

یعنی ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے کھینچے ہوئے جوہر سے۔

صراح میں لکھا ہے سلالہ بمعنی آنچہ بیروں کشیدہ شود از چیزے و آب پشت مردم پس منی انسان کے سارے بدن کا ست ہوتا ہے جو بدن سے رواں ہو کر بالآخر پشت کے راستہ سے نیچے آتی اور عضو تناسل سے خارج ہوتی ہے اس کے نکلنے سے بدن کو بہت ضعف پہنچتا ہے اور بول و براز صرف کھانے پانی کے فضلے ہوتے ہیں جو مثانہ و معدہ میں جمع رہتے ہیں اس لئے منی کے نکلنے سے بہ نسبت خروج بول و براز کے جسم کو بہت کمزوری لاحق ہوتی ہے اور پانی کے استعمال سے وہ کمزوری نہیں رہتی۔

(۲)—— جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی و کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت کے بعد میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا اپنے اوپر سے ایک پہاڑ اتار دیا۔ یہ ایسا امر ہے جس کو ہر ایک سلیم طبع اور صحیح فطرت والا جانتا ہے۔

(۳)—— جنابت سے انسان کی ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بُعد و دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ بعد اور دوری ہٹ جاتی ہے اس لئے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے اگر پاک ہو تو اس کو سجدہ کرنے کا امر ہوتا ہے اور اگر جنابت

[illegible]
[illegible]

(۴) جب انسان جماع سے فارغ ہوتا ہے تو اس [illegible]
حالت میں ہوتا ہے اور اس پر تھکی اور کم [illegible] طاری ہو جاتا ہے [illegible]
کسل میں پاتا ہے اور جب [illegible] قسم کی [illegible]
کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اس کی تھکی [illegible]
اس کے بہت خوشی معلوم ہوتی ہے پہلی حالت [illegible]

(۵)......حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بہت ہی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن و روح کے لئے نہایت نافع اور مفید ہے اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن و روح کے لئے سخت مضر ہے اس امر کی خوبی پر عقل و فطرت سلیمہ کافی گواہ ہیں نیز اگر شارع علیہ السلام خروج بول و براز سے غسل کرنا لازم ٹھہراتے تو لوگوں کو سخت حرج ہوتا اور محنت اور مشقت میں پڑ جاتے جو کہ حکمت اور رحمت و مصلحت الٰہی کے خلاف ہے۔

(۶)......جماع میں تلذذ ہوتا ہے کہ اس سے ذکر الٰہی میں غفلت ضرور ہو جاتی اس لئے اس کی تلافی کے لئے غسل کیا جاتا ہے۔

(۷)......منی کے نکلنے سے بدن کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں اور کبھی ان سے پسینہ نکلتا ہے اور پسینہ کے ساتھ اندرونی حصہ بدن کے گندے مواد بھی خارج ہوتے ہیں جو کہ مسامات پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں اگر ان کو دھویا نہ جائے تو خطرناک امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

باب نواقض الوضوء والتیمم

خروج بول و براز وریح سے امر وضو کی وجہ

خروج ریح و بول و براز کی بدبو سے اندرونی حالت نفس کو ایک قسم کی نجاست و یبوست وضعف لاحق ہوتا ہے اور ملائکہ سے بُعد ہو جاتا ہے اور شیاطین و جنات اس کو گھیر لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خروج ریح و بول و براز کے وقت

الھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث اور غفرانک

پڑھنے کا امر فرمایا یعنی اے میرے خدا میں نجاستوں اور جنوں اور جنیوں وشیاطین سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری مغفرت چاہتا ہوں پس اسی کے بعد امر وضو کا ہوا کیونکہ وضو سے نجاست و یبوست وضعف دور ہوتا اور ملائکہ سے قرب اور شیاطین وخبائث سے دوری حاصل ہوتی ہے۔

بول و براز اور جماع کرنے کے وقت خانہ کعبہ کی طرف پشت اور منہ کرنا منع ہونے کی حکمت

(۱)......خانہ کعبہ خدا تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے پس خانہ کعبہ کی تعظیم خدا تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس میں کمی خدا تعالیٰ کی تعظیم میں کمی ہے اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہو گیا اور اُس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اس کا طواف نہ

کیا کریں نماز میں اُس کے سامنے کھڑے ہوں۔ ضرورت بشری یعنی بول و براز و جماع کے وقت اُس کے سامنے نہ ہوں نہ اُس کی طرف پشت کریں کیونکہ یہ امر بے ادبی میں داخل ہے وجہ یہ کہ جس سے عمداً بے ادبی سرزد ہوتی ہے اُس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اُس کی سخت دلی کا اثر اس کے متعلقین واقارب پر بھی سرایت کرتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود راداشت بد　　بلکہ آتش درہمہ آفاق زد

و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب.

یعنی خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم و ادب کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں تقویٰ ہے۔........لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اتیتم الغائط فلاتستقبلوا القبلۃ ولاتستدبروھا

یعنی جب تم جائے فراغت میں آؤ تو قبلہ کو نہ منہ کرو اور نہ اُس کو پشت کرو۔

(۲)......اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ دل کے اندر خدا تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے پس جبکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی یہ شرط ہے کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لئے مخصوص رہے پس جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے یعنی حالت پاخانہ پیشاب جماع ایسی حالتوں میں قبلہ کو نہ منہ کیا جائے نہ پشت کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

نیند سے وضو ٹوٹنے کی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

العینان وکاء السہ فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ

یعنی سُرین کا بند آنکھیں ہیں کیونکہ جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

پاخانہ جانے اوراس سے نکلنے کے وقت اعوذو غفرانک پڑھنے کی وجہ

پاخانہ کو جانے کے وقت اعوذ باالله من الخبث والخبائث پڑھنا اس لئے مستحب ہے کہ اس جگہ شیاطین جمع رہتے ہیں اس لئے کہ ان کونجاست بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلنے کے وقت غفرانک کہے کیونکہ پاخانہ میں ذکرالٰہی ترک ہوتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے۔

تین ڈھیلوں سے امر استنجا کی وجہ اور گوبراور ہڈیوں سے منع استنجاء کا راز

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم انما انالكم مثل الوالد لولده اعلمكم اذا اتيتم الغائط فلاتستقبلوا القبلة ولا تسدبروها وامر بثلاثة احجارو نهى عن الروثة والرمة ونهى ان يتطيب الرجل بيمينه.

ترجمہ: یعنی حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں تم کو آداب سکھاتا ہوں جب تم پاخانہ کو جاؤ تو قبلہ رُو اور قبلہ پشت ہوکر نہ بیٹھو اور فرمایا استنجاء میں تین ڈھیلوں کا امر فرمایا اور گوبر اور ہڈ سے استنجا کرنے کو منع فرمایا اور داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔

قضاء حاجت کے وقت قبلہ رُو ہوکر نہ بیٹھنے اور داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرنے کی وجہ کا ذکر تو قبل ازیں لکھا گیا ہے اب بقیہ اجزاء حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) استنجا کے لئے تین ڈھیلے اس لئے مقرر فرمائے کہ صفائی کے لئے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری تھا ورنہ وہمی آدمی سارا دن استنجا کرنے میں گزار دیتے باوجود اس قدر تاکید شدید کے ہم بعض وہمیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی استنجا کے لئے ڈھیلوں

کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور پانی کے کئی کئی مٹکے خالی کر دیتے ہیں اور تین سے کم ڈھیلوں میں بخوبی صفائی اور پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی اور تین میں صفائی ہو جاتی ہے اور تین سے زیادہ میں تضییع اوقات اور وہم کا بڑھنا ہے اور گوبر و ہڈیوں سے استنجا اس لئے منع ہوا کہ ان میں اکثر موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ اور بعض قسم کے کاٹنے والے کیڑے بیٹھے رہتے ہیں لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنظر شفقت ورحمت اپنی امت کو ان سے استنجا کرنا منع فرمایا تا کہ استنجا کرنے والے کو کوئی موذی جانور نہ کاٹے اور ایذا نہ پہنچائے وجہ یہ ہے کہ اکثر ہوام اور موذی جانور سانپ بچھو ہزار پا وغیرہ کی پیدائش گوبر اور ہڈیوں میں سے ہوتی ہے اور انہی سے ان کی خوراک و پرورش ہوتی ہے اور ان کے سوراخدار جگہوں میں ایسے جانور گھسے رہتے ہیں اس لئے کہ جہاں کسی چیز کی پیدائش وخوراک کا سامان ہو وہاں اُس کا اکثر قیام رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان سے استنجا کرنا منع ہوا تا کہ ان کے اندر سے نکل کر کوئی زہریلا جانور استنجا کرنے والے کو ایذا نہ پہنچائے۔

(۲)......گوبر و ہڈیوں سے استنجا کرنا موجب امراض شدیدہ ہے کیونکہ ان میں زہریلے حشرات کے اور ہوائے متعفن کے سمی اور قاتل آثار ہر وقت موجود رہتے ہیں اگرچہ ان میں کسی وقت کیڑے نہ بھی موجود ہوں لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لوگوں کو محض بنظر شفقت ورحمت ان ضرروں سے بچنے کے لئے گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنا منع فرمایا ہے اور ہڈیوں کے باب میں ایک اور حکمت بھی وارد ہے انه زاد اخوانکم من الجن وہ اس کے علاوہ ہے۔

قہقہہ اور قے اور نکسیر سے امر وضو کا راز

بہتا ہوا خون اور قے کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیزیں ہیں اور نماز میں قہقہہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے جس کا کفارہ ہونا چاہیے اگر ان چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور قہقہہ کا جرم ہونا اس لئے ہے کہ نماز میں قہقہہ کسی نفسانی پلیدی کے باعث ہوتا ہے جس کا ازالہ وضو سے کرنا لازم ہوا۔

حاجت بول و براز کے وقت منع نماز کی وجہ

(۱)...... نفس کے اندر وضو کا اثر اُسی وقت پیدا ہوسکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب شکم کے اندر نفخ وغیرہ سے تردد اور اضطراب بھی نہ ہو لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لایصلی احدکم وهو یدافعه الاخبثان

یعنی تم میں سے کوئی شخص نماز کو کھڑا نہ ہو جب اُس کو پاخانہ و پیشاب کی سخت حاجت ہو۔..........اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا ہے کہ نفس کے کسی اور طرف مشغول ہونے میں بھی حدث کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ ایسی حالت میں نماز کی طرف انسان کی توجہ نہیں ہوسکتی بلکہ وہ پاخانہ اور پیشاب کی مدافعت میں مشغول ہوجاتا ہے۔.....(۲)......حبس و بول و براز سے دل میں انقباض اور پراگندگی و عدم حضور کا لاحق ہونا یقینی ہے اور جب حضور نہ ہو اور پراگندگی رہے تو نماز ناقص رہے گی لہٰذا ایسے سبب کو رفع کرنے کا حکم ہوا جو نماز میں پراگندگی اور عدم حضور کا باعث ہو چنانچہ علامہ حکیم محمد تونسی اپنی کتاب کنوز الصحۃ میں لکھتے ہیں:

ان حصرالبول فی المثانة مدة طویلة مضر تنشأ عنه عوارض خطرة کسلسل البول والحصاة وغیرذلک فیجب علی الانسان ان یبول کلمااحس بالبول ولایحصره مطلقا ویرحم الله القائل:

ولاتحبس الفضلات عندانهضا مها ولوکنت بین المرهفات الصوارم

ترجمہ: بول کو بہت دیر تک مثانہ میں روکنا ضرررساں ہے اس لئے خطرناک امراض سلسل البول اور سنگ مثانہ وغیرہ پیدا ہوجاتے ہیں پس انسان پر لازم ہے کہ جب بول کی حاجت ہو تو اُسی وقت بول کرے اور اُس کو ہرگز روک نہ رکھے۔ چنانچہ کسی نے اس بارہ میں کہا ہے کہ جب فضلات ہضم ہوچکیں تو ان کو مت روکو اگرچہ تم چلتی تلواروں کے درمیان ہو۔

بابُ المسح علی الخفین

مسح موزوں کا راز

چونکہ وضو کا ان اعضا ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد وغبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پاؤں موزوں کے پہننے سے اعضاء باطنہ میں داخل ہوجاتے ہیں اور نیز عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت اُن کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں پاؤں کا دھونا ساقط کردیا گیا اور حکم دیا گیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تاکہ پیروں کا دھونا یاد آجائے کیونکہ مسح بھی پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے۔

موزہ پر نیچے کی جانب مسح مشروع نہ ہونے کی وجہ

اگر مسح موزہ نیچے کی جانب مشروع ہوتا تو بڑا حرج تھا کیونکہ نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت گرد سے موزوں کے آلودہ ہونے کا گمان غالب ہے لہٰذا عقل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جائے۔

موزہ پر مسح مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر ہونے کی حکمت

جہاں آسانی کردی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز بھی مقرر کی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہوجائے لہٰذا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کے حاصل کرنے کے لئے ایسی چند باتیں مسح موزہ کے

ساتھ بھی مقرر کر دیں مثلاً ایک تو مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مقرر فرمائی اس لئے کہ ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا التزام اور انتظام ہو سکتا ہے بہت سی چیزوں کو جن کا التزام کرنا چاہتے ہیں اسی مدت کے ساتھ ان کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے یہ دونوں مدتیں مقیم و مسافر پر اُن کی رفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئی ہیں پھر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں یہ دوسری شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تا کہ پہننے والے کے دل میں اس وقت کی طہارت کا نقشہ جمار ہے اس لئے کہ موزوں کی حالت میں گرد وغبار کا اثر کم ہوتا ہے پس وہ اس طہارت مسح سے اُس طہارت غسل کو یاد کر لیتا ہے اور اس قسم کے مذاکرات کا نفس کی تنبیہ پر پورا اثر ہوتا ہے۔

باب المیاہ..... (پانی)

جواب اس سوال کا کہ کیا کنویں سے رفع ناپاکی کے لئے ڈول نکالنا موافق عقل ہے اسلامی فقہ کے اس مسئلہ کے متعلق بعض فلاسفروں کا اعتراض ہے۔

من العجب انه لو وقع فی البیر نجاسة نزح منها دلاء معدودة فاذا جعل الدلو فی البیر تنجس وما اصاب حیطان البیر من ذلک نجسها وکذلک مابعده من الدلاء الی ان تنتهی النوبة الی الدلو الاخیر فانه یتنزل ثم یصعد طاهرا فیقشقش النجاسة کلها من قعر البیر الی رؤسه قال بعض المتکلمین مارایت اکرم من هذا الدلو ولا اعقل.

ترجمہ: تعجب کی بات ہے کہ اگر کنویں میں نجاست پڑ جائے تو اس سے چند ڈول نکالے جاویں پس جب کنوئیں میں ڈول پڑتا ہے تو وہ بھی نجس ہو جاتا ہے اور جو پانی اس ڈول سے کنویں کی دیواروں کو لگتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ ڈول کے اترنے کی آخری نوبت تک دیواریں پانی سے ناپاک ہوتی رہتی

ہیں پھر جب آخری ڈول اوپر آتا ہے تو سب نجاست کو کنویں کی تہہ سے لیکر اس کے سرے تک اوپر لے آتا ہے بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ہم نے اس ڈول سے بزرگ اور عاقل تر کوئی اور ڈول نہیں دیکھا۔

جواب: ڈول نکالنے کی حکمت ظاہر ہے کہ کنوئیں کے پانی کو ڈول کے ذریعہ سے جاری کیا جاتا ہے تا کہ جریان آب سے نجاست کے اجزا خارج ہو جائیں۔

باوجود وقوع نجاست جاری پانی پاک ہونے کی وجہ

جس رُکے ہوئے قلیل پانی میں نجاست پڑ جائے بوجہ رکاوٹ اکثر تو اس کا رنگ و بو اور ذائقہ متغیر ہو جاتا ہے اور اگر متغیر نہ بھی ہو تب بھی بوجہ قلت اس میں نجاست سائر و مؤثر ہو جاتی ہے مگر جاری پانی کے اجزا بوجہ جریان قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ نجاست کے اجزا اس کے جریان کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔

قلیل پانی کی نجاست کی حکمت آب قلیل و کثیر کی حد مقرر ہونے کا راز

پانی کی ضرورت تمام اشیاء عالم میں نظر آتی ہے چنانچہ اس کا کثیر الوجود ہونا خود اس بات پر دال ہے کہ تمام حیوانات کو اس کی ضرورت رہتی ہے۔

عالم کے تمام جانداروں کا اسی پر آمد و رفت کرنا اور ان کی زندگی کا اسی پر موقوف ہونا عیاں لہٰذا پانی کی اس قدر کثرت استعمال اس امر کی مقتضی ہوئی کہ جن پانیوں میں درندوں اور نجاستوں کا اثر پڑ کر آدمیوں کو ضرر دیں ان کی حد بنی آدم کو بتائی جائے تا کہ وہ آگاہ ہو کر اُن نقصانات اور ضرروں سے بچیں اور جو حد ضرر سے زائد ہو اُس کی اجازت دی جائے پس جو حکم پانی قلیل کے لئے ہے اگر وہی کثیر کے لئے ہوتا تو دنیا میں لوگوں کے بڑے بڑے نقصانات ہوتے اور وہ دقتوں میں پڑ جاتے اور ان کی زندگیاں اُن پر دوبھر ہو جاتیں۔

اس لئے ضروری ہوا کہ پانی کے لئے حد قلیل و کثیر متمیز ہوتا کہ اس میں وقوع نجاست سے ایک دوسرے کے احکام میں التباس ہو کر لوگوں پر حرج وعسر واقع نہ ہو۔

وجہ خصوصیت آب دہ دردہ

جیسا کہ خباثت کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ہونا ضروری تھا کہ اگر وہ قلیل اور کثیر پانی میں پڑ جائے تو اس کا پاک وناپاک ہونا معلوم ہو سکتا ہوا ایسا ہی پانی کی قلت وکثرت کی حد کا متعین ومقرر ہونا ضروری ہے تا کہ رفع شک اور وہم ہو لہٰذا دس جو جمع کثیر کا ابتدائی عدد ہے اس امر کا معیار مقرر ہوا کیونکہ یہ عدد پانی کی کثرت پر دلالت کرتا ہے پس جہاں اس قسم کی کثرت پاکی میں ہو وہاں قلیل ناپاکی جو بو یا ذائقہ یا رنگ آب کو متغیر نہ کر سکے وہ موثر نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جہاں دہ دردہ گز پانی ہو وہاں قلیل ناپاکی کو موثر ہونا قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو پاک گنا جاتا ہے کیونکہ دردہ کا حاصل ضرب یکصد کی کثرت کو پہنچتا ہے۔

چوہے اور بلی کا جھوٹا پاک ہونے کی وجہ

اگر شریعت کا حکم ان جانوروں کی نجاست کا ہوتا تو اس میں امت پر حرج عظیم ومشقت کثیر واقع ہوتی کیونکہ یہ جانور شب وروز لوگوں کے فرشوں اور کپڑوں اور ماکولات ومشروبات پر پھرتے رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے باب میں اس امر کی طرف ایما فرماتے ہیں۔

انها ليست بنحسة لانها من الطوافين عليكم والطوافات.

کتے اور بلی کے جھوٹے میں فرق ہونے کی وجہ

(۱) کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے فرشتے نفرت رکھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کتا شیطان سے بہت مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس کی فطرت میں غصہ ولعب اور گندگی سے آلودہ رہنا اور لوگوں کو ایذا دینا اور شیطانی الہام کو قبول کرنا پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ

حدیث میں ہے کہ بغیر عذر کتے سے مخالطت کرنے سے دو قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔

(۲) کتا جو چیز کھاتا ہے اس کے ساتھ اس کا منہ آلودہ ہو جائے تو منہ کو صاف نہیں کرتا بخلاف بلی کے وہ اپنے منہ کو پونچھ کر چاٹ کر صاف کر لیتی ہے۔

برتن میں کتے کے منہ ڈالنے یا اس سے پانی وغیرہ پینے سے اس برتن کو سات بار دھونے سے اُس کے پاک ہونے کی حکمت

قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم اوالغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرات وعفروه الثامنة بالتراب

یعنی کسی برتن میں کتا پانی پی جائے یا کھا جائے تو اس برتن کو پاک کرنے کے لئے سات بار دھو ڈالو اور آٹھویں بات اس کو مٹی سے مانج دے۔

کتے کے لعاب کی رطوبت کا اثر بہت قوی اور زہریلا ہوتا ہے اور وہ برتن وغیرہ ہر ایک چیز میں یکساں ہوتا ہے جو شخص کتے کا پس خوردہ یا کتے کے متاثر برتن میں کھانا کھائے یا پانی وغیرہ پئے بالضرور اُس میں اس کی درندگی و بداخلاقی کا اثر سرایت کر جاتا ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن کو جس میں کتے نے پانی پیا یا کھایا ہو اس کو بکثرت دھونے کا حکم فرمایا اور سات بار کی تعداد کثرت سے دھونے کی تاکید پر دال ہے اور سات بار تک دھونے کی تعیین اس امر پر دال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ نبوی سے اس حد تک دھونے سے پلیدی کا اثر رفع ہونے کا علم ہو چکا تھا لہٰذا یہ حد مقرر فرما دی اور آٹھویں بار مٹی سے مانجھنا اس لئے فرمایا کہ زہریلے مادہ کی رطوبت کا اثر جو برتن وغیرہ میں سرایت کر جائے اس کو مٹی کا مادہ نمک رفع کر دیتا ہے

عبادات کے لئے اوقات مخصوص ہونے کی حکمتیں

(۱) جیسا کہ انسان پر ظاہر ہے کہ تغیر اوقات و تبدیل حالات سے جسمانی تبدیلیاں مشاہدہ میں آرہی ہیں ایسا ہی تغیر اوقات کے ساتھ اس پر روحانی تبدیلیاں

بھی واقع ہوتی رہتی ہیں اور جیسا کہ ان تغیر اوقات کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے ایسا ہی اس کی روحانیت پر بھی اثر ہوتا ہے۔

تبدیلی اوقات وحالات کے بعض دوروں کا وقت تو روزانہ ہوتا ہے اور وہ روزانہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور بعض اوقات کا دور ہفتہ کے دور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ روز جمعہ کا وقت ہے اور بعض اوقات کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور وہ رمضان شریف وعیدین ہیں۔

(۲) لوگوں کے اعمال کا درگاہ الٰہی میں دوشنبہ وپنجشنبہ کو پیش ہونا جو احادیث نبویہ میں مذکورہ ہے اور رمضان میں قرآن کریم کا نازل ہونا فضیلت اوقات اور انسانی حالات کی خصوصیتوں کی طرف ایما ہے۔

(۳) جیسا کہ جسم کی حفاظت کے لئے بطور حفظ ماتقدم خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء ادویہ وغذا یہ حسب مناسب وقت استعمال کی جاتی ہیں ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ کے فرمودہ احکام کی بجا آوری بہ مناسب اوقات معینہ کی جاتی ہے۔

(۴) نماز کے لئے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ وقت کے تعین سے انسانوں کے دلوں کو اس کی طرف توجہ رہتی ہے اور ان کو جمعیت رہتی ہے اور یہ جھگڑا نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے پر چلے کیونکہ جس امر کی تعیین نہ ہو اس میں ہر شخص اپنی رائے کا دخل دینا چاہتا ہے خواہ اس میں اس کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔

(۵) اگر عبادات کے لئے اوقات معین نہ ہوتے تو اکثر لوگ تھوڑی سی نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے جو بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہوتا۔ تعین اوقات میں یہ بھی ایما ہے کہ اگر کوئی شخص ان اوقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور ان کے ترک کرنے کے حیلے حوالے کرے تو اس کی گوشمالی ممکن ہو سکے۔

(۶) حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انسان کو زمانہ کے ہر ایک محدود حصہ کے بعد نماز کی پابندی کا اور اس کے لیے تعیین وقت کا حکم دیا جائے تا کہ نماز سے قبل اس کا انتظار

کرنا اور اُس کے لئے تیار رہنا اور نماز کے بعد اس کے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا باقی رہنا بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا ذکر مدنظر رہا کرے اور اس کے اطاعت میں دل معلق رہے۔

اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کی طرح رہتا ہے جس کی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے اور ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی بھی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔

(۷) تقرر اوقات خمسہ میں پابندی اوقات کی طرف اور امور مہمہ میں تاخیر نہ کرنے کی طرف ایما ہے **لا تؤخر عمل الیوم لغد** یعنی آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

وجہ تعیین اوقات پنجگانہ نماز

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی اور حقیقت سمجھنے کے لئے اوقات خمسہ کے اوصاف مؤثرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموت والارض وعشیا وحین تظھرون.

ترجمہ: خدا تعالیٰ کی یاد کا وقت ہے جب تم شام کرو اور جب صبح کرو اور اُس کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے وقت اور دوپہر میں۔

عبارت قرآنی سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان اوقات میں زمین اور آسمان کے اندر تغیرات عظیمہ واقع ہوتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے جدید تسبیح وتحمید کا موقع آتا ہے اور ان تغیرات کا اثر انسانی روح اور جسم دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہیں یعنی تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہاری فطرت کے لئے ان کا وارد ہونا ضروری ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وجہ تعیین نماز ظہر

(۱) پہلے جب کہ تم مطلع کیے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوش حالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے اپنی خوش حالی کے زوال کے مقدور ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہو جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے تاکہ جس کے قبضہ میں وہ زوال ہے اس کی قدرت کو یاد کر کے اس کی طرف توجہ کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کے ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے۔ نیز اس وقت کے تغیر کا بھی یہی مقتضا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی جائے چنانچہ اس تغیر کے آثار جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ طبیبوں نے اپنی طبی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ مفرح القلوب شرح قانونچہ میں لکھا ہے۔

"کہ نوم بعدزوال کہ مسمی است بہ حیلولہ لکونہ حائلا بین النائم والصلوٰۃ محدث نسیان است."

ترجمہ: یعنی دوپہر کے بعد نیند جس کو حیلولہ کہتے ہیں نسیان کا مرض پیدا کرتی ہے اور حیلولہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ سونے والے اور نماز کے درمیان حائل ہو جاتی ہے سو اس تغیر سے بچنے کے لئے بھی بجائے نوم کے اشتغال بالطاعۃ مصلحت ہے۔

ظہر کو ٹھنڈا کرنے کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اذا اشتدت الحر فابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم**...... ترجمہ: یعنی جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا جوش ہے۔

اس سے یہ مطلب ہے کہ جنت و جہنم کا خداتعالیٰ کے ہاں خزانہ ہے اس عالم میں کیفیات مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔

وجہ تعیین نماز عصر

دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کیے جاتے ہو مثلاً تم جبکہ بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش کیے جاتے ہو یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے سو یہ حالت تمہاری اُس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتی ہے اور نظر اُس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے جس سے اپنے کمالات کے زوال کے احتمال قریب پر استدلال کرنا چاہئے اس روحانی حالت کے مقابل نماز عصر مقرر ہوئی تاکہ اس زوال کے مالک کی طرف توجہ کرنا جالب (یعنی رحمت کا ذریعہ ہو ۱۲ مصحح) اس کی رحمت کا ہو۔ نیز یہ ایسا وقت ہے کہ اس وقت کی غفلت کا کوئی تدارک نہیں۔ اس وقت کی غفلت جسمانیت پر بھی بُرا اثر ڈالتی ہے چنانچہ محمد ارزانی حکیم لکھتے ہیں

"کہ نوم آخر روز کہ مسمی است بہ فیلولہ
باعث آفات کثیرہ است بہ ھلاکت می کشد"

ترجمہ: یعنی عصر کے وقت کی نیند جس کو عربی میں فیلولہ کہتے ہیں بہت بیماریاں پیدا کرتی ہے۔...... بسا اوقات اس وقت کی نیند سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ سو اس کا یہی مقتضی ہے کہ بجائے نوم و غفلت کے عبادت میں مشغول ہو۔

وجہ تعیین نماز مغرب

(۳) تیسرا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب اس بلا سے رہائی پانے کی بالکل امید منقطع ہو جاتی ہے مثلاً تمہارے نام فرد قرارداد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کے لئے گزر جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے اوسان خطا ہو جاتے

ہیں تم اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو سو یہ حالت اُس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام ہوسنا کی کی اُمیدیں دن کی روشنی کی ختم ہو جاتی ہیں۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے تاکہ اس طویل امل کا معالجہ ہو۔

وجہ تعیین نماز عشاء

(۴) چوتھا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اس کی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جبکہ فرد قرار داد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کے لئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے جاتے ہو۔ سو یہ حالت اس حالت سے مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے اس روحانی حالت کے مقابلہ پر نماز عشاء مقرر ہوئی ہے تاکہ ان بلیات قریبۃ الوقوع باعتبار القدرۃ سے تم ببرکت طاعت کے محفوظ رکھے جاؤ اور رات اور تاریکیوں کو مصائب کے ساتھ اور دن اور روشنیوں کو آرام و نجات کے ساتھ قدرتی مناسبت ہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر بھی اس قدرتی مناسبت کو یوں بیان کرتا ہے

الم تر ان اللیل لما تر کمت دجاہ بداوجہ الصباح و نورہ

فلاتصحبن الیاس ان کنت عالما لبیبا فان الدھر شتی امورہ

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب اندھیری رات چھا جاتی ہے تو اس کے بعد صبح کا نور آیا کرتا ہے پس اگر تو دانا ہے تو نا امید نہ ہو کہ زمانہ کے مختلف امور ہوتے ہیں۔

وجہ تعیین نماز فجر

(۵) پھر جبکہ تم مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے اور تاریکی کے بعد آخر کار پھر صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ سو اس حالت نورانی کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے خدا تعالیٰ نے تمہارے فطرتی

تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدے کے لئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں وہ آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ یہ نیا دن کس قسم کی قضاؤ قدر تمہارے لئے لائے گا پس قبل اس کے کہ دن چڑھے اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو تا کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے یہ ایسا وقت ہے کہ اگر اس وقت انسان خدا تعالیٰ سے غافل ہو تو اس کی روحانیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور سویا ہو تو اس کی جسمانیت کو سخت ضرر پہنچتا ہے۔ چنانچہ صاحب مفرح القلوب لکھتا ہے۔

''امانوم بامداد کہ مسمی است بحیلولہ سخت زیاں دارد خاصۃ اگر معدہ خالی بود''

ترجمہ: یعنی فجر کی نیند جس کو عربی میں حیلولہ کہتے ہیں سونے والے کو سخت زیاں پہنچاتی ہے خاص کر اگر معدہ خالی ہو تو بہت زیادہ ضرر پہنچتا ہے۔

اوقات نماز کے لئے اول و آخر حد مقرر ہونے کا راز

اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی وقت کے اندر اندر یعنی جس میں نماز پڑھنے سے زیادہ ذرا گنجائش نہ ہوتی نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم تھا اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور اوقات اوائل و اواخر کے لئے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں۔

پابندی اوقات کی حکمتیں

پابندی اوقات کی ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقت معین کے آنے پر قلب انسانی میں بے اختیار جذب و میلان اس فرض منصبی کے ادا کرنے کے لئے پیدا ہو جاتا ہے اور روحانی قویٰ اس مفروض عمل کی طرف طوعاو کرھا منجذب ہو جاتے ہیں جونہی اس غیر مصنوعی ناقوس (اذان) کی آواز سنائی دیتی ہے ایک دیندار مسلمان فی الفور اس

عمل سے متاثر ہو جاتا ہے گویا پابند صلوٰۃ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معاً دوسری نماز کی تیاری اور فکر ہو جاتی ہے۔

باب الاذان

حکمت اذان نماز

نماز کی جماعت ایک ضروری امر ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے نیز حکمت الٰہی کا اقتضا یہ بھی ہوا کہ اذان کے اندر صرف اعلام اور تنبیہ نہ پائی جائے بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعار ٹھہرایا جائے اور لوگوں پر اس کے الفاظ پکارے جائیں اور اس نشان میں مذہب کی عزت کی جائے اور اس کا قبول کر لینا لوگوں کے لئے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اس لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الٰہی اور شہادتین سے اس کی ترکیب ہو اور نماز کے لئے بلانا بھی اس میں پایا جائے جو کہ مضمون ہے حی علی الصلوٰۃ کا تاکہ جو چیز اس سے منظور ہے وہ اس سے صراحۃً سمجھ میں آجائے۔

کان میں انگلی دے کر اذان دینے کی وجہ

ابن ماجہ میں حدیث ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم امر بلالا ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ قال انہ ارفع لصوتک.

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلال رضی اللہ عنہ کو امر فرمایا کہ اذان دینے کے وقت اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر اذان دیا کریں۔ فرمایا اس طرح کرنے سے تمہاری آواز بلند ہوگی۔

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کا راز

(۱) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو

آواز بچے کے کان میں پہلے پڑتی ہے اُس کا اثر اُس کے دماغ میں مستقل اور اُس کی فطرت میں مرکوز ہو جاتا ہے اس نے شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کے کان میں اذان دینا ٹھہرایا کہ اُس کی فطرت میں پہلی آواز جو اُس کی ولادت کے بعد جا کر قائم ہو وہ توحید الٰہی اور رسالت نبوی کی آواز ہو کیونکہ وقت ولادت کی آواز بچے کی طرف وطبیعت میں کالنقش فی الحجر ہو جاتی ہے۔

باب صفة الصلوٰة

نماز میں استقبال خانہ کعبہ کی وجہ

(۱) لوگوں میں قدیم الایام سے یہ طریق وعادت جاری ہے کہ جب کسی امیر وبادشاہ کی صفت وثناء بیان کرتے ہیں تو اول اس کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں اور پھر ثناء اور مدح سرائی میں مشغول ہوتے ہیں اور نماز میں یہی امور عبادت قرار دیئے گئے ہیں اور عبادت کی روح جو کہ خشوع وخضوع ہے وہ بغیر سکون اور ترک التفاوت امور مختلفہ کے حاصل نہیں ہوسکتی اور جب تک کہ عابد اپنی عبادت میں ایک معین ومقرر طرف کا التزام نہ کرے اُس وقت تک یہ سکون نہیں ہوتا اس لئے نماز میں ایک خاص سمت مقرر ہوئی۔

(۲) ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ ظاہری یک جہتی اختیار کرنا باطنی توجہ کو یک طرف کر دینے میں موید ہوتا ہے اس لئے نماز میں استقبال قبلہ لازم ہوا

(۳) لازم ہے کہ جملہ خلائق کے لئے قبلہ ایک معین اور مقرر ہوتا کہ ان کا ظاہری اتفاق باطنی اتفاق کا موید ہو اور جب باطن عبادات کے انوار وبرکات کے حاصل کرنے میں سب متفق ہو جائیں تو اس سے تنویر دل میں عظیم الشان اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے چراغ کسی مکان میں ایک ہی جگہ روشن کئے جائیں تو ان سے بڑی روشنی حاصل ہوتی ہے اس لئے جمعہ اور جماعتیں مشروع ہوئیں۔ چنانچہ پانچوں جماعتوں میں ایک محلہ کے لوگوں کا اتفاق واجتماع اور جمعہ میں ایک شہر کے لوگوں کا

اتفاق اور حج میں تمام جہان کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اتفاق انوار عبادات کے زیادہ کرنے کا خاص طور پر موجب ہوتا ہے اور چونکہ تمام جہاں کے لوگوں کا ایک ہی مکان میں ہر وقت جمع ہونا مشکل ہے تو اُس مکان کی جہت کو اس مکاں کے قائم مقام کر کے نماز میں اُس کے استقبال کا حکم ہوا۔

(۴) بہت صاف امر ہے اور عقل حقیقت شناس کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں کہ اس ہادی کو جس نے تمام دنیا کے متعارف عبادت کے طریقوں کے جن میں کہ شرک اور مخلوق پرستی کے جزو اعظم شامل تھے اپنے طریق عبادت کو خالص کرنا منظور تھا اور ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضرور تھا۔ اس لئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے جس میں قوائے روحانی کی تحریک ہو ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے ایک بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اُسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جس نے اپنی پہلی تلقین و تعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس نماز میں جب ادھر رخ کرتے ہیں تو یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اس مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اس نے اعلاء کلمۃ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

(۵) ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور اس طرف کو آداب و نیاز بجالانے کو ہر شخص صاحب خانہ کے لئے سمجھتا ہے جیسے اگر کسی تخت نشین کے تخت کی طرف جھک کر سلام کریں تو وہ صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں چنانچہ لفظ بیت اللہ اس جانب مشیر بھی ہے کہ خانہ مقصود نہیں بلکہ صاحب خانہ مقصود ہے۔

نماز کے لئے مکان کی صفائی اور لباس کی ستھرائی کا راز

(۱)......بادشاہوں کے دربار میں نظافت و طہارت مکان و لباس کا بھی لحاظ ہوتا ہے ان کے دربار میں شامل ہونے والوں کے لئے پاک اور ستھری جگہ کا اور صاف لباس میں ہو کر داخل ہونے کا لحاظ ضروری ہوتا ہے پس جیسا کہ لباس کی صفائی اور مکان کی

ستھرائی بادشاہوں کو پسند ہوتی ہے ایسا ہی اس خالق الکل واحکم الحاکمین ومالک الملک پاک ذات کو پاکیزگی اور ستھرائی لباس اور مکان کی اور نظافت دل کی مدنظر ہے کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک کو چاہتا ہے اور ہر قسم کی گندگی اور میل سے اُس کو نفرت وکراہت ہے بلکہ دوسرے بادشاہ بھی چونکہ اُس پاک ذات کی تجلی دست قدرت سے قائم ہوتے ہیں اس لئے اُن میں بھی پاکی ونظافت کا لحاظ اُسی پاک ذات کے پرتو سے دلنشین ہوتا ہے جو کہ عین مناسب فطرت صحیحہ وسلیمہ ہے اور خداتعالیٰ تو بالذات پاک ہے پس وہ پاکی اور طہارت کو بدرجہ اولیٰ چاہتا ہے اس لئے نماز میں پاکی مکان کی اور ستھرائی لباس کی ضروری شرائط قرار دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ فرماتا ہے وثیابک فطھر والرجز فاھجر یعنی اپنے لباس کو پاک کر اور گندگی سے کنارہ کر۔

(۲)......ناپاکی اور میل سے شیاطین کو مناسبت ہے اس لئے خداتعالیٰ کی حضور میں کھڑے ہونے کے وقت شیاطین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی اشیاء سے بکلی قطع تعلق اور کنارہ چاہئے ورنہ حضور دل میں خلل ہوگا۔

نماز کے لئے تعیین ارکان وشروط کا راز

اگر لوگوں کے لئے عبادت کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں پس احکام الٰہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ اُن کے لئے اوقات وارکان وشروط سب قرار دیئے جائیں اور چونکہ دل کے اندر خداتعالیٰ کے لئے خضوع کا ہونا اور اس طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے خارج میں بھی اس کے واسطے کوئی ایسا امر ہونا چاہئے جس سے اس کا انضباط ہو سکے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دو چیزوں میں منضبط کیا ایک تو یہ کہ اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہو اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اُس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اس کی زبان اور تمام اعضاء اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان فی جسد ابن آدم مضغة اذاصلحت صلح الجسد کله.

یعنی آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے یعنی قلب۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اس لئے زبان اور دیگر اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی چیز سے قلبی حالت کا انضباط ہوسکتا ہے اس لئے ان باطنی حالات مطلوبہ کے مناسب ظاہری ارکان وشروط مشروع فرمائے گئے۔

حقیقت نماز

(۱) جب آدمی اپنے پروردگار سے کسی مصیبت کے رفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہوجائے تا کہ اس کی ہمت کا جو کہ اس درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑسکے چنانچہ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے پس نماز میں اصل الامور تین ہیں۔

(۱)...... خداتعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دل سے عاجزی کرنا۔

(۲)..... خداتعالیٰ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو بذریعہ زبانی خوش بیان سے ظاہر کرنا۔

(۳)...... اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں ادب کا استعمال کرنا۔

چنانچہ اس امر میں کسی کا شعر ہے۔

افادتکم النعماء منی ثلاثة　　یدی ولسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمہاری نعمتوں نے میری تین چیزیں تم کو حوالہ کردیں۔ میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل۔ افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ خدا کے حضور میں کھڑا ہوکر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت وبرتری کا خیال کرکے سرنگوں ہوجائے کیونکہ تمام لوگوں اور بہائم میں فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے اور سرنگوں ہونا نیازمندی اور فروتنی کی علامت ہے خداتعالیٰ فرماتا ہے:

فظلت اعناقهم لها خاضعين.

یعنی ان کی گردنیں عاجزی سے اُس نشانی کے سامنے جھک جائیں۔

اوراس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضا میں سب سے زیادہ بزرگ اور حواسِ انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنے سلاطین اور امراء کے حضور میں انہی کو استعمال کرتے ہیں اور ان سب صورتوں میں وہ صورت سب میں عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں۔

اوراس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالات سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتا کہ دمبدم نیازمندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہوسکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہوسکتا اور نماز میں یہی عمدہ صورت پائی جاتی ہے اور یہی تقرب کے اعمال اسی ترتیب سے اس میں اصل قرار دیئے گئے ہیں۔

نماز میں ناف کے نیچے یا ناف اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی وجہ

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں عفت وستر عورت کی التجا اور ناف پر ہاتھ باندھنے میں اکل وشراب حلال ملنے کا ایماء اور سینہ پر ہاتھ باندھنے میں سچ اور حق پر ثابت رہنے کی اور شرح صدر کی دعا ہے۔

جماعت کے درمیان خالی جگہ چھوڑنے کی ممانعت کی وجہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں ملکر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہوتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ باتیں کم ہوجاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے اُسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے۔

نماز میں مودب کھڑا ہونے کی حکمت

نماز میں تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکوڑ لینا نفس کو خدا تعالیٰ کے حضور میں مودب کھڑا ہونے پر آگاہ کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر اُدھر نہ دیکھنا اسی طرح نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا خدا کے ماننے والے کی فطرت کا تقاضا ہے اور فرمانبرداری کے لئے جھکنا ایک تواضع ہے اور سجدہ میں گرنا کمال عبودیت کا اظہار ہے۔

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا راز

ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں سب چیزیں تیری ہیں ان کا تو ہی مالک ہے میں خالی ہاتھ محتاج وفقیر تیری عطا و بخشش کا طالب و امیدوار بن کر تیرے حضور میں حاضر ہوتا ہوں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ میں تمام طاقتوں اور قوتوں سے خالی ہوں سب قوتوں اور طاقتوں کا تو ہی مالک ہے پس اس کار خیر عبادت میں میری مدد فرما۔ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فیرفع یدیه الی الله معتر فاان الاقتد ارلک لالی

وان یدی خالیة من الاقتدار.

یعنی خدا کی طرف دونوں ہاتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہوا اٹھائے کہ طاقت اور قوت تیرا حق ہے مجھے کوئی قدرت وطاقت نہیں۔

پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے تا کہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں آ گیا۔

تکبیر تحریمہ میں عورت کا کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ

تکبیر تحریمہ میں عورت کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے میں اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے نیچے ہے اور عورت کے ستر حال کے مناسب بھی اسی حد تک ہاتھ اُٹھانے ہیں۔

نماز میں دست بستہ کھڑا ہونے کی وجہ

(۱) نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا اظہار سوال واحتیاط وانکسار ومسکنت وعجز ونیاز وزاری وذلت کی طرف ایما ہے کیونکہ نماز شعائرِ الٰہی میں سے ہے اس لئے اس میں مقصود بندگانِ شاہی سے اُس حالت میں مشابہت کا اظہار ہے جبکہ وہ حضورِ شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اُس حالت میں وہاں عاجزانہ درخواست کی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی دعا کرنے سے پہلے یعنی اھدنا کہنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور اسی لئے نماز میں ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں چنانچہ تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی از سرنو سرتاپا مودب ہوکر کھڑا ہونا پڑتا ہے الغرض نماز میں دست بستہ کھڑا ہونا قانونِ فطرت کی رو سے بھی بندگی کے لئے مناسب ہے۔

نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا لوگوں سے کلام کرنا منع ہونے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایزال اللہ تعالیٰ مقبلا علی العبد وھوفی صلوتہ لم یلتفت فاذا التفت اعرض عنہ.

ترجمہ: یعنی جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے خداتعالیٰ برابر اُس کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر اُدھر نہ دیکھے پھر جب وہ ادھر اُدھر دیکھتا ہے تو خداتعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔

یعنی خداتعالیٰ کی توجہ ورحمت اُس سے ہٹ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے لئے خدا کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے صرف محروم نہیں رہتا بلکہ اپنی اعراض کی

وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق بنتا ہے جب ایک دنیاوی بادشاہ و حاکم کے دربار میں جاتا ہے تو اس کے روبرو نہ ادھر اُدھر دیکھتا ہے نہ کسی اور سے کلام کرتا ہے نہ کوئی اور نامناسب کام کرتا ہے تو احکم الحاکمین کے دربار میں ایسے امور کب جائز ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذاقام احدکم الی الصلوٰۃ فلایمس الحصی فان الرحمۃ تواجھہ.

ترجمہ: یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ رحمت الٰہی اس کے روبرو ہوتی ہے۔

ایسا ہی ایک اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

ان ھذہ الصلوٰۃ لایصح فیھا شیء من کلام الناس

انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن.

ترجمہ: یعنی نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے نماز تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔

نماز میں ثناء پڑھنے کی وجہ

(۱)۔ سبحانک اللھم بمنزلہ سلام دربار کے ہے۔

(۲) بنی آدم میں یہ فطری امر ہے کہ جب کسی عالی شان امیر کبیر سے سوال کرتا ہے اور اُس سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے تو پہلے اُس کی مدح وثنا اور اُس کی بزرگی وجلال اور اپنی مذلت وانکسار بیان کرتا ہوا اپنی حاجت کا اظہار شروع کرتا ہے وہ ہی طریقہ یہاں بھی سکھایا گیا ہے تاکہ نفس انسانی کو خدا کی بزرگی اور اپنی پستی پر آگاہی ہو اور دل میں کمال حضور وانکسار پیدا ہو۔

ثناء واستفتاح کے بعد اعوذ پڑھنے کا راز

نماز میں ثناء کے بعد اعوذ پڑھنا اس واسطے مقرر ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

فاذاقرات القران فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم.

ترجمہ: یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے تو شیطان مردود کے مکر سے اور اُس کے وسواس سے بچنے کے لئے خداتعالیٰ سے پناہ طلب کر۔

چونکہ فاتحہ وسورۃ قرآن سے ہیں اس لئے ان سے پہلے اعوذ پڑھنا ضروری ٹھہرا۔

ابتداء فاتحہ میں قرات تسمیہ کی وجہ

ابتداء فاتحہ میں بسم اللہ پڑھنے کا یہ راز ہے کہ خداتعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے کے لئے پہلے اپنے پاک نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا۔

نماز میں فاتحہ پڑھے جانے کا راز

نماز میں فاتحہ پڑھنا اس واسطے ضروری ہوا کہ وہ جامع دعا ہے۔ خداتعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا اُن کو اس بات کی تعلیم کرنے کے لئے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد وثناء اس طرح کیا کرتے ہیں اور اس طرح خاص ہم سے استعانت چاہتے ہیں اور خاص ہمارے لئے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اس طرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہے مانگا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگا کرتے ہیں اور بہتر دعا وہ ہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی ہے۔ فاتحہ میں اول خداتعالیٰ کی تعریف اور اس کی تربیت عام اور اس کی رحمت عامہ اور خاصہ اور اُس کی مالکیت اور اختیار جزا وسزا کا ذکر کر کے خدا سے ہدایت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ کا راز

جبکہ فاتحہ عرض وسوال ہے تو سورۃ قرآن کا اس کے بعد پڑھنا اس سوال وعرض کا جواب ہے جس میں مفصل طور پر تمام انسانی کامیابیوں کا راز ہے جب سوال **اھدنا الصراط المستقیم** کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلالت **ذالک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین** کے یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہو گیا اور اس کی امید پوری ہو گئی اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب ونیاز بجالانا اس کے ذمہ ضرور ہوا یہ حکمت بین

ہے کہ رکوع وسجود مثل آداب نیاز کے ہیں جو عطائے انعام کے وقت بجالائے جاتے ہیں گویا بندہ کا اپنے خدا تعالیٰ سے طلب ہدایت کا سوال ایسا ہوتا ہے جیسا مریض طبیب سے دوا کی درخواست کرتا ہے کہ امراض اعمال نامناسبہ واعتقادات ردیہ سے خلاصی ہو پس خدا تعالیٰ اس کو فرماتا ہے کہ اپنے مرضوں کے رفع کی دوا میرے کلام سے لو اور اُس سے کچھ پڑھ لو یہی ایک دوا عام امراض فسق وشرک وریا و کبر حسد وحقد وغیرہ کے لئے کافی وشافی ہے اس کی تلاوت سے تم کو اپنی بیماریوں کی دوا ملے گی اس لئے نمازی فاتحہ کے علاوہ کچھ قدر قرآن کریم سے بھی پڑھتا ہے گویا فاتحہ ایسی ہے جیسے مریض طبیب کے آگے اپنا حال زار بیان کرتا ہے اور فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ کرنا (ملانا) ایسا ہے جیسا کہ طبیب کا بیمار کو دوا بتا دینا اور اُس کو اس کا شکریہ سے قبول کر لینا۔

حقیقت رکوع وسجود

(۱)......غور سے دیکھئے تو رکوع وسجود ان دونوں حالتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ سراپا اطاعت کے وقت سوال استماع مژدہ انجاح حاجت ہونی چاہئیں جیسا کہ اوپر ابھی مذکور ہوا۔(۲)......جب احکم الحاکمین کا پروانہ قرآن کریم پڑھا گیا تو اس کی امتثال اس امر کے لئے جھکنا اور سجدہ کرنا جو اطاعت وفرمانبرداری پر دلالت کرتے ہیں لازم ہوا کیونکہ جب حکام کی طرف سے رعیت کو حکمنامہ آتا ہے اور اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اس حکمنامہ کی اطلاع یابی واطاعت کا ایک نمونہ ظاہر ہوا کرتا ہے سو رکوع وسجود اس حکم الٰہی کی اطاعت پر دال ہیں جو اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

(۳)......خدا کی عظمت کے خیال کرنے کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہئے عالم اجسام میں اُس کیفیت کے قائم مقام اور اس کے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے جس کو اصطلاح اسلام میں رکوع کہتے ہیں اور اس کے علو مراتب غیر متناہیہ کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اُس کے مقابلہ میں اور اُس کے قائم مقام اس بدن کے احوال وافعال

میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور منہ جو کہ محل عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اس کے خاک آستانہ پر رگڑے اس کو اسلام میں سجدہ کہتے ہیں۔

(۴)......نماز میں انسان کو خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے یہ نماز کا پہلا حصہ ہے پھر رکوع جو دوسرا حصہ ہے یہ بتلاتا ہے کہ وہ تعمیل حکم الٰہی کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ جو تیسرا حصہ ہے کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو کہ عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے کہ آداب اور طریق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ لینے دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔

نماز میں دو سجدے مقرر ہونے کی وجہ

سجدہ اول نفس کو اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ میں اس خاک سے پیدا ہوا ہوں اور دوسرا سجدہ اس بات پر دال ہے کہ میں اسی خاک میں لوٹ کر جاؤں گا۔

سورۃ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کی حکمت

انسان کا خاصہ ہے کہ اس کے دل پر کسی واعظ کی نصیحت کا اثر ایک ہی بار میں کچھ نہیں پڑتا اسی طرح انسان کے دل کا زنگ جو کہ اسے محسوسات میں لگائے رکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے ایک دفعہ کے تذکار سے دور نہیں ہوتا۔ قانون قدرت میں بھی محسوسات میں جو زنگ زدہ اشیا ہیں وہ ایک دفعہ کے مصقلہ پھیرنے سے روشن اور چمکدار نہیں ہوتی اسی طرح سورۃ فاتحہ بھی بڑی بڑی روحانی بیماریوں کے زنگ کا مصقلہ تھی اسی واسطے ایک نماز میں یہ کئی بار پڑھی جاتی ہے۔

پنجگانہ جماعت و جمعہ و عیدین و حج کی عبادات میں اہل اسلام کے جمع ہونے کی حکمتیں

قرب و جوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ میں جمع ہونا اور پھر شانہ سے

شانہ جوڑ کر اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی سچے معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے پھر ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف اور منظف ہو کر ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوا کریں اور ایک عالم ضروریات قوم پر بلیغ تقریر یعنی خطبہ حمد ونعت کے بعد کیا کرے۔

اور عیدین میں سال میں دو بار کسی قدر دور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے ہادی کی ایک شوکت مجسم اور کثیر جماعت بن کر دنیا کو آفتاب اسلام کی چمک دکھایا کریں اور عمر بھر میں ایک بار اس پاک زمین میں یعنی اس فاران میں جہاں سے اولاً نور توحید چمکا کل عالم کے خدادوست حاضر ہوا کریں اور ساری بچھڑی ہوئی متفرق امتیں اسی دنگل میں اکٹھی ہوا کریں اور وہاں نہ اُس مٹی اور پتھر کے گھر کی بلکہ اُس رب الارباب معبود الکل کی جس نے اُس ارض مقدسہ سے توحید کا عظیم الشان واعظ بینظیر ہادی نکلا۔

حمد وستائش کیا کریں اسی طرح جماعات مختلفہ ہر سال اُس یادگار (بیت اللہ) کو دیکھ کر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دل میں پیدا کیا کریں جو بحسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے پیدا ہونا ممکن ہے سخت جہالت ہے۔ اگر کوئی اہل اسلام جیسی موحد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگا دے۔ ایسے معترض شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور جذبات کو مدنظر رکھ کر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا چاہیے کہ اگر قرآن کے پورے اور خالص معتقدین کی طبائع میں بت پرستی ہوتی تو اُن کو اپنے ہادی ومنجی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ سے بڑھ کر کونسا مرجع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد مبارک نہیں ہونے دیا تا کہ توحید الٰہی کا پاک سرچشمہ ہر قسم کے شائبوں اور ممکن خیالات کے گرد وغبار سے پاک وصاف رہے اور مخلوق کی فوق العادۃ تعظیم کا احتمال بھی اٹھ جائے۔

نماز میں قومہ مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کے لئے اُس کو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہ ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدہ کے درمیان میں ایک تیسرا فعل جوان دونوں سے جدا ہے لایا جائے تا کہ رکوع سجدہ سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہوکر دونوں ایک مستقل عبادت ٹھہریں اور ہر ایک کے لئے نفس کا ارادہ جدا ہوتا ہے کہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ وآگاہی بھی جداگانہ ہو اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے۔

نماز میں تعیین جلسہ کا راز

دوسجدے آپس میں اس وقت متمیز ہوسکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں حائل ہوجائے اس لئے دوسجدوں کے درمیان جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہوتا اور آدمی کی سبکساری پر دلالت کرتا جو شان عبادت کے بالکل خلاف ہے اس لئے ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

حکمت تکرار بوقت رکوع وسجود

(۱) ہر مرتبہ جھکنے اور سر اٹھانے کے وقت تکبیر کہنے میں یہ راز ہے کہ نفس کو ہر مرتبہ خدا کی عظمت اور اس کی کبریائی پر آگاہی اور تنبیہ ہوتی رہے اور اس کو اپنی ذلت اور مسکنت پر توجہ پڑتی ہے۔

(۲) دوسرے اس امر میں یہ حکمت ہے کہ جماعت کے لوگ تکبیر کوسن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے ہیں۔

ظہر وعصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب وعشاء وفجر میں جہری قرأت پڑھنے کی وجہ

ظہر وعصر کی نمازوں میں خفیہ اور مغرب' عشاء وفجر کی نمازوں میں بلند قرأت

پڑھنے کا تقرر نہایت مناسب اور حکمت الٰہی پر مبنی ہے کیونکہ مغرب وعشاء وفجر میں لوگوں کو اکثر شواغل واقوال واصوات وحرکات میں خاموشی اور اُن سے سکون وآرام ہوتا ہے اور ان وقتوں میں اُن کے افکار وہموم بھی کم ہوتے ہیں لہٰذا ایسے اوقات کی قرأت دلوں میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے کیونکہ دل تو افکار وہموم سے خالی اور صاف ہونے سے اور کان اور شواغل وحرکات واصوات کے نہ ہونے سے سمجھنے اور سننے پر آمادہ ہوتے ہیں چنانچہ رات کی بات کہی ہوئی کانوں سے گزر کر سیدھی دل پر جا کر لگتی ہے اور پکی اور مؤثر ہوتی ہے اس امر کی طرف خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے۔

ان ناشئة الیل هی اشد وطاء واقوم قیلا

ترجمہ: یعنی رات کے اٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا ہے اور کچلا جاتا ہے اور بات کہی ہوئی دل پر مؤثر اور پکی ہوتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔

غرض یہ امر مسلّم ہے اور تجربہ بھی اسی امر کا گواہ ہے کہ خوش الحان آدمیوں اور پرندوں اور باجوں وغیرہ کی آواز رات کو بہ نسبت دن کے دلوں کو زیادہ موثر اور خوش معلوم ہوتی ہے لہٰذا ان اوقات میں جہری قرات پڑھنی مقرر ہوئی جس میں وہ زیادہ موثر ہو۔

اسی طرح ظہر وعصر کی نمازوں میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور وشغب رہتا ہے اور اس لئے اوقات ظہر وعصر میں کثرت شواغل وحرکات اصوات ومتفرق امور وافکار سے دلوں کو فراغت کم ہوتی ہے اور بات پر خوب توجہ نہیں جمتی اس لئے ان وقتوں میں قراءت میں جہر نہیں مقرر ہوا۔

چنانچہ قرآن کریم میں بھی اسی امر کی طرف خدا تعالیٰ نے ایما فرمایا ہے۔

ان لک فی النهار سبحا طویلا.

ترجمہ: یعنی دن میں تجھ کو دور دراز شغل رہتا ہے۔

اور اُس وقت پوری توجہ نہیں ہوتی اور رات میں دل کو زبان سے اور زبان کو کان سے پوری موافقت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز میں سب نمازوں سے زیادہ

لمبی قرأت کا پڑھنا سنت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں ساٹھ سے سو آیت تک پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سورہ بقرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورہ نمل اور سورہ ہود اور سورہ بنی اسرائیل اور سورہ یونس وغیرہ لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ نیند سے جاگنے کے وقت دل کو فراغت ہوتی ہے اور مصلحت ہے کہ پہلے پہلے جو آواز کان سے گزر کر دل پر پڑے وہ خدا تعالیٰ کا کلام ہو جس میں انسان کے لئے سراسر بھلائی اور برکت اور خیر و خوبی بھری پڑی ہے اور اُس وقت وہ کلام دل میں بلا مزاحمت مؤثر ہوتا اور دل میں خوب جم جاتا ہے۔

جمعہ وعیدین وغیرہ میں جہری قرأت کی وجہ

جب دن کے وقت کوئی ایسی نماز پیش آجائے جو نماز کے علاوہ تبلیغ اسلام و تعلیم وعظ و ترہیب و تلقین کے لئے مقرر کی گئی ہو تو وہاں قرأت دن میں جہراً اور آواز سے پڑھنی مقرر ہوئی ہے۔ مثلاً جمعہ عیدین اور استسقاء اور بعض آئمہ کے نزدیک کسوف کی نمازوں میں قراءت جہری پڑھی جاتی ہے کیونکہ ان وقتوں میں قراءت کا جہر سے پڑھنا لوگوں کے جمع ہونے کے مقصود کو مفید ہوتا ہے یعنی لوگوں کے لئے تعلیم و تبلیغ احکام اسلام و وعظ بھی اغراض ہوتے ہیں لہٰذا ایسے موقعوں پر جہری قراءت پڑھنا ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ ان موقعوں پر عام لوگوں کے بڑے بڑے گروہوں کو خدا تعالیٰ کا کلام سنایا جاتا ہے اور ان کو تبلیغ احکام کی جاتی ہے کیونکہ ان کو ایسے اجتماع کا موقع دیر کے بعد ملتا ہے اور یہ امر رسالت کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

چنانچہ اس امر کے متعلق علامہ حضرت ابن قیم یوں فرماتے ہیں۔

اذا عارض فی ذالک معارض ارجح منه کالمجامع العظام فی العیدین والجمعة والاستسقاء والکسوف فان الجهر حینئذ احسن وابلغ فی تحصیل المقصود وانفع للجمع فیه من قراء ة کلام الله علیهم وتبلیغه فی المجامع العظام ما هو من اعظم مقاصد الرسالة.

الغرض ایسی نمازوں میں قرآن پاک کا جہر سے پڑھنا مقرر کیا گیا تا کہ لوگوں کو قرآن کے اندر تدبر کا موقع ملے اوراس میں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے۔

جمعہ وعیدین وغیرہ میں تقرر خطبہ کی وجہ

نماز جمعہ وعیدین وکسوف واستسقاء میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تا کہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور تبلیغ اسلام وتلقین احکام الٰہی اُن کو کما حقہ ہو جائے اور وہ واقف وعالم ہو جاویں اور جو لوگ باوجود واقف وعالم ہونے کے غافل ہیں اُن کے لئے یاددہانی ہو جائے اور وہ ہوشیار ہو جائیں۔

نماز کے ہر دو رکعت کے درمیان التحیات مقرر ہونے کی وجہ

چونکہ اصل میں نماز دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھی اور باقی رکعتیں ان کی تکمیل کے واسطے ہیں اس واسطے ہر دو رکعت کے بعد تشہد مقرر ہوا تا کہ اصل اور فرع میں تمیز ہو جائے اوراسی تمیز کے لئے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ بھی واجب ہو اور آخری رکعتوں کے ساتھ ضم سورۃ مقرر نہیں ہوا۔

نماز میں تقرر تحیۃ کی وجہ

جب حکم نامہ الٰہی کے پڑھنے سے فراغت ہو تو حضور الٰہی میں بیٹھ جانے کی اجازت عطا ہوئی اوراس سے پوچھا جاتا ہے کہ ہمارے حضور میں کیا تحفہ لائے ہو تو اُس وقت دوزانو بیٹھ کر اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اے خدا تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق تو ہی ہے اور یہ تیری ہی حضور کے لائق ہے لہٰذا میرا سارا مال وبدن اس امر کے لئے تیرے حضور میں حاضر ہے۔

تحیہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام مقرر ہونے کا راز

نماز میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے بھی سلام مقرر کیا گیا تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دل سے نہ بھلائیں اوران کی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور نعمت

اسلام اور آپ کی تبلیغ رسالت کی قدردانی کریں اور اُس کے شکریہ میں آپ پر سلام بھیجیں من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جولوگوں کا شکرگزار نہ ہو وہ خدا کا کب شکر کرسکتا ہے اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حق ادا ہو جائے گا لہٰذا تحیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام مقرر رہوا۔

تحیہ نماز میں عام مومنین وصلحاء پر سلام مقرر ہونے کی حکمت

نماز میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں سلام کو عام کردیا گیا یعنی ہم پر سلام اور خدا کے نیک بندوں پر سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کی زبان سے یہ نکلا۔

تو ہر ایک نیک بندے کو جو کہ آسمان وزمین میں ہے سلام پہنچ جائے گا۔اس میں تعمیم سلام حق ہمدردی بنی نوع کی بجا آوری کے لئے ہے۔

حکمت اشارہ بالسبابہ

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ اس میں بھید یہ ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قول وفعل میں مطابقت ہوجاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہوجاتے ہیں۔

نماز میں حکمت منع اشکال مکروہہ

نماز میں اُن امور کے عمل میں لانے کا حکم ہے جو وقار اور عادت حسنہ پر دال ہوں اور اُن کو عاقل پسند کریں اور ایسے عادات نماز میں ظاہر نہ ہونے چاہئیں جن کو غیر ذوی العقول کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جیسے مرغ کی طرح ٹھونگ مارنا۔ کتے کی طرح بیٹھنا' لومڑی کی طرح زمین پر لیٹنا' اونٹ کی طرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھانا۔اور ایسے ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا اُن لوگوں کی ہوتی ہیں جن پر عذاب نازل ہوتا ہے اُن سے بھی احتراز کرنا چاہئے مثلاً کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا۔

تشہد کے بعد درود دعا کی وجہ

تشہد کے بعد دعا کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعا نمازی کو پسند ہو وہ کرے۔ یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت دُعا کرنے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد و ثنا بیان کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کرنا ضروری ادب ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام و برکات کے تحفے بھیجے جائیں تا کہ دعا مستجاب ہو جائے پھر اس کے بعد اپنے لئے اور اپنے ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت وہدایت وغیرہ ضروریات دین کر کے نماز کو ختم کرنے کے لئے داہنے بائیں طرف منہ کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

سلام کے ساتھ اختتام نماز کی وجہ

داہنے بائیں سلام پھیرنے میں اشارہ ہے کہ وقت نماز میں گویا میں اس عالم سے باہر چلا گیا تھا اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر اُس کی درگاہ میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد اب پھر آیا ہوں اور موافق رسم آئندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں۔

جاں فسر رفت وبدن اندر قیم وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

فرضوں کے قبل اور بعد سنتیں مقرر ہونے کی وجہ

اصل بات یہ ہے کہ اشغال دنیاوی خدا کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں لہٰذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اس کا استعمال کیا کریں تا کہ فرائض کے اندر شروع کرنا ایسے وقت میں پایا جائے تا کہ تمام مشغلوں سے دل خالی اور سب سے خاطر جمع ہو۔ یہ تو قبل کی سنت کی حکمت ہوئی اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھ لیتا ہے کہ بوجہ عدم رعایت آداب

نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح حاصل نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد بھی اس مقصود کے پورا کرنے کے لئے کچھ نماز اور مقرر کی جائے تا کہ جو کمی وقصور فرائض میں ہو سنتوں کے ذریعہ سے تکمیل اور جبر کسر ہو جائے۔

چارگانہ آخری دو رکعتوں میں سورت ضم کرنے کا راز

دراصل ابتدا میں نماز دو رکعتیں ہی مقرر ہوئی تھی بعدازاں خداتعالیٰ نے ان دو رکعتوں کی تکمیل واکمال کے لئے ظہر وعصر وعشاء کے فرائض کے ساتھ دو دو رکعتیں اور مغرب کی نماز میں حکمت وتر کو ضائع نہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت ملائی اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا جبر کسر مطلوب ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ اُس کے نوع کی ایسی چیز ملائی جاتی ہے جو حیثیت ودرجہ میں اس سے ادنیٰ ہو۔

پس اگر پہلی دو رکعت فرائض کے ساتھ دوسری دو رکعت کامل مع ضم سورت ملائی جاتیں جو ہر درجہ وہر پہلو سے پہلی دو رکعتوں کی برابر ہوتیں تو جبر وکسر اکمال رکعتین کی حکمت ضائع ہو جاتی اور خود پہلی دو (۲) رکعتوں کا جبر کسر اسی مصلحت سے ہوا کہ بسا اوقات حضور وتوجہ یا فہم یا قرات میں یا ارکان میں سے کسی رکن میں نقص وکسر رہ جاتی ہے اس لئے اس کے عوض میں دوسری رکعتیں ملائی گئیں۔

جماعت کی نماز اور اس میں صفوں کو برابر کرنے کی وجہ

نماز میں جو جماعت رکھی ہے اور جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہ غرض ہے کہ اس سے قوم میں وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اُس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی محاذی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے اطوار دوسرے میں سرایت کرسکیں اور باہم وہ امتیاز جس میں خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔

حقیقت تحیہ نماز

عبادات فقط اللہ جل شانہ ہی کا حق ہے کسی قسم کی عبادت میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی ہے کہ کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہو یہ حاصل ہے التحیات للہ کا پھر اس سے آگے ہے۔ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر محسن اور مربی کی محبت کا جوش انسان کے دل میں فطرۃً پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر کیسے کیسے احسانات ہیں جن کے ذریعہ سے ہم نے خدا کو جانا مانا پہچانا' وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم نے خدا کے اوامر ونواہی اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کی راہیں معلوم ہوئیں' وہی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا کی عبادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ یعنی اذان اور نماز ہمیں میسر ہیں وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج تک ترقی کر سکتے ہیں وہی ہیں جن کے ذریعہ سے لاالہ الا اللہ کی پوری حقیقت ہم پر منکشف ہوئی وہی ہیں جو خدا نمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ ممکن تھا کہ جس طرح سے اور قومیں اپنے محسنوں اور نبیوں کو بوجہ اُن کے انعامات کثیرہ کے غلطی سے بجائے اس کے کہ اُن کو خدا نمائی اور خدا شناسی کا ایک آلہ سمجھتے انہی کو خدا بنا لیا اور توحید سکھانے والے لوگوں کو خود واحد و یگانہ مان لیا اور اُن کی تعلیمات کو جو نہایت ہی خاکساری اور عبادیت سے بھری ہوئی تھیں بھول کر ترک کر دیا اور انہی کو معبود یقین کر لیا۔

ہم مسلمان بھی ممکن تھا کہ ایسا کر بیٹھتے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس امت مرحومہ پر رحم کرنے اور اُسے خطرناک ابتلاء سے بچانے کے لئے محمداعبدہ ورسولہ کا جملہ ہمیشہ کے لئے توحید الٰہی لاالہ الا اللہ کا جزو بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے شرک سے بچا لیا بلکہ اسی باریک حکمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بھی مدینہ منورہ میں بنوائی مکہ معظمہ میں نہیں رکھی کیونکہ اگر مکہ

معظمہ میں آپ کی قبر ہوتی تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں خیال پرستش آ جاتا یا کم از کم دشمن اور مخالف ہی اس بات پر اعتراض کرتے مگر اب مدینہ میں قبر ہونے سے جو لوگ مکہ معظمہ میں جانب شمال سے جانب جنوب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو ان کی پیٹھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف ہوتی ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے یہ ایک راہ آپ کی قبر کے نہ پوجے جانے اور مسلمانوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کے واسطے بنادی اور اسی طرح سے جن جن باتوں میں اس بات کا وہم وگمان بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان آپ کو خدا بنالے گا یعنی آپ کے شریک فی الذات یا فی الصفات ہونے کا گمان بھی جن باتوں سے ممکن تھا اُن کا خود خدا نے اسلام کی سچی اور پاک تعلیم میں ایسا بندوبست کر دیا کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اس امر کا مرتکب ہو مگر چونکہ محسن سے محبت کرنا اور گرویدہ احسان ہونا انسان کی فطرت کا تقاضا تھا اس واسطے اس کی ایک راہ کھولدی کہ ہم آپ کے لئے دعا کیا کریں اور اس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج میں ترقی ہوا کرے چنانچہ ہر مسلمان نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا پاک تحیہ پیش کرتا ہے اور دردِ دل سے شکرگزار ہو کر گویا کہ آپ کے احسانات اور مہربانیوں کے خیال سے آپ کی ایسی محبت پیدا کر لیتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے موجود ہیں آپ کے حسن احسانات کے نقشہ سے آپ کا وجود حاضر کی طرح سامنے لا کر نہ حقیقۃً حاضر جان کر مخاطب کے رنگ عرض کرتا ہے جس سے حقیقۃً حق تعالیٰ سے آپ کے لئے دعا ہے السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ترجمہ: یعنی اے نبی تجھ پر خدا کی رحمت اور برکات نازل ہوں۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آپ کے دین کے سچے خادم یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اولیاء اللہ اصفیاءُ اتقیاء اور ابدال آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اُن کے واسطے بھی بوجہ اُن کی حسن خدمات کے کہ انہوں نے بعد رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم ہم پر بہت بڑے بھاری احسانات اور انعامات کئے دعا تعلیم کی گئی یعنی۔

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

جلسہ تحیۃ کے بعد درود نبوی پڑھنے کی حکمت

اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کمابارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید.

ترجمہ: اے اللہ رحمت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسا کہ تو نے برکت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک تو ستودہ صفات اور بزرگ ہے۔

یہ الفاظ جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں ان کا نام درود۔ واقع میں اگر ہم اللہ کے پورے پورے بندے اور عابد اور تعظیم کرنے والے اور مخلوق پر شفقت اور رحم کرنے والے اور علوم اور عقائد سے خوشحال ہو جاویں تو یہ سب فیضان اور احسان ہم پر حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اگر آپ کے دل میں ہمارا درد اور جوش نہ ہوتا تو قرآن کریم جیسی پاک کتاب کا نزول ہمارے لئے کیسے ہوتا اگر آپ کی مہربانیاں اور توجہات اور محنتیں اور تکالیف شاقہ نہ ہوتیں تو یہ پاک دین ہم تک کیسے پہنچ سکتا۔ پھر غور کا مقام ہے کہ جب ادنیٰ ادنیٰ محسنوں سے ہمیں محبت پیدا ہو جانا ہماری فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جوش کیوں مسلمان کے دل میں موجزن نہ ہوگا پس اسی جوش کا اثر ہے یہ درود جو کہ دعا ہے۔

امامت نماز و جماعت کی حکمت

جب کسی امر کا اظہار بزور منظور ہوتا ہے تو اس کو عملی صورت میں لاکر دکھاتے ہیں

چونکہ خدا تعالیٰ کو اس عالم کی ہر چیز میں اعتدال منظور ہے اور اشیا میں اعتدال جب ہی قائم رہتا ہے کہ ان میں اتحاد اور وحدت کا رابطہ قائم ہو۔

پس خدا نے وحدت و اتفاق کو عالم تشریعی کے اندر جماعت و امامت نماز کی صورت میں دکھایا نظام شمسی کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے سارے اجرام صغیرہ پیدا کر کے اُن سب کا امام اکبر و اعظم آفتاب کو بنایا اور سارے خورد و بزرگ اجسام و اجرام کو اُس کے ماتحت ٹھہرایا۔ الغرض عالم اجسام کے تمام سلاسل خورد و بزرگ آفتاب تک بتدریج پہنچتے ہیں پس جو شکل خدا نے عالم کون و قانون قدرت میں پیدا کی ہے وہی صورت جماعت امامت نماز عالم تشریعی میں ظاہر کر کے بنی آدم کو ظاہری و باطنی اتفاق کی طرف ایما فرمایا اور دکھا دیا کہ اتفاق و وحدت ہی برکت ہے جس کے ساتھ دنیا کا قیام ہے پس جبکہ عالم اجسام میں ہر وقت ایک امام کی ضرورت رہتی ہے تو پھر کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ خدا نے روحانی عالم کے قیام کے لئے کوئی روحانی امام مقرر نہ کیا ہو جس تک بتدریج یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہو سو وہ انبیاء و رسل اور ان کے خلفاء ہیں پس نماز کی امامت میں اسی روحانی رابطہ و اتحاد کی طرف ایما ہے جن کا سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتا ہے اور آپ کی نیابت میں اس کا ظہور ائمہ صلوٰۃ کی صورت میں ہوتا رہتا ہے پس جو شخص اس کے برخلاف عمل کرتا ہے اور جماعت کا قائل نہیں وہ مرتبہ اعتدال کو چھوڑتا اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت اور عالم تشریعی سے خارج ہو کر باغی ہوتا ہے۔

جواب اس اعتراض کا کہ نماز کیوں ایک وقت مقرر نہ ہوئی

سوال: نماز کیوں ایک ہی وقت مقرر نہ ہوئی پانچ وقت کیوں ہوئی؟

جواب: جیسا کہ جسم کی تقویت کے لئے بار بار غذا کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی روح کی صحت و صفائی و تقویت کے لئے روحانی غذا کی ضرورت انسان کو بالاولیٰ ہے تعجب ہے کہ سائل کہتا ہے نماز ایک ہی وقت کیوں مقرر نہ ہوئی ہم کہتے ہیں کہ جب تم جسم کی تقویت کے لئے کئی بار دن میں غذا کھاتے ہو روح جو لطیف ترین و نازک

ترین چیز ہے اس کی صحت وصفائی اور قوت قائم رکھنے کے لئے روحانی غذا یعنی نماز کی زیادہ تر ضرورت ہے۔ پس جبکہ اجسام کو تروتازہ رکھنے اور تقویت دینے کے لیے تو روحانی غذا کے لئے رات دن میں پانچ وقت مقرر ہوئی تو کیا حرج ہے۔

حقیقت جماعت پنجگانہ وجمعہ وعیدین وحج

جناب الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ پانچ وقت جمع ہو کر اور مل کر اُس کی عظمت وجبروت کو بیان کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے جس کے ہر محلہ میں پنجگانہ جماعت نماز نہ ہوتی ہو لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع مـ گ تمام باشندگان شہر وقصبہ کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا تو یہ ایک تکلیف مالایطـ . دی اس لئے تمام شہر وقصبہ کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کے لئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہوا اور پھر اسی طرح دیہات کے لوگوں کے اجتماع کے لئے عید کی نماز تجویز ہوئی اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا۔

اس لئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوا لیکن اس کے بعد پھر بھی کل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے اس لئے کل اہل اسلام کے اجتماع کے لئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی تا کہ مختلف مقامات کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتا وباہم مل جاویں لیکن اس کے لئے چونکہ ہر مسلمان امیر وفقیر کا شامل ہونا محال تھا اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے۔

نماز ختم کرنے کے بعد دعائیں پڑھنے کا راز

احادیث نبویہ میں کچھ کلمات وادعیہ مسنونہ وارد ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی عالیشان دربار سے رخصت ہونے کے وقت آداب وسلام بجالاتے ہیں اور یونہی چُپ چاپ رخصت نہیں ہوتے بلکہ دربار سے رخصت ہونے کے وقت بھی آداب ونیاز وعرض

حال کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادائے فرض کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔

اللھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام تبارکت ربنا وتعالیت یاذا الجلال والاکرام.

ترجمہ: اے اللہ تو سلام ہے اور سلامتی تیری طرف سے مل سکتی ہے اور سلامتی کا مرجع تو ہی ہے بڑی برکت والا ہے اے جلال اور عزت والے۔

علی ھذاالقیاس اور بھی بہت سی ادعیہ ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

نماز میں سترہ کا راز

اس میں بھید یہ ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اُس حالت کے ساتھ تشبیہ مراد ہے جو غلام کے اپنے مولا کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کے لئے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی ہے کہ کوئی گزرنے والا نمازی کے سامنے ہو کر نہ گزرے کیونکہ آقا اور اس کے غلاموں کے درمیان سے جو اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گزرنا سخت بے ادبی ہے چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان احدکم اذا قام فی الصلوٰۃ فانما یناجی ربه بینه وبین القبلة.

ترجمہ: یعنی تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کرتا ہے جو کہ اُس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔

نیز نمازی کے سامنے گزرنے سے اُس کا دل اکثر بٹ جاتا ہے اسی واسطے نمازی کو استحقاق ہے کہ آگے سے گزرنے والے کو ہٹا دے۔ پس ان دونوں حکمتوں سے سترہ مقرر کیا گیا تا کہ اس کے باہر سے گزرنے میں ان دونوں خرابیوں سے حفاظت رہے۔ اُسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل موخرۃ الرحل فلیصل ولا یبال بمن مروراء ذلک.

ترجمہ: یعنی تم سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھتا رہے اور اس سے پرے کو جو کوئی گزرے اس کی کچھ پروانہ کرے۔

اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ مطلق گزرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تا کہ ظاہر میں نماز کی زمین دوسری زمین سے علیحدہ ہو جائے اور اس علیحدگی کے سبب پاس سے گزرنا بھی طبعاً ایسا ہی سمجھا جائے جیسے دور سے گزرنا۔

مقبرہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ

مقبرہ کے اندر نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے بتوں کی طرح اولیاء اور علماء کی قبروں کی پرستش نہ شروع کر دیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا اُن مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اُس فرمانے سے یہ ہی ہے کہ:

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد.

ترجمہ: یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

غروب وطلوع واستواء آفتاب کے وقت منع نماز کی وجہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین ان اوقات میں آفتاب کی پرستش کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے خدا نے ان کے ساتھ تشبیہ اختیار کرنے سے منع فرمایا اور ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو کہ سب عبادتوں میں بڑی ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور کفر میں تمیز اور فرق کیا جائے۔

حمام میں منع نماز کی وجہ

حمام میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے ہیں ان باتوں سے نمازی کا دل بٹ جاتا ہے اور حضور دل سے انسان وہاں اپنے پروردگار کے آگے التجا نہیں کرسکتا۔

اونٹوں کے مقام میں منع نماز کی وجہ

جہاں اونٹ باندھے ہوں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے پھر چھوڑتا نہیں اور اس کی عادت بھی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے اور سرکشی اس جانور کا خاصہ ہے اور یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے وہاں کھڑے ہو کر نمازی کا دل نہیں لگے گا۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

صلوا فی مراح الغنم ولاتصلوا فی معاطن الابل فانها خلقت من الشیاطین

ترجمہ: یعنی بکریوں کے آرام گاہ میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے مقام میں نماز مت پڑھو کیونکہ اونٹ کی سرشت میں شیطانی مادہ زیادہ ہے۔

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ

مذبح میں ممانعت نماز کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجاست کا مقام ہے ایسی جگہ میں جانوروں کے ذبح کرنے کا خون اور گوبر وغیرہ پڑنے سے تعفن ہوتا ہے اور نماز کے لئے نظافت اور طہارت مناسب ہے۔

راستہ میں منع نماز کی وجہ

سڑک کے بیچ میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی ہے کہ اول راہ چلنے والوں سے نمازی کا دل بٹے گا اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا یا وہ آگے سے گزریں گے دوسرے درندے وغیرہ ادھر سے ہو کر نکلتے ہیں۔

جیسا کہ وہاں اترنے سے بھی اسی لئے نہی صریح ہے ان وجوہ سے وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے بلکہ راستہ سے ایک طرف ہوکر نماز پڑھنا لازم ہے۔

عن عمربن الخطاب ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال سبع مواطن لاتجوز فيها الصلوٰة ظهربيت الله والمقبرة والمذبلة والمجزرة والحمام وعطن الابل ومحجة الطريق.

ترجمہ: یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سات مقاموں میں نماز جائز نہیں ہے۔ کعبہ کی پیٹھ پر (بلحاظ عظمت کے) اور قبرستان میں (بلحاظ وہم شرک کے) اور گھورے میں (بوجہ نجاست کے) اور جانوروں کے ذبح ہونے کے مقام میں (بلحاظ اسی نجاست وتعفن کے اور) حمام میں (بلحاظ پراگندہ ہونے دل کے) اور اونٹوں کے مقام میں اور راستہ کے بیچ میں (بلحاظ خلل ہونے حضور دل کے)۔

اعمال کے لئے قضا ورخصت مقرر ہونے کی حکمت

انسان کو بعض اوقات کچھ عذر وغیرہ بھی پیش آتے ہیں۔ پس اگر اُن کی بالکل رعایت نہ کی جائے تو حرج عظیم ہے اس لئے رخصت کا مشروع ہونا بھی مناسب ہے کہ اس میں مکلف کی سہولت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

يريد الله بكم اليسر ولايريدبكم العسر

ترجمہ: خداتعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے اور تمہارے ساتھ دقت اور دشواری نہیں چاہتا۔

اور اگر اُن کی رعایت سے عمل کو ساقط کردیا جائے یعنی عذر کے وقت احکام کی تعمیل بالکل ترک کرادی جائے تو اس وقت نفس ان کے ترک کا عادی ہوجائے گا۔ پس نفس کی مشاقی ایسی ہی کرائی جاتی ہے جیسے کسی تند چارپایا کو مشق کراتے ہیں جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپاؤں کو مشق

کراتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشگی میں الفت ومناسبت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی الفت آسانی حاصل ہوسکتی ہے اور کام کے چھوڑ دینے سے ایسی اُلفت جاتی رہتی ہے اور اس کا کام کرنا نفس کو کیسا گراں معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے اس واسطے ان وجوہ سے دو امر ضروری ٹھہرے۔ ایک یہ کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اس کے لئے قضاء مشروع ہو۔

دوسرے یہ کہ افعال کے لئے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں چنانچہ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جاسکتی ہے اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کرسکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کر کے تیمم کرسکتا ہے اور جس کو نماز میں قراءت پر قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفا کرسکتا ہے اور جس کو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے اور جو رکوع یا سجدہ نہ کرسکتا ہو اس کی نماز سر جھکانے سے ہوسکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی قاعدہ ہے کہ بدن میں کوئی ایسی شے باقی رکھنی چاہیئے جس سے اصل یاد آجائے اور معلوم ہوجائے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے۔

مسافر با آرام کے لئے رخصت افطار اور روزہ اور قصر کی نماز

مسافر با آرام کو رخصت افطار روزہ وقصر کی نماز کی اجازت دینا اور مقیم بامشقت کو اجازت قصر نماز وافطار روزہ کی نہ دینا حکمت الٰہیہ پر مبنی ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ افطار روزہ وقصر نماز مسافر کے لئے مخصوص ہے اور مقیم نہ افطار روزہ کرے اور نہ قصر نماز کرے البتہ عذر مرض کے لئے مقیم بھی صرف روزہ افطار کرسکتا ہے یہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال حکمت پر مبنی ہے کیونکہ سفر بذات خود عذاب کا ایک ٹکڑا اور شدائد ومصائب اور محنت ومشقت وتکلیف پر مشتمل ہے مسافر اگرچہ زیادہ آسودہ حال لوگوں میں سے ہو مگر پھر بھی وہ بحسب حیثیت خود ضرور ایک قسم کی محنت ومشقت میں

ہوتا ہے پس یہ خداتعالیٰ کی محض رحمت و مصلحت ہے کہ اس نے اس پر سے ایک حصہ نماز کا کم کردیا اور ایک ہی حصہ پر اکتفا فرمایا اور فرض روزہ میں سفر میں افطار سے تخفیف فرمائی اور پھر ختم سفر کے بعد یعنی اقامت میں اس کی ادا کرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ بیمار و حائض کے متعلق ایسا ہی حکم ہے تاکہ ان سے اس عبادت الٰہی کی مصلحت سفر میں ساقط کرنے سے بالکل فوت نہ ہوجائے اور اقامت میں جو مشقت اور تکلیف اور مشکل پیش آتی ہے وہ ایسی ہے جن کا کوئی انحصار اور شمار نہیں ہے پس اس طرح اگر محنتی و مزدور و مشقت والے آدمی کے لئے رخصت و اجازت افطار روزہ و قصر نماز کی ہوتی تو بہت ہی ضروری و لازمی عبادات ضائع ہوجاتیں اور اگر بعض کے لئے اجازت ہوتی اور بعض کے لئے نہ ہوتی تو بھی انحصار نہ ہوتا اور کوئی خاص ایسا وصف بھی نہیں ہے جس کا انضباط ہوسکے جس کی بناء پر رخصت و عدم رخصت ہوتی بخلاف سفر کے کیونکہ مشقت و محنت سفر کے ساتھ معلق کی گئی ہے اور اس میں تخفیف عبادت کے ساتھ مناسبت بھی ہے البتہ اگر مقیم کو عذر مرض و درد ہو تو اس کے لئے افطار روزہ کی اجازت ہوئی اور نماز بیٹھ کر یا پہلو پر لیٹ کر ادا کرنا بھی جائز رکھا گیا اور یہ قصر عدد کی نظیر ہے۔ اور محض تکان کی مشقت و تکلیف کا اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ یوں تو دنیا و آخرت کی تمام ہی مصلحتیں تکان اور محنت پر موقوف ہوتی ہیں اور جو شخص محنت اور تکلیف نہیں اٹھاتا اس کو کوئی راحت و آرام نہیں ملتا محنت و تکلیف کی قدر ہی آرام اور راحت سے ملتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ مشقت کے تمام پیشوں میں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ میں محنت اور مشقت و حرج بالضرور ہوتا ہے۔

اسی طرح دنیا کا کوئی کسب و کام محنت و مشقت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے ان میں قصر نماز و افطار روزہ کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ پیشہ ور اور محنتی لوگ عموماً ان میں مصروف و مشغول رہتے ہیں ان کا معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوا کرتا ہے اگر ان کو اجازت عام ہوتی تو اطاعت الٰہی کے انتظامات میں سخت ابتری پھیل جاتی اس لئے

مصلحت وحکمت الٰہی نے عام محنتوں ومشقتوں میں رخصت تجویز نہیں فرمائی بلکہ خاص محنتوں ومشقتوں کے لئے رخصت ہوئی خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے تو اطاعت الٰہی بالکل متروک ہو جائے۔

حائضہ پر ادائے روزہ اور عدم ادائے نماز کی وجہ

حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

واما ایجاب الصوم علی الحائض دون الصلوۃ فمن تمام محاسن الشریعۃ وحکمتها ورعایتها المصالح المکافین فان الحیض لماکان منافیا للعبادۃ لم یشرع فیه فعلیها وکان فی صلاتها ایام التطهیر مایغنیها عن صلاۃ ایام الحیض فیحصل لها مصلحۃ الصلوۃ فی زمن التطهیر بتکررها کل یوم بخلاف الصوم فانه لایتکرروهو شهر واحد فی العام فلوسقط عنها فعله ایام الحیض لم یکن لها سبیل الی تدارک نظیره وفاتت علیه مصلحۃ فوجب علیها ان تصوم فی طهر لتحصل مصلحۃ الصوم التی هی من تمام رحمۃ الله بعبده واحسانه الیه بشرعه وبالله التوفیق.

ترجمہ: یعنی حائض پر وجوب روزہ عدم ادائے نماز کا سبب شریعت حقہ کی خوبیوں اور اُس کی حکمت اور رعایت مصالح مکلفین سے ہے کیونکہ جب حیض منافی عبادت ہے تو اُس میں عبادت کا فعل مشروع نہیں ہوا اور ایام طہر میں اس کی نماز پڑھنا ایام حیض میں نماز پڑھنے سے کافی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بار بار روزمرہ آتی ہے مگر روزہ روزمرہ نہیں آتا بلکہ سال میں صرف ایک مہینہ روزوں کا ہے اگر ایام حیض کے روزے بھی اس سے ساقط کر دیئے جائیں تو پھر اُن کی نظیر کا تدارک نہیں ہو سکتا اور روزہ کی مصلحت اس سے فوت ہو جاتی ہے اس لئے اُس پر واجب ہوا کہ ایام طہر میں روزے

رکھ لے تا کہ اُس کو روزہ کی مصلحت حاصل ہو جائے جو کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر محض اپنی رحمت اور احسان سے ان کے فائدے کے لئے مشروع فرمائے ہیں۔

چاند اور سورج گہن کے وقت نماز مشروع ہونے کی وجہ

چاند اور سورج کا گرہن نمونہ اور مذکر (یاد دلانے والا) ہے آفت و مصیبت واسباب شر کا پس خدا تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی پُر لطف حکمت تقاضا کرتی ہے کہ کسوف کے وقت لوگوں کو وہ طریقے سکھلائے جو کسوف کے نظیر بلاؤں کو دور کریں بدیوں کو ہٹا دیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ تمام طریقے سکھلا دیئے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ دعا کے ساتھ بلا کو رد کرتا ہے اور دعا اور بلا دونوں جب کبھی جمع ہوئیں تو دعا ہی باذن اللہ بلا پر غالب آئی جبکہ دعا ایسے لبوں سے نکلتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی ہیں صحیح مسلم و بخاری سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شمس و قمر خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشان ہیں اور کسی کے مرنے یا جینے کے لئے اُن کو گرہن نہیں لگتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے دو نشان ہیں خدا تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس جب تم ان کو دیکھو تو جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاؤ۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں نشان گنہگاروں کے ڈرانے کے لئے ہیں حتیٰ کہ اپنے گناہ بدکاریوں اور پلیدیوں کے وبال سے ڈریں اور اسی غرض سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرہن کے وقت حکم فرمایا ہے کہ بہت نیکیاں کرو اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرو اور خالص نیت کے ساتھ نماز اور دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور ذکر و تضرع و قیام و رکوع و سجود و توبہ انابت واستغفار و خشوع وابتہال اور جناب الٰہی میں تذلل کرنا اور تصدق واعتاق مقرر فرمایا تا کہ اُس آنے والے عذاب سے ان اعمال صالح کا بجالانا عامل کے لئے سپر ہو یہ ایسا وقت ہے کہ حوادث کے پیدا ہونے کا مذکر (یاد دلانے والا) اور اُس پر منبہ ہے اور یہی

وجہ ہے کہ اہل معرفت کے دلوں میں خودبخود ایسے اوقات میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے نیز ایسے اوقات میں زمین پر تجلیات کا نزول ہوتا ہے اس لئے صاحب معرفت کو ان اوقات میں خدا تعالیٰ کے ساتھ قرب حاصل کرنا بہت مناسب ہے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے۔

فاذاتجلی اللہ بشیء من خلقہ خشع لہ.

ترجمہ: یعنی جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ چیز اُس کے سامنے جھک جاتی ہے۔...... نیز کفار لوگ چاند اور سورج کو سجدہ کیا کرتے ہیں لہٰذا مومن مسلمان کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا غیر مستحق عبادت ہونا ثابت ہو تو خدا تعالیٰ کے سامنے نیازمندی سے التجا کرے اور خدا تعالیٰ کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لاتسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا اللہ الذی خلقھن.

ترجمہ: آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔........... یہ سجدہ کرنا دین کے لئے شعار اور منکرین کے لئے ساکت کرنے والا جواب ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ خسوف وکسوف نجوم کی مقررہ منازل پر پہنچنے سے واقع ہوتا ہے اور اس کو انسانوں کے عذاب وثواب سے کوئی تعلق نہیں ہے تو:۔

جواب: یہ ہے کہ جو سائل نے کہا ہے وہ علت ہے اور جو ہم نے کہا ہے وہ حکمت ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نمازِ استسقاء میں چادر کو الٹا کرنے کی حکمت

نماز استسقاء میں چادر کو الٹا کرنا اس حال کے پلٹ جانے کی طرف ایما ہے جس میں لوگوں کو خشک سالی سے فراخ حالی وتنگی عیش سے فراخی عیش کی تحویل مطلوب ہوتی ہے نیز نماز استسقاء میں لوگ کبر وفخر اور بڑائی اور گھمنڈ اور ناشکری سے حالت توبہ

استغفار و عجز و اظہار و فاقہ مسکنت کی طرف پھر جانے کا اظہار کرتے ہیں۔
پس چادر الٹا کرنا یہ تصویری زبان سے اظہار ہے اور زبان افعال کا اظہار زبان اقوال کے اظہار سے زیادہ تر کامل ہے نیز اس میں یہ امر بھی مرموز ہے کہ تصویری زبان میں افعال و اخلاق سیۂ سے نجات اور افعال و اخلاق حسنہ کی توفیق کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عربی فرماتے ہیں:
امن کان یستسقی بحول رداء ہ　　تحول عن الافعال لعلک ترتفی
ترجمہ: یعنی اے وہ شخص جو قحط سالی میں نماز استسقاء پڑھتا اور چادر الٹا تا ہے تو اپنے افعال بد کو الٹ دے اور نیک افعال اختیار کرتا کہ تو پسندیدہ حق ہو جائے۔
نماز عیدین کیلئے اذان و اقامت مشروع نہ ہونے کی وجہ
چونکہ روز عید میں لوگوں کو نماز عید پڑھنے کے لئے اعلام و اعلان کے داعی بکثرت موجود ہوتے ہیں اور تکبیر و تحمید و تہلیل جو کہ یوم عید میں مشروع ہیں وہ بھی اسی غرض کے لئے ہیں کہ غافل آگاہ ہو جائیں لہٰذا حکم اذان و اقامت ساقط ہوا کیونکہ اذان و اقامت اعلان و اطلاع کے لئے ہوتی ہیں تا کہ غافل ہوشیار ہو جاویں اور یہ بات روز عید میں پہلے سے موجود ہے۔ (فتوحات مکیہ)
نماز عید میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ
چونکہ یوم عید میں لوگوں کو حظوظ نفوس یعنی کھانے پینے' پہننے اور لہو ولعب میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ کی بزرگی و جلال و عظمت کو بھول جانے کا قوی مظنہ تھا لہٰذا اُن کی تنبیہ کے لئے عیدین میں زیادہ تکبیرات شامل کی گئی ہیں جن سے یہ امر مستحضر رہے کہ اے خدا تمام کبر و عظمت تیرا ہی حق ہے ہم سب ہیچ ہیں۔ (فتوحات مکیہ)
نماز عیدین کی تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حکمت
تکبیرات عیدین کی نماز میں ہاتھوں کا اٹھانا اس بات کی طرف ایما ہے کہ اے

خدا ہم نے تیری کبریائی وعظمت وجلال کے سامنے اپنی بڑائی اور عظمت کو چھوڑ دیا سب بزرگیوں وبلندیوں کا تو ہی مالک ہے۔

قرآن کریم کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی حکمت

قرآن کریم کے شعائر الٰہی ہونا اسی طرح ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے رعایا کی طرف فرامین کا بھیجنا رائج ہے سو سلاطین کی تبعیت میں اُن فرامین شاہی کی تعظیم ہوتی ہے اور چونکہ قبل نزول قرآن انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں اور لوگوں کا مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا ان کا پڑھنا پڑھانا بھی رائج تھا اور ان میں خلط ہو گیا تھا اور حاجت تھی علوم صحیحہ کی اور ایسے علوم کو ہمیشہ کیلئے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال تھا جس کو وہ پڑھیں اور اس کی تعظیم کریں۔

غرض وہ شعائر میں سے قرار دی جائے۔ ان اسباب کا یہ مقتضا ہوا کہ ایک ایسی کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہو اور اس کی تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جائے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں مضامین سجدہ پر سجدہ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنے کا حکم ہو وہاں تسبیح پڑھیں۔

پیغمبر خدا کے شعائر الٰہی میں سے ہونے کی وجہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شعائر الٰہی میں سے ہونا اس واسطے سے ہے کہ وہ مرسل ہیں اُن کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور سلاطین کے امر ونہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں اور ایلچیوں کی تعظیم سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے پس پیغمبر کی تعظیم بھی اس طرح مشروع ہوئی کہ ان کے احکام کی بجا آوری کی جائے اُن پر درود بھیجا جائے، گفتگو کرتے وقت اُن کے سامنے آواز بلند نہ کی جائے۔

نماز سے مغفرت معاصی کا راز

نماز میں دونوں باتیں جمع ہیں تزکیہ نفس اور اخبات نفس اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہو جاتی ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے اس طرح جدا ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا۔ اب جس شخص نے نماز کو پورے پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر اُس کو پڑھا اور رکوع وسجود اور خشوع اور اُس کے اذکار اشکال کو صحیح طور پر ادا کیا اور اُس نے ان صورتوں سے اُن کے معانی کا اور اُن سے ارواح کا قصد کیا تو بیشک وہ شخص رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ گیا ہے اور خداتعالیٰ اُس کے گناہ محو فرما دیتا ہے چنانچہ اس امر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لو ان نهرا بباب احدكم يغتسل فيه كل يوم
خمسا هل يبقى من دنسه شيء قالوا لاقال فذلك
مثل الصلوٰة الخمس يمحو الله بها الخطايا.

ترجمہ: یعنی اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازہ پر نہر جاری ہو اور اُس میں روزانہ وہ پانچ بار نہایا کرے تو کیا اُس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے لوگوں نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پنجگانہ نمازوں کی مثال ہے ایسے ہی خداتعالیٰ پنجگانہ نمازوں سے گناہوں کو بالکل محو و نابود کر دیتا ہے۔

ہر خطبہ میں امام کا جلسہ استراحت کرنے کی وجہ

نبی علیہ السلام نے جمعہ کے اندر دو خطبے اور پھر ان کے درمیان میں جلسہ کرنے کو اس لئے مسنون فرمایا ہے کہ امر مطلوب بھی پورا پورا حاصل ہو جائے اور خطیب کو بھی آرام ملجائے اور نیز سامعین کا نشاط از سر نو تازہ ہو جائے۔

ہر خطبہ میں تقرر تشہد کی وجہ

خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور توحید ورسالت کی شہادت ادا کی جائے اور بیچ میں کلمہ فصل امابعد لا کر لوگوں کو پند ونصیحت وتقویٰ کا حکم کیا جائے اور اُن کو دنیا وآخرت کے عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے اور کچھ قرآن کریم پڑھا قرآن پڑھایا جائے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعاء خیر کی جائے اس کا سبب یہ ہے کہ اس طرح نصیحت میں خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقرآن کریم کی عظمت پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضروری ہونی چاہئیں اور حدیث میں آیا ہے۔

كل خطبة ليس فيها تشهد فرى كاليدالجذعاء.

ترجمہ: یعنی جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔

نماز میں خوفزدہ ہو کر کھڑا ہونے کا راز

نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ رکھ کر اور ایسی ہیئت بنا کر کھڑا ہونا لازم ہے کہ رقت طاری ہو جائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔

حقیقت دعا وقضا

اگر چہ دنیا کی کوئی خیر وشر مقدر سے خالی نہیں ہوتا تاہم قدرت الٰہیہ نے اس کے حصول کے لئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں مثلاً اگر چہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی

نے دواؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا پھر جب خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور اس قدرت کا ظہور بھی اُس نے کر دیا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں ایسا قوی اثر رکھے کہ اُن کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سم الفار اور بلیش اور دوسرے ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دے کہ اُن کا قابل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہاں سے رخصت کر دے تو پھر کیونکر یہ احتمال کیا جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی توجہ عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ جو شخص دواؤں کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعا کا قائل نہ ہو اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اُس کو بے اثر پا کر اس دوا پر عام حکم لگا دے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔

سوال: دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے یہ سچ ہے کہ ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے جدا نہیں ہیں۔ مثلاً اگر بیمار کی تقدیر موافق ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آ جاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ اُن سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب و شرائط قبولیت اس جگہ جمع ہوتے جہاں ارادہ بھی اُس کے قبول کرنے کا ہے۔

باب الجنائز

میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ

عقل کا تقاضا ہے کہ جب کسی انسان کو بہت سے آدمیوں کا گروہ کسی عالیشان حاکم کے آگے لے جا کر اُس کے لئے سفارش کریں اور اُس کی معافی کی درخواست کریں اور اس کے لئے گڑگڑا کر التجا کریں تو بالآخر اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے یہی نماز جنازہ کا راز ہے یعنی نماز جنازہ اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش میں شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی کے نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مسلم یموت فیقوم علی جنازته اربعون رجلا لایشرکون باللہ شیئاالاشفعھم اللہ فیه.

ترجمہ: یعنی کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا کہ اُس کے جنازہ پر چالیس آدمی شریک ہوں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتے ہوں مگر اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے۔

شرح اُس کی یہ ہے کہ جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اُس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اُس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد اُس کے ہمراہ رہتے ہیں اور پھر عالم بالا سے اور علوم کا اس پر ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے بہت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس

میت کے لئے وہ گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں یا میت کے لئے بہت کچھ صدقے دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں وہ نافع پڑتا ہے۔

حکمت ماتم پرسی

چونکہ میت کے گھر والوں کو اس کی موت سے سخت رنج ہوتا ہے لہٰذا دنیا کے اعتبار سے تو اُن کے حق میں یہ بھلائی ہے کہ لوگ اُس کی تعزیت کے لئے آئیں تاکہ ان کا رنج کچھ کم ہو اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر اُن کی مدد کریں اور ان کو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت کے لحاظ سے ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ اُن کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تاکہ ہمہ تن وہ پریشانی میں مصروف نہ ہوں اور خدا کی طرف ان کی توجہ ہو اور چلانے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام اُن چیزوں سے جو کہ غم اور پریشانی بڑھاتے ہیں منع کریں کیونکہ اس وقت وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں اُن کے مرض کا علاج کرنا چاہئے نہ یہ کہ ان کے مرض کو اور بڑھایا جائے۔

فرض کفایہ کا راز

بعض فرائض اس قسم کے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک مقام کے بعض افراد اس کو ادا کریں تو وہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیں وجہ اس کی یہ ہے کہ سب لوگ اُن کو محققانہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش برہم ہو جائے اُن کی تدابیر نافعہ معطل ہو جائیں۔ پس ایسے امور کے لئے ایک ایک شخص کافی ہے چنانچہ بیماروں کی عیادت جنازہ کی نماز اسی طور پر مشروع ہوئی ہیں کہ بیماروں اور مردوں کی تضیع بھی نہ ہو اور بعض لوگ اگر اُس کو پورا کر دیں تو مقصود بھی حاصل ہو جائے۔

نماز جنازہ وصدقہ خیرات سے میت کو فائدہ پہنچنے کا راز

دنیا میں سفارش کرنے اور تاوان دینے کے سبب مجرموں سے عذاب ٹل جانے اور رفع ہونے کے مشاہدہ و تجربہ سے کوئی منکر نہیں ہے ایسا ہی گنہگار میت کو دعا و نماز اور

صدقات مالیہ مفید ہوتے ہیں قرآن کریم میں ایسے امور کا بکثرت ذکر آیا ہے۔
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان اللہ امرکم بالصدقة فان مثل ذلک کمثل رجل اسرہ العدو فاوثقوا یدیہ الی عنقہ وقدموہ لیضربوا فقال انا افدی منکم بکل قلیل وکثیر ففدی نفسہ منھم.

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے تم کو صدقہ دینے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ صدقہ دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو اُس کے دشمنوں نے اسیر کر کے اس کے دونوں ہاتھوں کو اس کی گردن سے باندھ دیا ہو کہ اس کی گردن زنی کریں پس وہ کہے کہ میں تم کو تھوڑا اور بہت دیکر چھٹکارہ چاہتا ہوں۔ پس وہ فدیہ دیکر اُن سے خلاص ہو جائے۔

میت کی اولاد صالح اور صدقات وخیرات جاریہ میت سے عذاب ہٹانے اور رفع درجات کے لئے مفید امور ہیں کیونکہ ان امور میں قرب الی اللہ کی مناسبتیں ہیں۔

عورت کو والدین وغیرہ کا سوگ تین دن اور خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

عورت کو اپنے والدین وغیرہ کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا ہے اور اپنے خاوند کی وفات پر اس کو چار ماہ دس دن کا سوگ رکھنا واجب کیا گیا ہے۔
یہ امر اس شریعت کی خوبیوں اور حکمتوں اور مصالح عامہ کی رعایت سے ہے کیونکہ میت پر سوگ رکھنا مصیبت موت کی تعظیم میں سے ہے جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بہت مبالغہ کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ گریبان کا پھاڑنا اور رخساروں کو پیٹنا اور بالوں کو کھسوٹنا اور واویلا کرنا ان میں رائج تھا اور عورت بہت تنگ وتاریک وسنسان گھر میں مدت تک برابر پڑی رہتی تھی نہ کسی خوشبو کو چھوتی نہ صاف کپڑے پہنتی نہ تیل لگاتی نہ غسل کرتی تھی۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قسم کی اور نامناسب رسوم بھی جو کہ خدا تعالیٰ اور اس کی قضاء وقدر پر غصہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان میں مروج تھیں۔

پس خدا تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی یہ رسم اپنی رحمت اور رافت عامہ سے باطل کردی اور اُس کے بدلہ میں ہمیں صبر وحمد واسترجاع یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کی ہدایت فرمائی جو مصیبت زدہ کے لئے دارین میں بہت مفید ونافع ہے اور چونکہ مصیبت زدہ کو مصیبت موت پر بالضرور غم ورنج بتقاضائے طبیعت انسانی پیدا ہوتا ہے لہٰذا خدا تعالیٰ نے جو کہ بندوں کے حال کا دانا وبینا ہے کسی قدر سوگ رکھنا جائز رکھا اور وہ ایام سوگ میت کے بعد تین دن ہیں جس میں مصیبت زدہ سوگ رکھ کر اپنے غم ورنج کا اظہار کرے جیسا کہ مہاجر کو اجازت دی گئی ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن قیام کرے اور جو تین دن سے زائد سوگ ہو اس کا بہت فساد ہے لہٰذا اس سے زیادہ سوگ رکھنا منع کیا گیا بخلاف تین دن کے فساد کے کہ وہ بنظر مصلحت عورت کے کم ہے کیونکہ نفس کو مالوفات سے بالکل جدا کرنے سے بہت تکلیف پہنچتی ہے اس لئے اُن کو بعض حصہ مالوفات کا دیا گیا تاکہ باقی کا ترک کرنا اُس پر آسان ہوجائے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر نفس کو اپنی بعض مرادیں مل جاتی ہیں تو اُن پر قانع ہوجاتا ہے اور باقی کا چھوڑنا اُس کو سہل ہوجاتا ہے۔ باقی خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی حکمت ہم کتاب النکاح میں ذکر کریں گے۔

اہل اسلام کا مردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت

(۱) دفن کردینے میں مردہ کے حق میں پردہ پوشی ہے اور زندوں کے حق میں کچھ دشواری نہیں۔ پانی اور ہوا میں مردہ کو رکھیں تو ناک اور آنکھ کو الگ الگ تکلیف پہنچے یعنی بدبو سے ناک سڑجائے صورت کو دیکھئے تو گھن جدا آوے آگ میں جلائیں تو گو اُس میں عرصہ دراز تک تو بدبو اور گھن نہیں رہتی لیکن جلانے کے وقت کی کیفیت تو جلانے والوں اور گرد وپیش کے رہنے والوں سے پوچھو۔ پھر ہوا کی خرابی سے پانی بگڑنے کا

اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ جدار ہا اور فساد عناصر سے جو کچھ نقصان پہنچتا ہے وہ جدا رہا۔ دفن کرنے میں نہ یہ خرابی نہ وہ فساد بلکہ شیرازہ ترکیب بدن کے کھل جانے سے بدن مردہ کے عناصر اربع اپنے اپنے موقع اور مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور اس لئے خاک اور پانی اور ہوا اور آتش کی مقدار جتنی تھی اُتنی کی اُتنی ہی ہمیشہ رہتی ہے۔

(۲) تپش آتش سے زمین کی قوت نامیہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی ظاہر ہے اور دفن مردہ گان سے جو کچھ قوت نامیہ کو تقویت ہوتی ہے وہ بھی چنداں پنہاں نہیں۔ تپش کی وجہ سے فساد قوت نامیہ تو خود عیاں ہے۔ باقی دفن کی وجہ سے قوت نامیہ کی تقویت کی وجہ یہ ہے کہ بدن انسان وہ چیز ہے کہ قوت نامیہ کے بہت سے زوروں کی بعد پردہ عدم سے صفحہ ہستی پر نمایاں ہوتا ہے۔ غلہ اور میوہ جات سے اگر بدن انسانی بنتا ہے تو قطع نظر اس کے اس بننے میں نشوونما ہوتا رہتا ہے اور یہ خود قوت نامیہ کا کام ہے۔ یہ غذائیں بھی تو قوت نامیہ ہی کی کارگزاری کی بدولت اس رنگ و بو اور ذائقہ کو پہنچتی ہیں۔ القصہ قوائے نامیہ نے بڑی دقتوں سے زمین میں سے چھان کر یہ اجزاء نکالے تھے بعد دفن وہ اجزاء یکجا جمع کیے کرائے قوت نامیہ ہی کو مل جاتے ہیں۔ اس لیے اگر مدفن اور قرب وجوار مدفن میں نشوونما کا زور ہوا کرے تو دور نہیں اور کیوں نہ ہو۔ فضلہ انسانی بایں وجہ کہ غذا میں سے نکلا ہے۔ اور غذا کا نتیجہ کارگزاری قوت نامیہ ہے زمین کی قوت کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ کیا کہئے جسم انسانی جو اس سے کہیں زیادہ ہے یہ زور کیون نہ رکھتا ہوگا کہ جس کا فضلہ ایسا کچھ ہو اصل جو خلاصہ اربعہ عناصر ہو کیا کچھ ہوگا۔ غرض تپش آتش کے وقت سوز ہونا اور جسم انسانی کا قوت انگیز ہونا زمین کے حق میں یقینی ہے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہنود کے مرگھٹ پر سبزہ کا نام ونشان نہیں ہوتا اور مدفن اہل اسلام پر ہر جگہ سبزہ زار نظر آتے ہیں۔

(۳)......علاوہ بریں والد خیر اندیش اگر سفر کو جاتا ہے تو فرزند ولی عہد کو اس کی مادر مہربان کے حوالہ کرتا ہے اُس کی والدہ کی سوکن کو نہیں دیتا اگر یہ ہے تو پھر مناسب

یوں ہے کہ تن خاکی کو حوالہ خاک کیا جائے آتش کو نہ دیا جائے۔ بالجملہ روح جسم خاکی کے حق میں مربی ہے چنانچہ اس کی تربیت اور نگرانی ظاہر ہے اور یہ کرہ خاکی کی اُس کے حق میں بمنزلہ مادر مہربان ہے چنانچہ اس کا اس سے پیدا ہونا خود اس امر پر شاہد ہے اس صورت میں درصورت سفر روح جو وقت انتقال بجانب عالم علوی پیش آتا ہے اگر اس جسم خاکی کو حوالہ آتش کریں اور زمین میں دفن نہ کریں تو ایسا ہے جیسا کہ اپنے فرزند کو اُس کی مانند یعنی اُس کی والدہ کی سوکن کے حوالہ کیا جائے اور ماں کو نہ دیں۔

(۴) اگر کسی کے کبوتروں میں کسی کا کبوتر بے چرائے آ ملے یا کسی کے ریوڑ میں کسی کی بکری اسی طرح آ ملے تو اس کو یوں مناسب ہے کہ اوروں کا حق جدا کر کے ان کو دیدے پھر غیروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے کبوتروں اور ریوڑ کو ضبط کر کے لے جائے اور اس کی غیبت میں اُن سب کو ہلاک کر دے مگر یہ ہے تو پھر یوں مناسب ہے کہ اس جسم خاکی کو زمین میں دفن کر دیں تا کہ آب و آتش و ہوا کو اس سے جدا کر کے چھوڑ دیں تا کہ وہ سب اپنے اپنے مقام کو چلی جائیں یا کرہ ہوا و آب و آتش اپنے اپنے ہم جنس کو اپنی اپنی طرف کھینچ لیں۔

یعنی حرکت خاک و آب و باد و آتش اپنے اپنے مقامات کی طرف جو طبعی ہے دو حال سے خالی نہیں یا یہ خود حرکت کرتی ہوں جیسے اکثر علمائے یونان کہتے ہیں یا ادھر سے کشش اتصال ہو جیسے حکمائے فرنگ کا خیال ہے۔

بہرحال مناسب یوں ہے کہ جسم کو حوالہ زمین کے کر دیں حوالہ آتش نہ کریں کیونکہ یہ تن خاکی سر سے پا تک خاک ہے البتہ رطوبت اور بادی اور گرمی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اجزاء آبی اور ہوائی اور آتشی بھی اس میں آ ملے ہیں اس نے کسی کو چرایا نہیں اور اگر زمین میں دفن کر دیں گے تو وہ شیرازہ ترکیب کھول کر سب کو جدا کر دے گی اور پھر وہ اجزاء خود اپنے اپنے مقام کو چلے جائیں گے ان کے اصول ان کو جذب کر لیں گے اور اگر آگ کے سپرد کیا تو وہ سب کا ستیاناس کر کے ہٹے گی۔

محبت باہمی

(۵) محبت باہمی اقرباء تو ظاہر ہے مگر غور کرو تو بمقابلہ اور انواع واجناس کے تمام بنی آدم باہمی قرابتی ہیں اور کیوں نہ ہوں آخر ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور اس محبت باہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک دوسرے کا حافظ محافظ رہے جیتے جی کی حفاظت میں تو کچھ کلام ہی نہیں مرنے کے بعد بھی یوں جی نہیں چاہتا کہ تن مردہ کو اقرباء سے علیحدہ کردیں یہی وجہ ہے کہ جدائی کے وقت کس قدر روتے ہیں اور جنازہ اٹھاتے ہیں تو کیا غل مچتا ہے اس صورت میں اگر بوجہ مجبوری پاس نہ رہنے دیں تو کیا مقتضائے محبت یہی ہے کہ یوں جلا کر خاک بنادیں نہیں اہل محبت سے یہ نہیں ہوسکتا ہاں بمقدور الائش ظاہری سے پاک صاف کر کے اچھا لباس پہنا کر حفاظت سے ایک طرف رکھ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر یہ بات بجز خوکردگان محبت اور کون جانے وحشیان بے انس کو اس کی کیا خبر ہوگی جو امید تصدیق ہو اور ناتجربہ کاران عشق کو یہ بات کیا معلوم ہوگی جو توقع تائید ہو۔

مردہ کو نہلانے کی حکمت

مردہ کو نہلانے میں یہ وجہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسا ہی نہلاتے ہیں۔ اس لئے میت کی تعظیم کے لئے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے کہ بیر کے پتے پانی میں ڈال کر مردہ کو نہلایا جائے کیونکہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن میلا ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور داہنے اعضاء سے شروع کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے ہو اور ان اعضاء کی عزت معلوم ہو۔

مردہ کو کافور لگانے کی حکمت

(۱)...... مردوں کو کافور لگانے کا اس لئے امر ہوا کہ جس چیز کو کافور لگایا جائے وہ جلد نہیں بگڑتی۔ (۲)...... کافور لگانے میں یہ فائدہ ہے کہ کوئی موذی جانور اس کے

قریب نہیں آتا۔ (۳)...... یہ بھی فائدہ ہے کہ کافور کی بُو سے قبر کے کیڑے جو طبعی طور پر زمین میں پیدا ہوجاتے ہیں وہ بھاگ جاتے ہیں۔

البتہ جو اعمال بد کے باعث کیڑے سانپ بچھو وغیرہ مردہ کو قبر میں کاٹنے کے لئے پیدا ہوجائیں وہ نہ کسی چیز سے ڈرتے ہیں اور نہ بھاگتے ہیں بلکہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی الا الصدقة و الدعاء یعنی صدقہ سے اور دعا ہے وہ دفع ہوجاتے ہیں کافور مردہ کے سات انداموں پر جن پر سجدہ کیا جاتا ہے لگایا جائے اور وہ یہ ہیں۔ پیشانی دونوں گھٹنے۔ دونوں قدم دونوں ہاتھ یہ سات اندام کافور کے لئے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ وہ انہیں پر سجدہ کیا کرتا تھا لہٰذا مزید کرامت کے لئے مخصوص ہوئے۔

(۴)...... سارے جسم کی بناوٹ انہی انداموں سے ہوتی ہے ان پر کافور لگانے سے گویا سارا جسم ان میں شامل ہوجاتا ہے۔

شہید کو غسل نہ دینے اور خون آلودہ کپڑوں میں مدفون کرنیکی وجہ

(۱) شہید کو جو غسل نہ دینے اور خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ بظاہر اس کے بقائے عمل کی صورت متمثل ہوجائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو اُن کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو ان باتوں کا بھی ادراک ہوجاتا ہے جو اُن کے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جائے تو ضرور اُن کو اس کے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور اُن کے سامنے وہ عمل متمثل ہوجاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جروحهم تدمى اللون لون دم والريح ريح المسک.

ترجمہ: یعنی شہیدوں کے زخموں سے خون جاری ہوں گے رنگ تو خون کا سا ہوگا اور خوشبو مشک کی سی۔

(۲) میت کو اس لئے غسل دیا جاتا ہے اور پاک کیا جاتا ہے کہ وہ خداتعالیٰ کے پاس پاک ہو کر حاضر ہو اور عالم برزخ میں مرنے کے بعد طہارت مشروع کے ساتھ خداتعالیٰ سے ملے اور شہید جو راہ خدا میں مارا جاتا ہے وہ مجرد مرنے کے خداتعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا ہے پس اس کو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس مرتے ہی حاضر ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو دعائیں پڑھنے کی وجہ

صلوٰۃ جنازہ اپنے لیے دُعا نہیں بلکہ اور کے لیے ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثر اور تعدد زیادہ کارگر ہے اس لیے جنازہ کی دُعائیں پڑھنے میں سب شریک ہوتے ہیں۔

نماز جنازہ میں امام کیلئے میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہونے کی وجہ

انسان کے سارے اندام سرتاپا مکلف ہیں اور سینے میں دل اُن سب کا حاکم اور بادشاہ ہے۔ وہیں سے نیکی وبدی کے احکام صادر ہوتے ہیں پس یہ محل اس لائق ہے کہ امام شافع اُس کے پاس برابر کھڑا ہو کر اس کو خداتعالیٰ کے سامنے کر کے اُس کا شفاعت گر ہو پس جب دل کو بخشا جائے تو باقی سب اعضاء اس کی تبعیت میں بخشے جاتے ہیں کیونکہ دنیا و آخرت میں سب اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح سائر الجسد
و اذافسدت فسد سائر الجسد الاوھی القلب

ترجمہ: یعنی جسم میں ایک بوٹی ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار وہ دل ہے۔

پس جب دل کے حق میں سفارش قبول ہو جائے تو سارے اعضاء کے حق میں قبول ہو جاتی ہے۔

اختتام نماز جنازہ میں داہنے بائیں سلام پھیرنے کی حکمت

امام گویا کہ اس عالم سے نکل کر عالم لاہوت میں بدرگاہ الٰہی شفاعت میت کے لئے حاضر ہوا تھا پس جب اُس درگاہ سے فارغ ہوکر آدمیوں وملائکہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو برسم آئندہ گان سب کو سلام کرتا ہے جیسا کہ بالعموم نماز میں کیا کرتا ہے اور نیز اس میں بطور فال حسن اس کی جانب سے ان کو اور میت کے حق میں پیغام سلامتی وقبول شفاعت بھی سناتا ہے۔

جاں سفر رفت وبدن اندر قیام   وقت رجعت زاں سبب گوید سلام

نماز جنازہ میں رکوع وسجود وتحیہ نہ ہونے کی وجہ

ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ نماز جنازہ ایک محض سفارش ہے جو میت کے لئے کی جاتی ہے اور رکوع اور سجود کے آثار اور ہیئتیں اس کے برعکس ہیں کیونکہ رکوع وسجود میں اپنے نہایت عجز وانکسار اور خداتعالیٰ کی بیحد بزرگی وعظمت وجلال کا اظہار کیا جاتا ہے اور نماز جنازہ میں خداتعالیٰ کی تحمید وتسبیح اور دوسرے کے لئے بخشش کا سوال ہوتا ہے چنانچہ ہم حقیقت رکوع وسجود میں ظاہر کر چکے ہیں۔

کتاب الزکوٰۃ

وجہ تسمیہ زکوٰۃ وصدقہ

لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں اور زکوٰۃ کے معنی پاکی نمو وترقی کے ہیں چونکہ زکوٰۃ انسان کے لئے بخل وگناہ وعذاب سے پاکی ورہائی کی موجب اور ترقی مال وطہارت دل کے باعث ہے۔

لہٰذا اس فعل کا نام زکوٰۃ ہوا اسی طرف خدا تعالیٰ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے **خذمن اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا**۔ اور اس فعل کا نام صدقہ اس لئے ہوا کہ یہ فعل صدقہ دینے والے کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی قلبی حالت یعنی صدق وصفائی نیت کی یہ علامت ہے۔

اسرار زکوٰۃ

(۱) جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنے اس مال عزیز کو ترک کرتا ہے جس پر اُس کی زندگی کے مدار معیشت کا انحصار ہے اور جو محنت اور تکلیف اور عرق ریزی سے کمایا گیا ہے تب بخل کی پلیدی اُس کے اندر سے نکل جاتی ہے اور اُس کے ساتھ ہی ایمان میں بھی ایک شدت اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ محنت سے کمایا ہوا اپنا مال محض خدا کی خوشنودی کے لئے دینا یہ کسب خیر ہے جس سے نفس کی وہ ناپاکی جو سب ناپاکیوں سے بدتر ہے یعنی بخل دور ہوتا ہے کیونکہ یہ حالت یعنی بخل سے پاک ہونے کے لئے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور محنت سے حاصل کردہ سرمایہ کو محض للہ

دوسرے کو دینا ایک ترقی یافتہ حالت ہے اور اس میں صریح اور بدیہی طور پر بخل کی پلیدی سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور خدائے رحیم وکریم سے تعلق بڑھتا ہے کیونکہ اپنے مال عزیز کو خدا کے لئے چھوڑنا نفس پر بھاری ہے اس لئے اس تکلیف کے اٹھانے سے خدا سے تعلق بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور ایمانی شدت اور صلابت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۲) اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی ہے اس طرح سے باہم گرم سرد ملنے سے مسلمان سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی امداد کی جائے انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے پس زکوٰۃ دینے کا فعل اس کے آثار موثرہ ظاہر کر رہے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات مرکوز ہے کہ یہ فعل کرنے سے بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق موقوف ہوتے ہیں جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہے اور جس شخص میں ہمدردی بنی نوع نہیں اس کے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے جس کی اصلاح اس پر واجب ہے اور وہ اصلاح غرباء بنی نوع انسان کو مال دینے سے ہوتی ہے۔ (۳) زکوٰۃ وصدقات گناہوں کو دور کرنے اور برکات کو زیادہ کرنے کے بزرگ ترین ذرائع واسباب ہیں۔

(۴) شہر کے اندر بالضرور ہر قسم کے لوگ ناتواں اور حاجت مند وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر رفع فقر اور حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ ہلاک ہو جاویں اور بھوکے مر جاویں۔

چاندی کے نصاب پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم مقرر ہونے کی وجہ

چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم اس واسطے مقرر فرمائے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب اور معتدل ہو پورے ایک سال کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ پس ایک سو نوے درہم چاندی ہو تو اس پر کچھ زکوٰۃ دینی نہیں پڑتی۔

پانچ اونٹوں کی نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ

اونٹ کے نصاب کی تعداد پانچ مقرر کی گئی کیونکہ زکوٰۃ کی نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنا چاہئے اور اونٹ سب مواشی میں عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے خواہ اس کو ذبح کر کے کھاؤ اُس پر سواری کرو اور دودھ پیو خواہ اس سے بچے لو اس کے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں۔ اس لئے پانچ کا عدد اس کے مناسب ہے کہ ایک معتد بہ مقدار ہے اور اس کی زکوٰۃ میں ایک بکری واجب ہوئی کیونکہ زمانہ سابق میں کوئی اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کے ادنیٰ نصاب کے برابر سمجھے گئے اور ایک بکری اُن کی زکوٰۃ سمجھی گئی۔

بکریوں کی نصاب زکوٰۃ چالیس سے شروع ہونے کی وجہ

بکریوں کی زکوٰۃ چالیس سے سو تک میں ایک بکری ہے اور اُس سے آگے دو سو تک دو بکریاں ہیں بعد ازاں ہر سینکڑہ پر ایک بکری ہے اس میں یہ وجہ ہے کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور بکریوں کا پالنا آسان بھی ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے گلے کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور پھر ہر سینکڑہ پر حساب کی آسانی کیلئے ایک بکری مقرر کی۔

بیلوں اور گایوں کی زکوٰۃ نصاب تیس سے شروع ہونیکی حکمت

گائے بیل کی زکوٰۃ پر تیس گایوں میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور ہر چالیس میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیا ہے اس لئے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لئے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا۔

زکوٰۃ کی ہر چیز میں ایک خاص نصاب زکوٰۃ مقرر ہونے کی وجہ

زکوٰۃ کے لئے نصاب مقرر ہونے کی یہ وجہ ہوئی اگر ہر طرح کے مال کی مقدار

مقرر نہ ہوتی تو انتظام وانضباط نہ ہوتا اس لئے تو نصاب مقرر ہوا۔ پھر اُس میں واجب کی مقدار بھی اسی لئے مقرر ہوئی اور اس مقدار میں یہ بات ضروری تھی کہ یہ مقدار بہت زیادہ نہ مقرر کی جائے کہ اس کے دینے سے لوگوں کو بوجھ معلوم ہو اور عقل سلیم وفطرت صحیحہ کا اجمالاً اتنا مقتضاء ہے کہ کثرت مال پر کثیر زکوٰۃ دینا لازم ہے لیکن اگر رائے پر چھوڑا جاتا اور مقدار مقرر نہ ہوتی تو جن اشخاص کو زیادہ زکوٰۃ دینی پڑتی وہ حرص مال کے باعث بہت تھوڑی زکوٰۃ دیتے اور اس سے غرباء ومساکین کی رفع حاجت نہ ہوتی۔

حقیقت نصاب زکوٰۃ زراعت

جن کھیتیوں نے بارش وچشموں کے پانی سے پرورش پائی ہے اُن پر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتیوں کو نہر وچاہ وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اُن پر بیسواں حصہ ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے اُن پر لگان زیادہ ہونا چاہئے اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اُس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔

سال میں ایک بار ادائے زکوٰۃ کی وجہ

زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک ایسی مدت کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد اُن کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اس کا ادا کرنا اُن کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اُس کے ادا کرنے سے اُن کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ انتظار شدیدہ کے بعد فائدہ اٹھا سکیں پس مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی صورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جائے کہ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اُس کو برتتے رہتے ہیں اور لوگ اُس کے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عرب وعجم عادی ہیں وہ بمنزلہ ضروری چیز کے ہوگئی ہے جس کے سبب وہ تنگدل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اُس کو ایسا مان لیا ہے کہ اُن پر اُس کا بار نہیں ہے اور اس کے ساتھ لوگوں کو مکلف کرنا رحم کی شان

کے مناسب اور اُن کے قبول کرنے کے قریب ہے اور سب سلاطین و رعایا کی عادات میں پہلے سے محصول والی چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر ہے کیونکہ ایک سال میں ہر قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے طبائع مختلف ہوتے ہیں اور نیز ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے بھی ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کے لئے مناسب ہے اس سبب سے یہ ہی سال زکوٰۃ کے لئے بھی مقرر ہوا۔

سائمہ میں وجوب زکوٰۃ کی اور عوامل سے اسکے اسقاط کی وجہ

دار قطنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

لیس فی الابل العوامل ولافی البقر العوامل صدقة.

ترجمہ: یعنی کام میں لگائے ہوئے اونٹوں اور کام کرنیوالے بیلوں میں صدقہ نہیں ہے

اس میں یہ راز ہے کہ جو مال صاحب مال کی خدمت کے لئے مخصوص ہے مثلاً پہننے کے کپڑے اور کام کرنے والے خدمتگار غلام اور رہنے کے مکانات اور سواری کے جانور اور پڑھنے کی کتابیں اور کھیتی میں کاشتکاری کے بیل اور رہٹ میں چلنے والے اونٹ وغیرہ یہ اشیاء مالک کے دست و پا آلات ضروریہ کی طرح ہیں پس ان میں زکوٰۃ نہیں ہوئی اور عوامل یعنی کام کرنے والے جانوروں میں اور سائمہ یعنی مدام پر چرنے والے جانوروں میں فرق ظاہر ہے کیونکہ بہائم عاملہ نمو اور بڑھنے سے الگ کر کے کام میں لگائے ہوتے ہیں اور مدام پر چرنے والے کام سے آزاد جانور بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں لہٰذا ان میں زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ غرض جانوران عاملہ تو انسان کے اثاثہ (یعنی ضروری سامان) ۱۲، ضروریہ کی طرح ہوتے ہیں۔

لہٰذا ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی اور جانوران غیر عاملہ انسان کے مال تجارت کی طرح ہوتے ہیں لہٰذا اُن میں زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ کیونکہ زکوٰۃ کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ نمو (مال کا بڑھنا) مال اور حاجت سے زائد ہونا مگر جانوران عاملہ میں یہ دونوں امر نہیں ہوتے بدیں وجہ ان میں زکوٰۃ مقرر نہیں ہوئی۔

موالید ثلثہ میں زکوٰۃ واجب ہونے کی حکمت:

واضح ہو کہ خداتعالیٰ نے زکوٰۃ موالید ثلثہ میں واجب ٹھہرائی ہے اور وہ تین ہیں۔ معدن نباتات۔ حیوان پس معدن کی قسم تو سونا اور چاندی ہے اور نباتات کی قسم گندم' جو' خرما ہیں اور حیوان کی قسم اونٹ کی گائے بکری ہے۔ پس جملہ موالدات اس میں شامل ہو گئے۔

خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حرمت صدقات کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان هذه الصدقات انماهی من اوساخ الناس وانهالا تحل لمحمدولالا ل محمدصلی الله علیه وسلم (صلی الله علیه وسلم)

ترجمہ: یعنی صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لئے یہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں اور نہ اولاد محمد کے لئے حلال ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے:

نحن اهل البیت لاتحل لنا الصدقة.

ہم اہل بیت ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اہل بیت سے مراد بنو ہاشم آل علی رضی اللہ عنہ وعباس رضی اللہ عنہ وجعفر رضی اللہ عنہ وعقیل رضی اللہ عنہ وحارث رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہیں۔ صدقات کے میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا رفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں صدقات انسان کا فدیہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ملا اعلیٰ کے ادراکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس حکم میں دوسرا یہ راز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر خود بنفسِ نفیس صدقہ لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے۔ تجویز فرماتے تو اس بات کا احتمال ہوتا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپ کے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا اور اس بات کو ظاہر فرمایا کہ صدقات کے منافع انہیں کی یعنی دینے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہیں کے اغنیاء سے لیکر انہیں کے فقراء کو واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ اُن کے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے۔

نیز جو لوگ مانگ مانگ کر گزر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اُن میں سے تقویٰ وعفت وشجاعت اور دیگر اخلاق فاضلہ ضائع ہو جاتے ہیں اُن کی ہمتیں بہت پست ہو جاتی ہیں محنت وکسب وتحصیل کمالات سے وہ جی چراتے ہیں۔ عیاشی اُن کا پیشہ ہو جاتا ہے ترفہ وآسائش وآرام طلبی اُن کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

پس ان امور کو مدنظر رکھ کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف دامن گیر ہوا کہ مبادا میری آل لوگوں کے خیرات وصدقات پر تکیہ لگا کر تحصیل کمالات میں سُست نہ ہو جائے اور واقعی یہ ایسے اسباب ہیں جو نفوس نفیسہ کی حالت کے برخلاف ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر صدقات کو منع فرمایا تا کہ وہ ایسے امور دنیہ کے عادی ہونے سے سخت دل نہ بنیں ایسے رزق مذلت کے طالب بن کر ذلیل وخوار نہ ہو جاویں۔

حصہ اول تمام ہوئی دوسری جلد کتاب الصوم ہے اور تیسری جلد کتاب البیوع سے آتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

فقط　　　　ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

المصالح العقلیه لاحکام النقلیه

(جلد دوم)

کتابُ الصّوم

انسان کے لئے روزہ مقرر ہونے کے وجوہ

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی عقل کو اُس کے نفس پر غلبہ اور تسلط دائمی حاصل رہے مگر بباعث بشریت بسااوقات اس کا نفس اس کی عقل پر غالب آتا ہے لہٰذا تہذیب وتزکیہ نفس کے لئے اسلام نے روزہ کو اصول میں سے ٹھہرایا ہے۔

۱)......روزہ سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط وغلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

۲)......روزہ سے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔لعلکم تتقون۔ترجمہ: یعنی روزہ تم پر اس لئے مقرر ہوا کہ تم متقی بن جاؤ۔ ۳)......روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی ومسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے۔

۴)......روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔

۵)......دوراندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔

۶)......کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔

۷)......درندگی و بہیمیت سے دوری ہوتی ہے۔

۸)......ملائکہ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

۹)......خدا تعالیٰ کی شکرگزاری کا موقع ملتا ہے۔

۱۰)......انسانی ہمدردی کا دل میں اُبھار پیدا ہوتا ہے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس نے بھوک اور پیاس محسوس ہی نہ کی ہو وہ بھوکوں اور پیاسوں کے حال سے کیونکر واقف ہوسکتا ہے اور وہ رزاق مطلق کی نعمتوں کا شکریہ علی وجہ الحقیقت کب ادا کرسکتا ہے۔ اگرچہ زبان سے شکریہ ادا کرے مگر جب تک اس کے معدہ میں بھوک اور پیاس کا اثر اور اس کی رگوں اور پٹھوں میں ضعف و ناتوانی کا احساس نہ ہو وہ نعمت ہائے الٰہی کا کماحقہ شکرگزار نہیں بن سکتا کیونکہ جب کسی کی کوئی محبوب و مرغوب مالوف چیز کچھ زمانہ گم ہوجائے تو اس کے فراق سے اس کے دل کو اس چیز کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

۱۱)......روزہ موجب صحت جسم و روح ہے چنانچہ قلت اکل و شرب کو اطبا نے صحت جسم کے لئے اور صوفیائے کرام نے صفائی دل کے لئے مفید لکھا ہے۔

۱۲)......روزہ انسان کے لئے ایک روحانی غذا ہے جو آئندہ جہان میں بھوکے پیاسے ہوں گے اور اُن پر اُس جہان میں روحانی افلاس ظاہر ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنی غذا کو ساتھ نہیں لیا اور یہ بات ماننے کے لائق ہے جبکہ کھانے پینے کی تمام اشیاء خداوندتعالیٰ ہی کے خزانہ رحمت سے انسان کو ملتی ہیں تو جن اشیاء کو وہ یہاں چھوڑتا ہے ان کا عوض وہاں ضرور دے گا جو یہاں سے بہتر و افضل ہوگا۔

۱۳)......روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہوکر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے تعلقات کو بھی اس کو بھول جاتے ہیں ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں سرشار ہوکر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ روزہ غیراللہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی خصوصیت وجہ

ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ فرمائی ہے:

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن

ترجمہ: یعنی ماہ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔

پس چونکہ رمضان میں قرآن کریم نازل ہوا لہٰذا یہ مہینہ برکات الٰہی کے نزول کا موجب ہے اس لئے اس میں روزہ رکھنے سے اصل غرض جو لعلکم تتقون میں مذکور ہے بوجہ اکمل حاصل ہو جاتی ہے۔

ماہ رمضان میں ختم قرآن مسنون ہونے کی وجہ

اس مہینہ میں قرآن کریم ختم کرنا اس وجہ سے مسنون ہے کہ قرآن کریم کا نزول اسی مہینہ میں ہوا پس جو شخص اس مہینہ میں قرآن کریم کو ختم کرتا ہے وہ ساری اصلی اور ظلی برکات کا وارث ہو جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ ماہ رمضان ساری اسلامی برکات وخیرات کا جامع ہے ہر ایک دینی برکت اور خیر جو تمام سال میں کسی کو ملتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہ کی برکات وخیرات کے راستہ سے آتی ہے اس مہینہ کی حمیت سارے سال کی حمیت کا باعث ہوتی ہے اور اس مہینہ کا تفرقہ سارے سال کے تفرقہ کا سبب ہوتا ہے کیونکہ منبع خیرات وبرکات مصلح عالم اصغر واکبر یعنی قرآن کریم کا قدوم یمنت لزوم ونزول اسی مہینہ میں ہوا ہے۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن

ترجمہ: یعنی رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔

تعجیل افطار روزہ وتاخیر سحر کی وجہ

ہر عمل کو اپنے اپنے مناسب وقت وموقع پر بجالانا اعتدال ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی ابتداء وانتہا کی حد عملی بیان نہ فرماتے تو بعض لوگ عشاء تک روزہ افطار نہ

کرتے یا ابتدا عمل کی حد کو مقدم کر دیتے اور پھر اُن کی تقلید سے عام بندوں کو تکلیف پہنچتی۔

رات کو روزہ مقرر نہ ہونے کی وجہ

چونکہ رات کا وقت بالطبع ترک شہوات ولذات کا ہے لہٰذا اگر رات کا وقت روزہ کے لئے قرار دیا جاتا تو عبادت کو عادت سے اور حکم شرع کو مقتضائے طبع سے امتیاز نہ ہوتا اسی واسطے نماز تہجد اور وقت تلاوت اور مناجات شب کو قرار دیا گیا۔

ہر سال میں ایک مہینہ روزوں کے لئے مخصوص ہونے کی وجہ

(۱) چونکہ روزہ کی روزانہ پابندی ہمیشہ کے لئے تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اور اشتغال باہل واموال ممکن نہ تھی لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ کچھ زمانے کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا اہتمام والتزام کیا جائے جس سے قوت ملکی کا ظہور ہو جائے اور اس سے پیشتر جو اس میں کمی ہوئی ہے اس سے اس کا تدارک ہو جائے اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہو جائے جس کی پچھاڑی اگاڑی میخ سے بندھی ہوتی ہے اور وہ دو چار ادھر اُدھر لاتیں چلا کر پھر اپنی اصلی تھان پر آن کھڑا ہوتا ہے۔

(۲) یہ بات ضروری ہے کہ روزہ کی ایک مقدار مقرر کی جائے تا کہ کوئی شخص اس میں افراط وتفریط نہ کر سکے لہٰذا امور مذکورہ کے لحاظ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینہ تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزہ کا انضباط کیا جائے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور اگر رات کو ان امور کے ترک کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ اس کے عادی نہیں ہوتے اس کی وجہ سے اُن کو کچھ پروا نہ ہوتی اور ہفتہ اور دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی ایسی مقدار ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتیں اور نفس تھک کر رہ جاتا۔

ان امور سے روزہ کے لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک دن کا انضباط کیا جائے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں۔

(۳) چونکہ روزہ تمام قسم کے نفسانی زہروں کے دفع کرنے کے واسطے ایک طرح کا تریاق ہے اور اس میں طبیعت کو تکلیف بھی ہوتی ہے لہٰذا بقدر ضرورت اس کی ایک معین مقدار ہونی چاہئے چونکہ نہ اتنی کم ہو جس سے کچھ فائدہ ہی نہ ہو اور نہ اس قدر افراط کر دی جائے کہ اس سے اعضا میں ضعف آجائے اور دلی فرحت جاتی رہے اور نفس کمزور ہو جائے اور انسان بالآخر اس محنت سے قبر ہی میں جلدی نہ چلا جائے اور یہ معتدل مقدار وہی ہے جو مشروع ہوئی۔ پھر کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مقدار میں تھوڑا سا استعمال کرے یہ طریقہ تو عام قانون کے تحت میں بمشکل آسکتا ہے اس لئے کہ لوگوں کے مختلف درجہ ہیں کوئی تھوڑا کھاتا ہے اور کوئی اس سے زیادہ اور جتنے طعام سے ایک شخص سیر ہو جاتا ہے دوسرا بھوکا رہتا ہے سو اس میں انضباط نہ ہوتا اور ہر شخص بہت کھا کر کہہ دیتا کہ میں نے اپنی بھوک سے کم کھایا ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ کھانے کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ معمول سے زیادہ ہو یہی طریقہ شریعت میں معتبر ہے کیونکہ تمام صحیح المزاج آدمیوں کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ لوگ عام طور سے صبح و شام دو مرتبہ کھاتے ہیں یا دن رات میں ایک ہی بار کھاتے ہیں باقی یہ نہیں ہو سکتا کہ روزانہ لوگوں کو کم کھانے کی تکلیف دی جائے۔

مثلاً کہا جائے کہ تم لوگ اس قدر کھایا کرو کہ حیوانیت مغلوب رہے ایسا حکم دینا موضوع شریعت کے خلاف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو بھیڑیئے کو چرواہا بنائے وہ خود ظالم ہے ہاں غیر واجبات میں ایسا کرنا مناسب نہیں۔

پھر یہ لازم ہے کہ وہ فاصلہ اتنی دیر کا نہ ہو کہ اس سے نقصان پہنچے اور قوت کا استیصال ہو جائے مثلاً تین رات دن برابر بھوکا رہنے کا حکم ہوتا اس لئے کہ یہ موضوع شریعت کے خلاف ہے اور ہر ایک کو اس کی تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بھی ہونا چاہئے کہ بھوکے پیاسے رہنے کے لئے بار بار کی بھی قید ہوتا کہ ریاضت اور اطاعت کا مادہ پیدا ہو ورنہ ایک بار بھوکے رہنے سے خواہ وہ کیسی ہی قوی اور سخت بھوک ہو کیا فائدہ ہوگا۔

ان مقدمات کے تسلیم کرنے پر ماننا پڑے گا کہ روزانہ پورے دن بھر کا کامل ایک مہینہ تک ہونا چاہئے کیونکہ دن بھر سے کم تو ایسا ہے کہ دن کا کھانا ذرا تاخیر کر کے کھایا جائے اور اکثر لوگوں کی عادت بھی ہوتی ہے کہ رات کے کھانے کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور ایک دو ہفتہ بہت تھوڑی مدت ہے جس کا اثر نہیں ہوسکتا اور دو مہینہ تک روزہ رکھنے سے طبیعت بہت کمزور ہو جاتی ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

(۴)...... چونکہ روزہ کے قانون کو عام ہونا چاہئے اس لئے کہ اس میں سب کی اصلاح وتہذیب مقصود ہے لہٰذا ہر شخص اس بات کا مجاز نہ ہو کہ جس مہینے میں آسانی سمجھے روزہ رکھ لے اس لئے کہ اس میں باب معذرت کے وسیع ہو جانے کا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے انسداد کا اور اسلام کی ایک عظیم الشان عبادت میں سستی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۵)...... مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کی ایک وقت میں کسی ایک چیز کی پابندی کرنے سے ایک دوسرے کو اس کام میں مدد ملے گی آسانی ہوگی اور کام کرنے کی ہمت پیدا ہوگی۔

۶)...... ایک کام کو ایک ہی وقت میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا بالاتفاق مل کر کرنا ان کے لئے باعث نزول رحمت الٰہی اور ان میں صورت اتفاق واتحاد کے لئے مفید ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے خداتعالیٰ نے روزوں کا ایک ہی مہینہ معین ومشخص کیا ہے پس جو شخص اس نظام الٰہی کو بغیر عذر کے توڑتا ہے اس پر بجائے رحمت کے لعنت کا نزول ہوتا ہے۔

یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہونے کی وجہ

سوال: یکم شوال کا روزہ رکھنا حرام اور رمضان کا آخری روزہ فرض ہونے کا کیا راز ہے باوجودیکہ دونوں یوم یکساں ہیں؟

جواب: یہ دونوں یوم مرتبہ ودرجہ میں برابر نہیں اگرچہ طلوع وغروب آفتاب

میں یکساں ہیں مگر حکم الٰہی میں یکساں نہیں کیونکہ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کے روزے خداتعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید وسرور کا دن ہے جس میں خداتعالیٰ نے لوگوں پر کھانا پینا بطور شکر گزاری بندگان خدا مباح کیا ہے اس لئے اس دن سب لوگ خداتعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں۔

لہٰذا خداتعالیٰ کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت وضیافت کو قبول کرے یہ امر خداتعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خداتعالیٰ کی دعوت وضیافت کو رد کرے۔ مہمان کے لوازم وآداب میں سے یہ امر بھی ہے کہ روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان کے اذن سے رکھے پس جبکہ یکم شوال کو اہل اسلام خداتعالیٰ کے خاص مہمان ہوتے ہیں تو پھر اُس دن کسی کو روزہ رکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ خدا نے رمضان کا آخری روزہ رکھنا فرض کیا کیونکہ یہ روزہ خداتعالیٰ کے تمام نعمت وخاتمہ عمل کے لئے ہے اور شوال کی یکم کو روزہ رکھنا حرام ہوا کیونکہ وہ ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پروردگار کے مہمان ہوتے ہیں یوں تو تمام مخلوق خداتعالیٰ کی دائمی مہمان ہے مگر یہ دن اُن کی ایک مخصوص مہمانی وضیافت کا ہے جس کو رد کرنا گناہ عظیم ہے۔

ماہ رمضان کی راتوں میں تقرر نماز تراویح کی وجہ

(۱)......رمضان کی راتوں میں نماز تراویح اس لئے مقرر ہوئی کہ طبعی خواہشوں کی کمال مخالفت ثابت ہو کیونکہ طبیعت روزہ کی سستی ومحنت ومشقت کو دفع کرنے کے لئے استراحت وآرام چاہتی ہے لہٰذا اس میں ایسی عبادت کا تقرر رہا کہ جس سے عادت وعبادت میں امتیاز ہو۔

(۲)......ماہ رمضان نزول مزید برکات وانوار کے لئے مخصوص ہے لہٰذا اس مہینہ کی راتوں میں بھی ایک خاص عبادت کا تقرر رہا کیونکہ اکثر برکات وانوار الٰہی کا نزول رات ہی کو ہوتا ہے۔

ماہ رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونیکی وجہ

لفظ اعتکاف عکف سے نکلا ہے جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں چونکہ معتکف جب کہ روزہ دار بھی ہو تمام حوائج دنیویہ واغراض نفسانیہ سے اپنے کو بقصد عبادت الٰہی مسجد میں روک کر کے اس کے در پر اپنے کو گرا دیتا ہے اس لئے اس فعل کا نام اعتکاف ہوا اور وہ مسنون بھی ہے۔ چنانچہ بروایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے پس روزہ عاشقانہ رنگ میں ایک تصویری زبانی دُعا و الحاح ہے اور اعتکاف عاشق کا دروازہ معشوق پر اپنے آپ کو بحالت تضرع وزاری پیش کرنا ہے گویا معتکف اپنے آپ کو درگاہ الٰہی میں ایسا مقید کرتا ہے جیسا کہ ایک الحاح کنندہ سائل کسی کے دروازہ پر معتکف ہو جاتا ہے اور اپنی حاجت ومراد حاصل ہوئے بغیر نہیں ہٹتا۔ یا یہ کہ عاشق زار کی طرح اپنے معشوق کے دروازے پر بھوکا پیاسا بن کر اور دنیا کی تمام حوائج واغراض سے فارغ ولا اُبالی ہو کر محض جلوہ محبوب ومعشوق کے لیے اس کے دروازے پر معتکف ہو جاتا ہے اور جب تک اُس کا معشوق اس کو اپنا منہ نہ دکھائے اُس کے در سے نہیں ہٹتا اور اس کے شوق میں ساری لذات کو چھوڑ کر اس کے در پر آ کر سر رکھ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اعتکاف خانہ خدا یعنی مسجد (یعنی اصل اور یوں بوجہ تعذر عورت کو گھر میں بھی جائز ہے بشرطیکہ کوئی جگہ معین کر لے۔ سو اس میں تعیین سے وہ بھی بحکم مسجد ہو گئی ۱۲۔ اشرف علی) کے بغیر کہیں جائز نہیں کیونکہ عاشق طالب دیدار کو اپنے معشوق کے دروازے ہی پر گرنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ بحالت اعتکاف معتکف کو رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت کرنی جائز نہیں کیونکہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے اور یہ جو ماہ رمضان کے عشرہ آخری میں لیلۃ القدر کا ظہور روایات میں مذکور ہے وہ ایسی ہی تجلی ہے جس کا اصلی ظہور ایسے ہی عاشق پر ہوتا ہے۔

بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنیوالے کا روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ

سوال: جب کہ صوم کے معنی ترک کرنے اور روکنے کے ہیں تو جو شخص بھول کر کوئی چیز کھا پی لے اس نے حد صوم اور صفت ترک کو توڑ دیا پس اس کا روزہ کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟

جواب: اگر روزہ دار بھول کر کسی چیز ناقص صوم کا استعمال کر لے تو بھی امساک و ترک شرعی اس کے حق میں موجود ہے کیونکہ شارع نے اس کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا۔ **ان اللّٰہ اطعمہ و سقاہ۔**

ترجمہ: یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو کھلایا اور پلایا۔

پس اس میں بندہ کا فعل حکماً معدوم ہوتا ہے اگر چہ حساً وہ کھانے والا ہوتا ہے اور امساک جس کے معنی صوم یعنی روزہ کے ہیں وہ حکمی طور پر اسی طرح موجود ہے۔

سال میں چھتیس روزے رکھنے سے صائم الدہر بننے کی حکمت

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

من صام صیام رمضان فاتبعہ ستا من شوال کان کصیام الدھر.

ترجمہ: یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھ کر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ حاصل نہیں کرتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات ہے کہ ان کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس لئے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا کیا جا سکتا ہے یعنی ۳۰+۶=۳۶ اور ۳۶ کو ۱۰ کے ساتھ ضرب دینے سے تین سو ساٹھ حاصل ضرب ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہوتے ہیں۔

ماہ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند ہونے اور بہشت کے دروازے کھلنے کی وجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں:

اذاجاء شهر رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب النار وصفدت الشياطين.

ترجمہ: یعنی جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو بہشت کے دروازے کھلتے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطان جکڑے جاتے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں عام شرور اور بدیاں جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان کی سیری وقوت جسمی کی وجہ سے ہوتی ہیں سو جب روزہ کے سبب قوت جسمی میں فتور آجاتا ہے تو گناہوں میں کمی ہو جاتی ہے پس جب انسان محض خدا تعالیٰ کے لئے بھوکے اور پیاسے ہوتے اور گناہوں کو ترک کرتے ہیں تو ان کے لئے رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور بہشت کے دروازے ان کے لئے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا بھی ظاہر ہے کہ جب گناہوں کا دروازہ ہی بند ہو گیا جس کے باعث غضب الٰہی کی آگ بھڑکتی ہے تو بیشک دوزخ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔

اور شیاطین کا جکڑا جانا بھی ظاہر ہے کہ جب بنی آدم کے رگ وریشہ جسم میں توانائی اور شکم میں سیری ہوتی ہے تو گناہوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور اندر سے پٹھوں اور ریشوں سے شیطانی تحریکات شروع ہو جاتی ہیں مگر جب سارے جسم میں بھوک اور پیاس کا اثر ہو اور بحکم الٰہی شہوانی قویٰ کو روزہ کی خاطر دبا دیا جائے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح سے شیطان جکڑے جاتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

ان الشيطان يجرى من بنى اٰدم كمجرى الدم.

ترجمہ: یعنی شیطان بنی آدم کے رگ وریشہ میں خون کی طرح جاری اور رواں رہتا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان کا مقام بنی آدم کے رگ وریشہ میں ہوتا ہے۔ پس جب رگ وریشہ کی قوتوں میں فتور آجائے اور شیطانی تحریکات کا صوم کے سبب ظہور نہ ہو تو بعض کے قول پر یہی شیطان کا جکڑا جانا ہے اور ظاہر حدیث سے ظاہری جکڑا جانا معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں جب کسی معزز کی آمد ہوتی ہے۔ مفسدوں کو خاص طور پر بند کر دیا جاتا ہے پس رمضان میں خاص برکات وتجلیات کی آمد سے بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اور پھر بھی جو گناہ ہوتے ہیں وہ نفس کے سبب ہوتے ہیں نہ کہ شیاطین کے سبب۔

قطب جنوبی وشمالی میں روزہ ماہ رمضان مقرر نہ ہونے کی وجہ

سوال: قطبین پر چھ چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں اور اس کی وجہ بیان ذیل سے اسی سوال میں واضح ہوگی؟

جب آفتاب خط استواء پر ہوتا ہے تو اس کی روشنی دونوں قطبوں پر پہنچتی ہے لیکن جس قدر سورج خط استواء سے شمال کی طرف آتا ہے اسی قدر اس کی روشنی قطب شمالی کے آگے بڑھتی اور قطب جنوبی سے ورے ہٹتی آتی ہے اور اسی واسطے قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی جاتی ہے مگر سورج خط استواء سے تین مہینوں میں تو شمال کی طرف آکر خط سرطان پر پہنچتا ہے اور پھر تین ہی مہینہ میں خط سرطان سے خط استواء پر آتا ہے پس ان چھ مہینوں میں قطب شمالی آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب جنوبی اس سے غائب ہوتا ہے اور ایسا ہی باقی چھ مہینے جب آفتاب نصف کرہ جنوبی میں ہوتا ہے قطب جنوبی تو آفتاب کی روشنی سے منور اور قطب شمالی تاریکی میں ہوتا ہے اور اسی واسطے ان دنوں قطب جنوبی پر دن اور قطب شمالی پر رات ہوتی ہے۔ یعنی ۲۱ مارچ سے ۲۲ ستمبر تک آفتاب کے نصف کرۂ شمالی میں رہنے کے سبب قطب شمالی پر دن اور قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے پس جہاں رات چھ ماہ کی اور دن بھی چھ ماہ کا ہو وہاں روزہ رکھنے کا کیا انتظام ہوگا کسی انسان کی اتنی طاقت ووسعت نہیں کہ اتنے بڑے دن یعنی چھ ماہ کا روزہ رکھ سکے اور چھ ماہ تک غروب آفتاب کا انتظار کرے اور

بھوکا پیاسا رہے مثلاً گرین لینڈ میں جو جائے وہاں اس کے روزہ کا کیسا انتظام ہو۔

جواب: قطبین اور گرین لینڈ وغیرہ پر روزہ رکھنے کے مسئلہ کو قرآن کریم نے بھلا نہیں دیا بلکہ واضح کر کے بتادیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ

ترجمہ: جو شخص ماہ رمضان کو پائے وہ اس میں روزہ رکھے۔

پس جہاں رمضان کی نوبت ہی نہیں آتی اور جہاں رمضان موجود ہی نہیں ہے وہاں روزہ بھی نہیں ایسے مقامات پر یہی حال نماز کا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا

تو جہاں یہ اوقات نہیں وہاں عبادت موقوتہ بھی نہیں جس طرح چور کا ہاتھ کاٹنا قرآنی حکم اور اسلام کا عمل درآمد تھا اور ہاتھ کٹے چور مسلمان بھی ہوجاتے تھے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے اور قرآن کریم میں وضو اور تیمم کے وقت دونوں ہاتھوں کا دھونا یا مسح کرنا بھی ضروری تھا مگر جہاں ہاتھ ہی نہیں اُن کا دھونا کیسا۔

اسی طرح جہاں رمضان ہی نہیں وہاں رمضان کے روزہ چہ معنی دارد۔ یہ قول بعض علماء کا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مقصود بالذات خود نماز اور روزہ ہے اور اوقات کی تعیین وہاں ہے جہاں اوقات ہوں اور جہاں اوقات نہ ہوں وہاں وہ عبادات مقصودہ ساقط نہیں ہوں گی۔ وقت کا اندازہ کر کے نماز بھی پڑھی جائے گی اور روزہ بھی رکھا جائے گا اور احتیاط اسی قول میں ہے اور اگر کسی کے نزدیک آیت موصوفہ اس حکم پر دلالت کرنے کے لئے کافی نہ ہو اور اس وجہ سے اس حکم کو غیر مذکور فی القرآن کہا جائے تو اس صورت میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بالعموم قطبین پر بنی آدم کے علاوہ دوسرے حیوانات کی آبادی بھی بوجہ انجماد برف وآب وبرودت قریباً ناممکن نظر آتی ہے اس لئے جہاں خدا نے بنی آدم کی آبادی ہی نہیں رکھی وہاں روزہ کا تعین بھی نہیں ہوا۔

خوب سوچو کہ بادشاہی احکام کا نفاذ واجرا وہاں ہی ہوتا ہے جہاں اس کی رعیت

ہو اور جہاں اس کی رعیت ہی نہ ہو وہاں احکام کا اجراء ہی نہیں ہوتا۔

اور پہلے جواب کی شرح یہ ہے کہ ماہ رمضان جو کہ روزوں کا مہینہ ہے قمری ہے چنانچہ خداتعالیٰ بعد ایجاب صوم اس کا وقت بتلانے کے لئے فرماتے ہیں شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور ظاہر ہے کہ رمضان قمری مہینہ ہے اور ہر قمری مہینہ ۲۹ دن بارہ گھنٹہ ۴۴ منٹ کا ہوتا ہے اذا فات الشرط فات المشروط (پس جہاں یہ قمری مہینہ نہیں ہے وہاں روزے بھی نہیں ہیں) اور علماء کا اختلاف اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

وجہ تقرر صدقہ فطر

(۱) عید الفطر میں صدقہ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اول تو اس کے سبب عید الفطر کے شعار الٰہی میں سے ہونے کی تکمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اس میں روزہ داروں کے لئے طہارت اور ان کے روزہ کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے لئے سنتیں مقرر کی گئی ہیں ایسا ہی یہ صدقہ مقرر ہوا۔

(۲) اغنیاء اور دولتمندوں اور ذی وسعت لوگوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے مگر مسکین ومفلسوں کے گھروں میں بوجہ ناداری کے اسی طرح سے شکل صوم موجود ہوتی ہے لہٰذا خداتعالیٰ نے ذی وسعت لوگوں پر بوجہ شفقت علیٰ خلق اللہ لازم ٹھہرایا کہ مساکین کو عید سے پیشتر صدقہ دیدیں تاکہ وہ بھی عید کریں یہاں تک کہ نماز عید پڑھنے سے پیشتر ہی ان کو صدقہ دینا لازم ٹھہرا اور اگر مساکین کثرت سے ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرنے کا ایماء ہوتا کہ مساکین کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔

ہر ذی وسعت مسلمان پر صدقہ فطر ایک صاع جو یا چھوارے یا نصف صاع گندم مقرر ہونے کی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ فطر ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت چھوٹے اور

بڑے پر ایک صاع چھوارے یا جو یعنی انگریزی نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر بلکہ گندم جس ظرف میں آ جاویں کہ وہ ظرف ایک صاع کا ہوتا ہے اس ظرف کو بھر کر چھوارے یا جو اس لئے مقرر فرمائے کہ غالباً یہ مقدار ایک چھوٹے کنبے کو ایک روز کے لئے کافی ہوتی ہے اس سے فقیر و مسکین کی حاجت پورے طور سے رفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور جو کے ایک صاع کی جگہ گندم کا نصف صاع مقرر کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی اس لئے امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔

باب العیدین

تقرر عید الفطر کا راز

(۱) ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ **لکل قوم عید و ھذا عیدنا** یعنی ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(۲) یہ وہ دن ہے کہ جب لوگ اپنے روزوں سے فارغ ہو چکتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کر چکتے ہیں تو اس دن ان کے لئے دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو اُن کو اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے اور عقلی خوشی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو اس سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا اس لئے ان خوشیوں کے اظہار کا حکم ہوا۔

تقرر عیدین کی وجہ

ہر قوم میں کچھ دستور اور رسمیں اور عادتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا تمام متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے۔ میلے کے دن خوراک لباس

وملاقات میں خاص اور نمایاں تبدیلی ہوتی ہے اور یہ فطرتی چیز تھی مگر اس میں بڑھتے بڑھتے ہوا وہوس کو بہت دخل ہوگیا ہے۔ بہت میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں تجارت کے ایسے بہت سے میلے ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلا ہوتا ہے۔ بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں جسے منڈی کہتے ہیں غرض کہ ان میلوں کی تہہ میں عجیب عجیب مقاصد کام کررہے ہیں بعض تو اپنے گزارے کے لئے میلا لگاتے ہیں اور بعض خاص چندے اور نذر ونیاز کے لئے اور بعض اپنی عظمت اور شان کے اظہار کے لئے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں اور بڑے بڑے احسانات ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح کردی ہے چونکہ یہ ایک فطرتی بات تھی اس لئے ان کو اصل سے ضائع نہیں کیا صرف اصلاح کردی اور وہ یوں ہے کہ آپ نے جہاں اور قسم کے رسم ورواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم ومشفقت علی خلق اللہ کے تحت میں لے لیا وہاں ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کردی۔

چنانچہ عید میں آپ نے اول تکبیر کو لازم ٹھہرایا اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کے اظہار کے لئے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے صفات میں اکبر سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے اور جامع جمیع صفات کاملہ ہونے کے لحاظ سے اللہ سے بڑھ کر اس مفہوم کی جامعیت کو کوئی لفظ ظاہر نہیں کرسکتا یہ تو تعظیم لامر اللہ ہے اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لیے رمضان کی عید میں صدقہ فطر کو لازم ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ نماز میں اُس وقت جائے کہ اول اس کو ادا کرے۔ اصل سنت یہی ہے اور پھر بعض مواقع میں یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہوجائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور عید قربان میں مساکین وغیرہ ہم کے لئے **سید الطعام لحم** یعنی گوشت کی مہمانی مقرر فرمائی۔ یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے لئے کی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو فرائض انسان پر ہیں اور جو فرائض مخلوق کے

ہیں ان کو پورا کریں دنیا کے کسی میلہ کو دیکھ لو کہ ان میں ان حقوق کی حفاظت اور یہ حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عیدین میں ہیں۔

تقرر عید قربان کی وجہ

عبادات کے اوقات مقرر ہوتے ہیں یہ بھی حکمت ہے کہ اس وقت میں انبیاء علیہم السلام نے جو طاعت وعبادت الٰہی کی ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کو قبول کرلیا ہو اس وقت کے آنے سے اُن کی جاں نثاری یاد آ کر اس عبادت کی طرف رغبت ہو پس یہ عیدالاضحیٰ کا دن وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحکم پروردگار خدا تعالیٰ کے حضور میں ذبح کر کے پیش کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جان کے بدلہ میں ایک ذبیحہ عظیم عنایت کیا اس لئے اس عید میں قربانی اس مصلحت سے مقرر کی گئی کہ اس میں سنت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات اور ان کے جان و مال کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کی غایت درجہ صبر کرنے کی یاددہانی کر کے لوگوں کو عبرت دلائی گئی ہے اور نیز حاجیوں کے ساتھ تشبیہ اور ان کی عظمت ہے اور جس کام میں وہ حجاج مصروف ہیں اُس کی طرف دوسرے لوگوں کو ترغیب ہے۔

عیدین میں نماز اور خطبہ مقرر ہونے کی وجہ

عیدین میں خطبہ اور نماز اس لئے مقرر ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعائر دین کی تعظیم اور جلال الٰہی کے استحضار سے خالی نہ ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اس میں اپنے تجمل کا اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب و زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے باہر نکلتے ہیں۔ یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی قوم عرب و عجم میں خالی نہیں ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کے بھی دو دن

ایسے مقرر تھے کہ وہ ان میں لہو ولعب یعنی کھیل کود کرتے تھے۔

تب آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے بجائے ان دنوں کے اور دو بہتر دن دے دیئے ہیں اور وہ یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں اور ان کے تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں جو دن خوشی کا ہوتا ہے مقصود اس سے کسی نہ کسی دین کے شعائر کا اظہار یا کسی مذہب کے اکابر کی موافقت یا اس قسم کی بات ہوتی ہے۔

اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ اس میں جاہلیت کی کسی رسم کی تعظیم یا جاہلیت کے اسلاف کے کسی طریقہ کی ترویج ان کو مقصود نہ ہو اس لئے آپ نے بجائے ان دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا کہ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعائر کی عظمت ہے اور آپ نے اس دن کے تجمل کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادات کو بھی ملا دیا کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع صرف لہو ولعب نہ ہو بلکہ ان کے اکٹھے ہونے سے اعلاء کلمہ اسلام ہو۔

لہٰذا تکبیر کہنا بھی مسنون کیا گیا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولتکبر واللہ علی ماھداکم

خدا تعالیٰ نے جو تم کو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی کو بیان کرو۔

عیدین کے دنوں میں عمدہ غذا کھانے اور نفیس لباس پہننے کی وجہ

جبکہ عید کا دن خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے خاص ضیافت ومہمانی کا دن ہے تو اس میں ضرور ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت جو کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہے وہ عمدہ اور نفیس طعام سے ہو اور اس کی قدر کی جائے لہٰذا خداداد نعمائے الٰہی سے خدا تعالیٰ کی طرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور اکل وشرب ولباس میں حد جائز تک وسعت کی جائے کیونکہ اسی میں خدا تعالیٰ کی ضیافت ودعوت کی تعظیم وتکریم پائی جاتی ہے اور چونکہ یہ ضیافت الٰہی کا دن ہے اس لئے مومن کو چاہئے کہ کھانے میں توسیع کرے اور غربا کی خبر گیری کرے۔

عیدین کی نمازوں میں زیادہ تکبیرات کہنے کی وجہ

تکبیر الٰہی میں خداتعالیٰ کی عظمت اور جلال اور اپنا انکسار و ترک ماسوا مد نظر ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ لوگ عیدین کے دنوں میں بکثرت اپنے شان وشکوہ اور تجمل کا اظہار کرتے ہیں اس لئے اس کے مقابلہ میں مشروع ہوا کہ خداتعالیٰ کی کبریائی بیان کرو اور اس کو مدنظر رکھو کیونکہ اُسی نے تم کو اس دن شان وشکوہ کی اجازت دی ہے۔ پس یہ بڑائی و کبریائی اسی کا استحقاق ہے اور ہر تکبیر میں کانوں پر ہاتھ لیجانا ترک کبر ہے و ترک ماسوا کی طرف ایماء ہے اور اپنی بڑائی اور عظمت سے تائب ہونے کی تعلیم ہے۔

نیز جہاں کہیں جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہوا اس کو بحد اعتدال لانے کے لئے اس کی اضداد مقرر ہیں پس عیدین میں کہ جس میں تنعم و تجمل کی کثرت ہے کثرت تکبیرات کا راز کثرت توجہ الی اللہ و ترک التفات ماسوا ہے۔

بابُ الضحیٰ

تقرر قربانی کی وجہ

قربانی اصل قربان سے ہے چنانچہ صراح میں لکھا ہے:

قربان بالضم وھو مایتقرب به الی اللہ تعالیٰ یقال قربت للہ قربانا

قربان اس چیز کو کہتے ہیں جن کے ساتھ انسان خداتعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں قربت للہ قربانا۔ چونکہ انسان قربانی سے قرب الٰہی کا طالب ہوتا ہے اس لئے اس فعل کا نام بھی قربانی ہوا۔

(۱) دراصل قربانی کیا ہے۔ ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے جسے جاہل اور عالم سب پڑھ سکتے ہیں وہ تعلیم یہ ہے کہ خدا کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں وہ تو وھو یطعم ولا یطعم ہے ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھالوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا بلکہ وہ تمہیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور میں اسی طرح قربان

ہو جاؤ اور یہ بھی تمہارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے اپنا قیمتی پیارا جانور قربان کر دو۔

(۲) جو لوگ قربانی کو خلاف عقل کہتے ہیں وہ سن لیں کہ کل دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور قوموں کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلہ میں قربان کی جاتی ہے یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے ہم بچے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسی کو سانپ زہریلا کاٹے وہ انگلی کاٹ دی جائے تا کہ کل جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے گویا انگلی تمام جسم کے لئے قربان کی گئی ہے۔

(۳) اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آ جائے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو اس کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے۔ گھی، آٹا، گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔ (۴) اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغے مرغیاں حتیٰ کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دیئے جاتے ہیں۔

(۵) طب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اس کو جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کے سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتے ہیں۔ اس سے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کے لئے قربان کیا جاتا ہے مثلاً بھنگی ہیں گو تمام قوموں کی عید ہی کا دن ہو مگر ان بیچاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے بلکہ ایسے ایام میں ان کو زیادہ تاکید کی جاتی ہے کہ لوگوں کی آسائش و آرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گزرگاہ میں نہ رہنے دیں گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی۔

(۶) بعض ہندو گئو رکھشا بڑے زور سے کرتے ہیں لداخ کے ملک میں تو دودھ تک نہیں پیتے کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے مگر یہاں کے ہندو دھوکا دے کر اُس کا دودھ دوہ لیتے ہیں اور پھر اُس سے اور اُس کی اولاد سے سخت کام لیتے یہاں تک کہ اپنے کاموں کے لئے انہیں مار مار کر درست کرتے ہیں یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

(۷) ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لئے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کے لئے اور وہ

اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے بدلے میں قربان ہوتا ہے پس خدا نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ اعلیٰ ادنیٰ کے لئے قربان کیا جائے۔

قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا خلاف رحم نہ ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ کو ماننے والی قومیں خواہ وہ کوئی ہوں اس بات کی ہرگز قائل نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ظالم ہے بلکہ خدا تعالیٰ کو رحمٰن رحیم مانتے ہیں۔

اب خدا تعالیٰ کا فعل دیکھو کہ ہوا میں۔ باز' شکرے' گدھ' چرغ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں۔ گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔ پھر دیکھو آگ میں پروانہ کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے پھر پانی کی طرف خیال کرو کہ اس میں کس قدر خونخوار جانور موجود ہیں گڑیال اور بڑی بڑی مچھلیاں اود بلاؤ وغیرہ۔ یہ چھوٹے چھوٹے آبی جانوروں کو کھا جاتے ہیں بلکہ بعض مچھلیاں قطب شمالی سے قطب جنوبی تک شکار کے لئے جاتی ہیں پھر ایک اور قدرتی نظارہ سطح زمین پر دیکھو کہ چیونٹی خوار جانور کیسے زبان نکالے پڑا رہتا ہے۔ جب بہت سی چیونٹیاں اس کی زبان کی شیرینی کی وجہ سے اس کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں۔ تو جھٹ زبان کھینچ کر سب کو نگل جاتا ہے۔ مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے مگس خور جانور اپنی غذا ان جانوروں کو مار کر بہم پہنچاتے ہیں بندروں کو چیتا مار کر کھاتا ہے جنگل میں شیر بھیڑیئے، تیندوے کی غذا جو مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے بلی کس طرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس نظارہ عالم کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون ذبح جو عام طور پر جاری ہے یہ کسی ظلم کی بناء پر ہے ہرگز نہیں پھر انسان پر حیوان کے ذبح کرنے کے ظلم کا الزام کیا مطلب رکھتا ہے۔ انسان کے جوئیں پڑ جاتی ہیں یا کیڑے پڑ جاتے ہیں، کیسی بے باکی سے ان کی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے کیا اس کا نام ظلم رکھا جاتا ہے جب اسے ظلم نہیں کہتے کہ اشرف کے لئے اخس کا قتل جائز ہے تو ذبح پر اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔

بلکہ غور کرو تو حضرت ملک الموت کو دیکھو کیسے کیسے انبیاء و رسل بادشاہ بچے غریب امیر سوداگر سب کو مار کر ہلاک کرتے اور دنیا سے نکال دیتے ہیں۔

پھر غور کرو اگر ہم جانوروں کو عید الاضحیٰ پر اس لئے ذبح نہ کریں کہ ہمارا ذبح کرنا رحم کیخلاف ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا اور ان پر رحم ہوگا کہ وہ نہ مریں گے۔

پس اسی تمہید کے بعد گزارش ہے کہ اگر جانوروں کو ذبح کرنا خلاف رحم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خور جانوروں کو پیدا نہ کرتا نیز اگر ان کو ذبح نہ کیا جائے تو خود بیمار ہو کر مریں گے۔ پس غور کرو کہ ان کے مرنے میں کیسی تکلیف ان کو لاحق ہوگی۔

قانون الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بیحد بڑھنا چاہتی ہے اگر ہر ایک برگد کے بیج حفاظت سے رکھے جائیں تو دنیا میں برگد ہی برگد ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو مگر دیکھو ہزار جانور اس کا پھل کھاتے ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا مرض الٰہی ہے اسی طرح اگر ساری گایوں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں دنیا کی ساری زمین بھی ان کے چارے کے لئے کافی نہ ہوگی۔ آخر بھوک پیاس سے خود ان کو مرنا پڑے گا جبکہ یہ نظارہ قدرت موجود ہے تو ذبح کرنا خلاف مرضی الٰہی کیوں ہے۔

ذبح انسان ناجائز ہونے کی وجہ

پھر کوئی کہے کہ ذبح انسان بھی جائز ہوسکتا ہے اس میں شک نہیں کہ فی نفسہ ذبح انسان کے لئے بھی عمدہ ہے اور یہی وجہ ہے شہادت کو متفق اللفظ ہو کر اعلیٰ کمال مانا مگر انسان کے ذبح نہ کرنے پر اور بہت سے قوی دلائل ہیں۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اوروں کے بھی حقوق ہیں۔ کسی کی پرورش ہے کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ۔ اگر ایسا حکم دیں تو مشکلات کا ایک بڑا سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے قتل انسان مستلزم سزا عرفی اور شرعی قانون میں سخت گناہ کہا گیا ہے۔

• الغرض انسان کا قتل اس لئے تجویز نہیں ہوا کہ انسان کے ساتھ بہت سے حقوق ہوتے ہیں ان کا ضائع ہونا زیادہ دکھوں کا موجب ہے۔

کتاب الحج

حج وطواف کعبہ کی وجہ

(۱) عبادت کا بنی آدم کیلئے موضوع ہونے پر یہ حکمت ہے کہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پیدا کر دیتا ہے تا کہ وہ روحانی امور پر دلالت کریں اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے ایک انکساری اور تذلل دوسرے محبت و ایثار' تذلل و انکساری کیلئے نماز کا حکم ہے جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا ہے تا کہ روح اور جسم دونوں اس عبادت میں ہوں۔ (۲) جسمی سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔ اول تو یہ امر مسلم ہے کہ خدا جیسا کہ روح کو پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی وہ جسم کا خالق ہے اور دونوں پر اس کا حق خالقیت ہے۔ علاوہ اس کے جسم اور روح ایک دوسرے کا اثر قبول کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح بھی جسم کے اندر سجدہ کی حالت پیدا کر دیتی ہے کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مرایا مقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلف سے اپنے جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہے تو ایسے اوقات اس کو سچی ہنسی بھی آجاتی ہے جو کہ روح کے انبساط سے متعلق ہے ایسا ہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں رونے کی صورت بناتا

ہے تو ایسے اوقات حقیقت میں بھی رونا آجاتا ہے جو کہ روح کے درد اور رقت سے متعلق ہے پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی دوسری قسم میں یعنی محبت وایثار میں بھی انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں باہم تاثر اور تاثیر ہے۔

(۳) محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے پس اسی کے مقابل خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کیلئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور اس کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لئے دیا تاکہ انسان جسمانی طور پر بھی اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے۔ سوچ کرنے والے حج کے مقام پر جسمانی طور پر بھی صورت بنا کر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ وار مست ہیں۔ زینت دور کردیتے ہیں۔ سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کردیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کردیتا ہے اور اسی حکمت کے لئے جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے۔

(۴)......اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں پڑتے ہیں اس وقت ان کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح اپنا شوق پورا کریں تو سوائے حج کے اس کو اور کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔

(۵)......ہر ملت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک دربار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے سب لوگوں میں باہم جان پہچان بھی ہو اور ایک دوسرے سے مستفید بھی ہوں اور اس ملت یا سلطنت کے شعائر کی تعظیم بھی کریں ایسا ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تاکہ ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے اُن فوائد کو حاصل کرسکیں جو ان کو پہلے سے حاصل نہیں ہیں اس لئے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے سے ہی حاصل ہوا کرتے ہیں اور جس سے شعائر دین کی عظمت بھی ظاہر ہو۔

(۶) ائمہ دین کی حالت کو یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لئے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے۔

(۷) چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لئے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا خدا تعالیٰ کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوجاتی ہیں۔

(۸) آدمی طواف کی وجہ سے ان مقرب ملائکہ الٰہی کے مشابہ ہوجاتے ہیں جو عرش الٰہی کے گرد گھومتے ہیں اور طواف کرتے ہیں۔

(۹) یہ خیال نہ کرو کہ طواف کعبہ سے مقصود صرف جسم کا طواف ہے بلکہ اس طواف سے مراد رب الکعبہ کا طواف ہے جو دل سے ہوتا ہے پس عمدہ طواف دل کا حضرت الوہیت کا طواف ہے اور خانہ کعبہ عالم ظاہری میں اس دربار الٰہی کا نمونہ ہے کیونکہ وہ دربار عالم باطن میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا جیسا کہ عالم ظاہری میں بدن روح کا نمونہ ہے۔

(۱۰) اور سنو نیازمندی دو قسم کی ہوتی ہے ایک نیازمندی خادمانہ خدام کی نیاز مندی اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے دوسری نیازمندی عاشقانہ عاشق کی محبوب کے ساتھ۔ پہلی قسم کی نیازمندی کہ مناسب ہے کہ درباری لباس پہن کر بڑے ادب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو اور تمام حکام اور مربیوں کی اطاعت سے کان پر ہاتھ رکھ کر اطاعت کا اقرار کرے۔ ہاتھ باندھ کر حکم کا منتظر رہے جھک کر تعظیم دے زمین پر ماتھا رکھے یہ رنگ نماز کا ہے اور عاشقانہ نیاز میں ضروری ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے سامنے عشق میں بھوک اور پیاس بھی دیکھے۔ نہایت درجہ اس عزیز کو بھی کہ انسان ماں باپ کو چھوڑ کر اس سے متحد اور ایک جسم ہوجاتا ہے کچھ دیر کے لئے ترک کردے اور جہاں یقینی طور پر سُن لیا ہو کہ میرے محبوب کی عنایات اور توجہات کا مقام ہے وہاں دوڑتا کودتا سر کے عمامہ اور ٹوپی سے بے خبر پہنچے پروانہ وار وہاں فدا ہو کہیں دشمنوں کی روک ٹوک کی جگہ سُن پائے تو وہاں پتھر چلائے یہ رنگ حج کا ہے۔

(۱۱) تمام قوموں میں میلوں کا رواج ہے مگر ان میلوں کا ہونا محض مصالح دنیوی

پر مبنی ہے چنانچہ کل مذاہب اور تمام اقوام کے میلے خالص توحید سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ محض کھیل اور غیر اللہ کی پرستش ہے ان کو عظمت الٰہی سے کچھ سروکار نہیں پس اجتماع حج یہ ایک اسلامی میلہ مقرر کیا گیا جو سراسر روحانیت سے بھرا ہوا ہے۔

دولت مندوں پر حج واجب ہونے کی وجہ

(۱) امراء کے حق میں عیش اور کبر ہی مہلک امراض اور ترقی کے دشمن ہیں اور دور دراز کا سفر کرنا احباب اور اقارب کا چھوڑنا سردی اور گرمی کی برداشت کرنا مختلف بلاد کے علوم اور فنون اور اقسام مذاہب اور عادات پر واقف ہونا سستی اور نفس پروری کا خوب استیصال کرتا ہے۔

(۲) حج کے اعمال کبر اور بڑائی کے سخت دشمن ہیں زیب و زینت کو ترک کرنا۔ غرباء کے ساتھ ننگے سر کوسوں چلنا' دنیاداروں مستوں عیاشوں کو کیسی کیسی ہمت بڑھانے کا موجب ہے۔ غرض حج کیا ہے اسلامیوں کا تجربہ کار اور ہشیار بنانا ہے۔

(۳) بلاریب ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہنچانے میں جیسی طاقت دولت مند لوگ رکھ سکتے ہیں ویسی علی العموم غریب لوگ نہیں رکھ سکتے۔

احرام میں صرف بے سلی دو چادروں پر کفایت کا راز

امراء کے ساتھ جن پر کہ حج فرض ہے ممکن ہے بلکہ ضرور تھا کہ ان کے نوکر چاکر بھی حج کرنے کو جائیں اور کچھ لوگ غرباء میں سے عشق الٰہی کے مجبور کئے ہوئے بھی وہاں پہنچیں۔ اس لئے اسلام نے بغرض کمال اتحاد اہل اسلام تجویز فرمایا کہ سب سادہ دو چادروں پر اکتفا کر کے امیر و غریب یکساں سر سے ننگے کرتے سے الگ بالکل سادہ وضع پر ظاہر ہوں تا کہ اُنکی یکتائی اور اتحاد کامل درجہ پر پہنچے۔

حجر اسود کو ہاتھ لگانے اور چومنے پر اعتراض کا جواب

نادان کہتے ہیں کہ مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں مگر آریہ اور عیسائی بتائیں کہ

عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت میں استتی (حمد) اور پرارتھنا (یعنی دعا) اور اپاشنا (یعنی دھیان) ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اس پتھر سے دعا اور اُس کا دھیان اور اس کی استت کرتے ہیں۔ کسی اسلامی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں بلکہ عبادات اسلامیہ میں تو مکہ کا بھی ذکر نہیں اس کا ذکر کیا ہوگا۔ اگر اس کو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہے تو سب لوگ بیاہی ہوئی عورتوں کے عابد اور زمین کے پجاری ہوں گے۔

بات یہ ہے کہ مقدس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کے عمل سرا کونے کا پتھر یہاں مکہ سے نکلا ہے بلکہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متی باب ۳۲ میں خود کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے۔

حجر اسود تصویری زبان کا نمونہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں بہت مدت سے تصویری زبان کا رواج تھا اور اب بھی ہے۔ چنانچہ رامچندر جی اور شیو جی کی تصویریں قصص ہندوؤں کے پاس خصوصاً ہند کے قدیم مصوروں کے پاس موجود ہیں۔ سکندر رومی جس کو حضرت دانیال رومی نے ذوالقران یعنی ایک سینگ کا بکرا خواب میں دیکھا۔ یہ تصویری زبان کی شہادت ہے۔ دیکھو دانیال باب ۸۔ اسی طرح دارا ایرانی بادشاہ کی تصویری زبان میں گفتگو عام نظموں میں موجود ہے۔ تصویری زبان کی کتابیں اور اخبارات ہند میں بکثرت موجود ہیں۔ اسکندریہ ملک مصر کے ایک جریدہ نگار نے ایک رسالہ قدیمی تصویری زبان کے متعلق لکھ کر شائع کیا ہے جس میں صرف حیوانات و آلات و اشجار وغیرہ کی اشکال ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پہلے اس زبان کا عام رواج تھا اب بھی یہ تصویری زبان ان بلاد میں جہاں تعلیم کا رواج کم ہوتا ہے بالکل نہیں ہوتا زیادہ تر استعمال کی جاتی ہے بلکہ اکثر تصویری زبان بہ نسبت تحریری کے زیادہ قوی ہوا کرتی ہے۔ اس واسطے یادگاروں کو عقلاء اور حکماء اکثر تصویری تحریروں میں ادا کرتے ہیں۔

یوشع بن نون نے یردن سے گزرتے وقت بارہ پتھر اٹھائے یوشع باب ۶۔ وہ

بقول عیسائیوں کے بارہ حواریوں کی پیشین گوئی تھی۔ یہود اور عیسائی غیر قوموں کو اور بعض خواص کو پتھر کہتے تھے یہ ان کا محاورہ تھا بطرس کو پتھر اس واسطے کہا کہ کلیسا کیلئے وہ فون ڈیشن ستون یعنی بنیادی پتھر ہوا۔ ان باتوں پر خوب غور کرو۔

اب تمہید کے بعد کتب مقدسہ میں ایک پیشین گوئی بہ نسبت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زور سے درج تھی۔ دیکھو لوقا ۲۰ باب ۱۶ و ۱۷ اوہ پتھر جسے راج گیروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا اور دیکھو زبور ۱۸۔ ۲۲ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا۔

متی باب ۲۱۔ توریت ۴۲۔ ۴۴ غرض یہ ایک بشارت ہے جو کئی کتب مقدسہ میں مندرج ہے اس بشارت اور پیشین گوئی کے اظہار و تصدیق کیلئے مکہ معظمہ کی بڑی عبادت گاہ میں بطور تصویری زبان کے حجر اسود کونے پر رکھا گیا تھا۔ محمدیوں سے صدہا سال پہلے سے یہ پتھر ابراہیمی عبادت گاہ کے کونے پر منصوب تھا اور عرب کے لوگ اسے چومتے اور اس سے ہاتھ ملاتے گویا قدیم زمانہ میں عرب سے پہلے یہ فقرہ تصویری طور پر مکہ معظمہ کی مقدس مسجد پر رکھا تھا کہ اس شہر میں وہ کونے کا پتھر ظاہر ہوگا۔ جسے یوں کہا جائے گا کہ نبوت اور رسالت کی عظیم الشان اور مستحکم عمارت جو کہ انبیاء اور رسولوں کی وجود ذی جود سے تیار ہوئی ہے۔ اسی پتھر سے پوری ہوئی ہے اور اسی کونے کے پتھر کی یہ شان ہوگی کہ ان کی بیعت رحمان کی بیعت اور انکی اطاعت رحمان کی اطاعت ہے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانه
وترک منه موضع اللبنة الی ان قال فکنت
انا سددت موضع اللبنة وفی روایة فانا تلک اللبنة.

ترجمہ: یعنی میری اور دوسرے نبیوں کی مثال اس محل کی ہے کہ وہ بہت خوبصورت بنایا گیا اور ایک اینٹ کی جگہ اس میں خالی رکھی گئی۔ سو وہ اینٹ میں ہوں۔

صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے کا راز

(۱) صفا ومروہ کے درمیان جو کہ خانہ کعبہ کا چوک ہے۔ سعی کرنی ایسی ہے کہ جیسے غلام اپنے بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس خیال سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے تاکہ نظر رحمت سے سرفراز ہو۔

(۲) اس میں یہ راز ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو کہ بادشاہ میرے بارے میں کیا حکم کرے گا۔ منظور فرمائے گا یا نامنظور تو دربار کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہے۔ اس اُمید سے کہ اول دفعہ رحم نہ کرے گا تو دوسری بار میں رحم کرے گا اسی طرح سعی والا کرتا ہے۔

گفت پیغمبر کی چوں کوبی درے عاقبت زاں دربروں آید مرے
سایہ وحق برسر بندہ بود عاقبت جویندہ یابند بود
چوں نشینی برسر کوئے کسے عاقبت بینی تو ہم روئے کسے
چوں زچاہے میکنی ہرروز خاک عاقبت اندررسی درآب پاک

(۳) صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے میں یہ راز بھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کو جب سخت پریشانی ہوگئی تو صفا ومروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے ٹہلنا شروع کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے انکے فکر کو دو طریقوں سے رفع کیا ایک تو آب زمزم برآمد ہوگیا دوسرا لوگوں کے دلوں میں اس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا اس لئے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور انکے فرمان برداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور انکی کرامت کو یاد کریں تاکہ انکی قوت بہیمی مغلوب ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف ان کی رہنمائی کرلے اور اس کیلئے کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس دلی اعتقاد کو کسی خاص ظاہری فعل سے جو کہ انکی خلاف عادت ہے ظاہر کیا جائے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی اس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقعہ پر ایک حالت کا نقل کرنا بدرجہا زبانی باتوں سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔

حج کیلئے خصوصیت مکہ کی وجہ

حج کیلئے ایسے مقام میں جمع ہونا لازم ہوا جہاں خدا تعالیٰ کے نشانات و آیات بینات موجود ہوں کہ وہ مکہ میں بیت اللہ ہے جو سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے۔ اس میں برملا نشانات الٰہی موجود ہیں۔ چنانچہ

(۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے خدا کے حکم اور وحی سے اسکی بنیاد قائم کی۔

(۲) وہ مقام مبداء اسلام تھا پھر اس میں ایسے لوگوں کی یادگار تھی جن کی محنت اور کوشش سے سخت سے سخت بت پرستی کا دنیا سے استیصال ہوا اور خالص توحید الٰہی قائم ہوئی۔

(۳) اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ مکہ معظمہ سے وعظ توحید شروع ہوا۔ اس معظم مکان نے مسئلہ توحید کی تائید کی اور شرک کا استیصال کیا قومی نفاق اور طوائف الملوکی اور خانہ جنگیاں عرب کی دور کیں دختر کشی شراب خواری اور خطرناک قمار کا اس ملک میں نام ونشان نہ چھوڑا۔ نفاق وکسل وکاہلی کے بدلے آزادی صبر وہمت واخوت، ہمدردی وشجاعت واستقلال وعزم کو پیدا کیا۔

حج میں حلق سر کی وجہ

حلق سر کی وجہ یہ ہے کہ بہت دنوں سے سر کھلا رہا۔ گرد وغبار پڑا عام لوگوں کو سامان سر دھونے کا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ سر منڈوا دیں یا بالوں کو کٹوائیں حلق کا حکم جیسا کہ ہماری کتاب قرآن وحدیث میں مذکور ہے ایسا ہی اس کا رواج اور اس کا ثبوت مقدسہ کتب میں موجود ہے (دیکھو ایوب ۱۰ باب ۲۰) نذیر یعنی نذر دینے والا جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر سر کی منت منڈوائے۔ (گنتی ۶ باب ۱۸)

کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ

(۱)..... قرآن خود اس بھید سے آگاہ فرماتا ہے:

وما جعلنا القبلة التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه. ترجمہ:۔اور نہیں کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تھا مگر اس لئے کہ ظاہر ہو جائے کہ کون رسول کے تابع ہے اس سے جو کہ پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر۔

۲)...... یہ بہت صاف امر ہے اور حقیقت شناس عاقل کے نزدیک کچھ بھی محل اعتراض نہیں اس ہادی کو تمام دنیا کے متداولہ عبادت کو خالص کرنا منظور تھا اور ایک واضح اور ممتاز مسلک قائم کرنا ضروری اس لئے واجب ہوا کہ وہ اپنی امت کے رخ ظاہر کو بھی اسی سمت کی طرف پھیرے جس میں قوائے روحانی کی تحریک ہو۔

۳)......اس میں اتفاق واتحاد قومی کا فائدہ ہے اس لئے سب کو حکم ہوا کہ ایک دل ہو کر معبود حقیقی کی عبادت کریں ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اسی کی اولاد میں سے ایک زبردست کامل نبی مکمل شریعت لیکر ظاہر ہوا جس نے اسی پہلی تلقین وتعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس نماز میں جب ادھر کو رُخ کرتے ہیں یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور مصلح عالم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اس نے اعلاء کلمۃ اللہ میں دکھلائیں یاد آجاتی ہیں۔

۴)......خانہ کعبہ کو اسلام والے بیت اللہ کہتے ہیں اور بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی کے مکان کو جاتا ہے تو اس کا مطلب مکان والا ہوا کرتا ہے کسی تخت نشین بادشاہ اور بزرگ کے آداب ونیاز اس کے تخت کے آداب نہیں ہوا کرتے۔

۵)......اس میں اس اظہار کی حکمت بھی مذکور ہے کہ یہ کامل مذہب یہ توحید کا آفتاب اسی پاک زمین سے نمودار ہوا اس استقبال سے وہ خداوندی حکمت بحال رکھی گئی ورنہ اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مکان اور جہت کی قید سے منزہ ہے اور عنصری وکونی صفات سے اعلیٰ اور مبرا ہے کوئی جہت نہیں جس میں وہ مقید ہو کوئی خاص مکان نہیں جس میں وہ رہتا ہو اسی مطلب کی طرف قرآن شریف اشارہ

کرتا ہے اور معترض کے اعتراض کو پہلے ہی اپنے علم محیط سے رد کر دیا ہے:

ولله المشرق والمغرب فاينماتولوا فَثَمَّ وجه الله.

ترجمہ: خدا ہی کا مشرق و مغرب ہے سو جس طرف منہ کرو اُدھر ہی توجہ ہے اللہ کی۔

۶)......ایک اور لطیف بات قابل غور ہے کہ آغاز نماز میں کہ جب مسلمان رو بقبلہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ آیت پڑھتا ہے۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين

ترجمہ: میں نے اپنا رخ کیا اس خدائے تعالیٰ کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین کا ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔

۷)......اس میں یہ بھی راز ہے کہ جماعت کے انتظام میں خلل نہ ہو اور تمام دنیا کے اہل اسلام یک جہت رہیں۔

میقات پر احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بھید

مواقیت کی اصل یہ ہے کہ مکہ میں ایسی حالت میں آنا چاہئے کہ سر پر خاک بھری ہوئی ہو اور بدن میں میل کچیل اور نفس ذلت کی حالت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مطلوب ہے پس ضرور ہوا کہ مکہ سے پہلے احرام باندھیں پھر اگر اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض شہر مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ دور ہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کے لئے مکہ کے گرد چند مقامات تجویز کر دیئے جائیں کہ ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضروری ہے کہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو۔

رہا لبیک کا بھید سو میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ جانے کہ لبیک کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پکار پر جواب عرض کر رہا ہوں کہ میں حاضر ہوں اس وقت یہ امید بھی کرے کہ یہ جواب مقبول ہو اور خوف بھی ہو کہ کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے لا لبیک ولا سعدیک

اس لئے تردد ہوا کہ خوف ورجا کے درمیان متردد رہے اور اپنی تاب وطاقت سے علیحدہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر تکیہ رکھے اس لئے کہ لبیک کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ خطرہ کی جگہ ہے اور وہ پکار ہے جس کا یہ جواب دیتا ہے وہ ہے جو اللہ نے فرمایا ہو اذن فی الناس بالحج۔ ترجمہ: یعنی پکار و لوگوں کو حج کے واسطے۔

عرفات میں ٹھہرنے کا راز

۱)......عرفات کے وقوف میں یہ راز ہے کہ ایک زمان اور ایک مکان میں مسلمانوں کا جمع ہونا اور ان کا خدا تعالیٰ کی طرف راغب ہونا اور ان کا خشوع وخضوع کے ساتھ اس سے دعا کرنا یہ برکات الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت اور خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز اجتماع میں مسلمانوں کی شان وشوکت معلوم ہوتی ہے اور اس یوم کی اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور منقول چلی آئی ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے مابعد انبیاء سے اس کی نسبت روایات منقول ہیں۔

۲)......عرفات پر ٹھہرنے میں جب لوگوں کا اژدہام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا مختلف ہونا اور شعائر پر آمد ورفت کرنے میں ہر ایک فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بقدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کرے کہ اسی طرح میدان قیامت میں بھی تمام امتیں اپنے انبیاء کے ساتھ اکٹھی ہوں گی اور ہر امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی اور اُن کی شفاعت کی طمع کرے گی اور اس میدان میں اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے باب حیران رہے گی اور جب آدمی اس کا خیال کرے تو چاہیے کہ اپنے دل کے لئے انکسار اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کو لازم کر دے تا کہ اہل فلاح اور مرحوم فرقہ کے ساتھ اس کا حشر ہو اور اس جگہ پر امید کے قبول ہونے کی قوی توقع رکھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور اس میں رحمت الٰہی خلائق پر نازل ہوتی ہے۔

اور یہ میدان ابدال واوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا اور صالحین کے گروہ

بھی اس میدان میں ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر خدا کے آگے انکسار وزاری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں اور ان کی گردنیں اس کی طرف جھک جاتی ہیں اور مجتمع ہمت کے ساتھ طلب رحمت کے لئے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان نہ کرو کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں اور ان کی کوشش بیکار جائے بلکہ ان پر وہ رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے اسی واسطے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت نہیں کی۔ اور حج کا راز اور غایت مقصود بھی یہی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ابدال واوتاد شہروں کے اطراف سے اکٹھے ہوتے ہیں ان کے قرب سے جمع ہمت میں سہارا لگتا ہے۔ غرضیکہ رحمت الٰہی کے جذب کا طریق اس کے برابر اور کوئی نہیں ہے کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر سب قلوب ایک دوسرے کی مدد کریں۔

۳)......عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے جہاں نہ کوئی پتھر ہے نہ کوئی درخت صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے اور اس سے دعا۔

منیٰ میں اترنے کا راز

(۱) منیٰ کے اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ منیٰ ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے عکاظ مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ کی طرح ایک عظیم الشان بازار تھا۔ اور یہ بازار انہوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا کہ حج میں کثرت سے دور دراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی اور اس تجارت کے حق میں اُس سے زیادہ کوئی مناسب اور بہتر صورت نہیں تھی کہ ایسے اجتماع پر اس کا وقت مقرر کیا جائے اور دوسری بات یہ تھی کہ مکہ کے اندر اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش بھی نہیں تھی لہٰذا اگر ہر قسم کے لوگ منیٰ جیسے پُر فضا وکشادہ ہوا میں اُترنے میں متفق نہ ہوتے تو بڑی دقت ہوتی نیز وہاں جمع ہو کر انساب وغیرہ پر تفاخر بھی کرتے ہیں۔

غرض یہ مصالح ان لوگوں کے اسلام کو بھی ایسے اجتماع عظیم کی حاجت بمصلحت

اظہار شوکت مسلمین وشہرت وعظمت اسلام کے تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع کو تو باقی رکھا اور بجائے ان کے اغراض واہیۃ کے مصالح شرعیہ کو قائم کر کے اس کی اصلاح فرمادی اور ایک یہ بھی راز ہے کہ ایک ہی مقام وسیع میں لوگ اکٹھے ہو کر تبادلہ خیالات کر سکیں اور آپس میں تعارف پیدا کریں۔

مشعر الحرام میں ٹھہرنے کی وجہ

مشعر الحرام میں ٹھہرنے کا اس لئے حکم دیا گیا کہ یہاں اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لئے قیام کرتے تھے اس کے بدلے میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ ان کی اس عادت کا انسداد ہو اور ایسی جگہ توحید بیان کرنا گویا ان کو اس پر برانگیختہ کرنا ہے کہ دیکھیں تم خدا تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت کی طرح اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے ہو۔

رمی جمار کا راز

(۱)......رمی جمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی جمار خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم تو یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ کے دین کی تابعداری کا اعلان منظور ہو اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے۔نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں۔رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنا اسی قبیل سے ہے اسی لئے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔مجمع کا حکم دیا گیا۔باقی کنکریوں کا ہونا سو یہ امر تعیین ذکر کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ ہر کنکری پھینکنے کے ساتھ اللہ اکبر کہنا مشروط ہے۔

ابوداؤد وترمذی بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما جعل الطواف بالبیت والسعی بین الصفا والمروۃ
ورمی الجمار لاقامۃ ذکر اللہ لالغیرہ.

ترجمہ: یعنی طواف کعبہ اور سعی درمیان صفا اور مروہ کے اور پتھر کا پھینکنا فقط ذکر اللہ قائم رکھنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔

اور دوسری قسم ذکر کی وہ ہے جس سے خود انصباغ نفس کا مقصود ہو وہاں خود کثرت ذکر کی مشروع ہے جیسے بہت سے اذکار ہیں۔

(۲)......رمی جمار یعنی کنکریاں پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بندگی ظاہر کرنے کے لئے امر کی اطاعت کرتا ہوں اور صرف تعمیل ارشاد کے لئے اٹھتا ہوں بدون اس کے کہ اس فعل میں کچھ عقل و نفس کا حظ ہو۔

(۳)......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپ کو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا تا کہ آپ کے حج میں کچھ شبہ ڈال دے یا کسی معصیت میں مبتلا کرے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ اس کے دفع کرنے کو اور اس کی اُمید منقطع کرنے کے لئے اس کو کنکریاں مارو اس پر اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اس کو دیکھا تھا اس لئے اس کو مارا تھا ہم کو تو شیطان دکھائی نہیں دیتا تھا پھر کنکریاں مارنے سے کیا غرض ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اس نے یہ شبہ تمہارے دل میں ڈالا ہے تا کہ تمہارا ارادہ رمی جمار کا سُست پڑ جائے اور تمہارے خیال میں آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جس میں کچھ فائدہ نہیں ہے ایک کھیل کی سی صورت ہے اس میں کیوں مشغول ہوتے ہو۔ پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریاں مار کر اپنے دل سے اس کو رفع کرو اور جان لو کہ ہر چند کنکریاں پتھر پر مارتے ہیں لیکن واقع میں شیطان کے منہ پر مارتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر کیونکہ اس کی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے حکم کی بجا آوری کریں جس کی تعمیل میں نفس اور عقل کو کچھ حظ نہیں صرف اس کی تعظیم ملحوظ ہے۔

بطن محشر میں تیز چلنے کا راز

بطن محشر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے کہ وہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا سبب ہے لہٰذا جس شخص کو خدا تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف معلوم ہوتا ہے وہ غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو بھی خوف یاد دلاتا ہے اور اس کو آگاہ کرتا ہے منضبط فرمایا۔

حرم کے جانوروں کا شکار نہ کرنے کی مصلحت

(۱) حرم کے جانوروں کا نہ کھانا ایسا ہے جیسا کوئی شخص اپنے محبوب کے کوچہ کے جانوروں کو باوجودیکہ گوشت کھایا کرتا ہو کچھ نہ کہے۔

(۲)......مکہ کے لئے حرم مقرر کرنے میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لئے خاص طرز کی تعظیم ہوتی ہے چنانچہ کسی دین کی یہ تعظیم ہے کہ اس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے اور دراصل یہ تعظیم بادشاہوں کی حد اور ان کے شہر پناہوں سے ماخوذ ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور ان کی اطاعت اور تعظیم کرتی ہے تو ان کے مطیع ہونے میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان کی حدود کے اندر جو درخت و چار پائے وغیرہ ہیں ان سے ہم کچھ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں آیا ہے۔

ان لکل ملک حمی وحمی اللہ محارمہ

ترجمہ: یعنی ہر بادشاہ کے لئے باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی باڑ اس کے محارم ہیں۔

حاجی کی سواری کی عبرتیں

سواری جس وقت سامنے آئے اس وقت اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو کہ اس نے ہماری سواری کے لئے چوپایوں کو اور عناصر یعنی آب و ہوا اور آتش

وغیرہ جن سے ریل اور آگبوٹ چلتے ہیں مسخر کیا کہ ہم کو تکلیف نہ ہو اور ہماری مشقت ہلکی ہو جائے اور یہ یاد کرو کہ دار آخرت کی سواری بھی ایک دن اسی طرح سامنے آجائے گی یعنی جنازہ کی تیاری ہوگی اس پر سوار ہو کر دار آخرت کو کوچ کرنا پڑے گا۔

الغرض حج کا سفر آخرت کے سفر کی طرح ہے لہٰذا اس پر ضرور نظر کر لینا چاہئے کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہو کہ سفر آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفر آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم کہ موت قریب ہو اور اونٹ کی سواری سے پیشتر ہی تابوت آخرت پر سوار ہو جائے اور تابوت کی سواری یقیناً ہوگی اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشکوک امر ہے تو مشکوک سفر میں احتیاط کرنا اور توشہ اور سواری سے مدد لینا اور یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے۔

معارف چادر ہائے احرام

احرام کی دو چادروں کے خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اس میں اپنے لپٹنے کو یاد کرو کیونکہ احرام کی چادر اور تہبند کو اس وقت باندھو گے جبکہ خانہ کعبہ کے نزدیک پہنچو گے اور کیا عجب کہ یہ سفر پورا نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے کفن لپٹے ہوئے ملاقات ہونا یقینی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ جل شانہ کی زیارت بھی مرنے کے بعد بجز اس صورت کے نہ ہوگی کہ دنیا کے لباس کے مخالف لباس ہو کیونکہ احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ ہے۔

اسرار میقات و تکالیف حج

جنگل میں داخل ہو کر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں وہ ہول و احوال یاد کرو جو موت کے باعث دنیا سے نکل کر میقات تک ہوں گے اس کے ہر ایک حال کو اس کی ہر کیفیت سے مناسبت ہے۔ مثلاً رہزنوں کی دہشت سے منکر و نکیر کے سوال کی دہشت یاد کرنا چاہئے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ بچھو اور کیڑوں کا دھیان کرو اور اپنے گھر بار اور اقارب کے علیحدہ ہونے سے قبر کی وحشت اور سختی اور تنہائی کو سوچو۔

محرم پر جنایات کے بدلے میں کفارہ لازم ہونے کی وجہ

حج کے تمام افعال عاشقانہ رنگ کے آداب ہیں جو عاشقان الٰہی کے لئے اپنے معشوق حقیقی کے گھر کے پاس بجالانے کے لئے موضوع ہیں پس جو شخص ان آداب پسندیدہ معشوق کے برخلاف کوئی حرکت کرے اس پر عاشقانہ ادب کو چھوڑنے اور اپنے معشوق حقیقی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے کفارہ دینا لازم ہوا لہٰذا محرم اگر اپنے کسی اندام کو خوشبو لگادے تو اس کو صدقہ دینا چاہئے اور اگر ایک دن کامل سیا ہوا کپڑا پہنے یا اپنے سر کو ڈھانپے تو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور اگر اس سے کم مدت میں یہ فعل کیا ہو تو صدقہ دینا چاہئے اور اگر اپنے سر کا چوتھائی یا زیادہ منڈوا دے تو اس پر قربانی لازم آتی ہے اور اس سے کم کے لیے صدقہ دینا چاہیے، ایسا ہی ناخن کٹوانے کے باب میں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ان حرکات کو عاشقانہ نیاز و خستگی و شکستگی کے بر۔ خلاف شمار کیا جاتا ہے کیونکہ خوشبو ملنا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا اور سر منڈوانا اور ناخن کٹوانا زیب و زینت کے اسباب اور حظوظ نفسانی و خود آرائی کی صورتیں ہیں اور یہ تمام حرکات عاشقانہ نیاز کے برخلاف اور معشوق حقیقی کی نظر میں بحالت احرام ناپسندیدہ ہیں۔ لہٰذا ان مخالفانہ حرکات کے تدارک کے لئے کفارات مقرر ہوئے۔

ترک خوبی می کناند خوب تر عشق را درماں بود عشق دگر
ہر کہ ترک خود کند باید خدا چیست وصل از نفس خود گشتن زرا
لیک ترک نفس کے آسان بود مردن از خود شدن یکسان بود
است آں عالی خبر بے بس بلند بہر وصلش شود ہا باید فگند

زیب و زینت و آرائش اور ننگ و ناموس کے سامان و اسباب حالت عشق و ز یفتگی و سکر کے نقیض و ضد اور ایک قسم کی تصنع و تکلف پر دال ہیں ان سب کو بحالت احرام حج یعنی کوچہ محبوب میں گشت کرنے کے وقت ترک کرنا مناسب ہوا اور محبت

صادق و عاشق خالص کو وہ آداب و طریقے اختیار کرنے ضروری ٹھہرے جو کہ کوچہ محبوب میں پہنچنے کے وقت معشوق حقیقی کی نظر التفات و توجہ رحمت کے جاذب ہوں۔
چنانچہ ایک عاشق صادق کا ترانہ اسی حالت ورنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

ننگ و نام عزت و نیاز واماں ریختم یار آمزد مگر باما بخاک آمیختم
دل بدادیم از کف وحال رہش انداختیم وز پئے وصل نگار حیلہا انگیختم

بحالت احرام اپنی عورت سے جماع کرنے سے حج فاسد ہونے کی وجہ

دنیا کے تمام لذائذ و مرغوبات میں جماع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے مگر حج میں ساری لذات کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ حج کی تمام صورتیں اس کے برخلاف ہوتی ہیں حج میں عاشقانہ طرز و وضع اختیار کی جاتی ہے جس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق کے حقیقی و محبوب ابدی کے سوائے تمام لذات و مرغوبات کو میں نے ترک کر دیا۔

پس جو شخص باوجود اس دعوے کے جماع جیسے لذیذ ترین فعل کا ارتکاب بحالت احرام حج کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ٹھہرتا ہے لہٰذا اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ عاشقان صادق کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا بلکہ خائن۔

ہر کہ بیبا کی کند در راہِ دوست راہزن مدان شدو نامرد اوست

دراصل بات یہ ہے کہ بعض عبادات میں حلال اشیاء بھی حرام ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ان عبادات کیلئے مخل و مفسد ہوتی ہیں جیسے کلام کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر نماز میں حرام ہے ایسا ہی اپنی عورت سے مباشرت کرنا یا کھانا پینا منع نہیں ہے مگر حالت روزہ یہ افعال حرام ہیں۔ کیونکہ یہ افعال ان عبادات کیلئے ناقض ہیں پس ایسا ہی حج کیلئے بعض محظورات ہیں جن سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور حج ان سے اس لئے فاسد ہوتا ہے کہ ان امور کی اوضاع افعال حج کی ضد ہیں۔ اگر حج میں ایسے امور جائز ہوتے تو افعال حج ایک کھیل سا ہوتا۔

چیل' کوے' سانپ' چوہے' بھیڑیئے' پٹونسگ دیوانہ کوحرم میں مارڈالنا جائز ہونے کی وجہ

یہ جانور موذی وضرر رساں اور عاشقان الٰہی کو گزند پہنچانے والے اور کوچہ محبوب سے مانع ہوتے ہیں لہٰذا محبوب حقیقی خداوند تعالیٰ کی نظر میں اسی وجہ سے مبغوض وممقوت ٹھہرے کہ اس کے عاشقوں کو اس کے کوچہ سے مانع ہوتے ہیں اور یہ امر اسکو ناپسند ہے پس جو امر محبوب حقیقی کی نظر میں مبغوض ہو بالضرور اس کے عاشقوں اور محبوں کی نظر میں بھی وہ مبغوض ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان جانوروں کو حرم میں مارڈالے تو اس پر کوئی تاوان انکے بدلے میں دینا لازم نہیں ہوتا بلکہ کارثواب وموافق رضا محبوب ہے۔

بحالت احرام حج سب وشتم وجنگ وجدال منع ہونے کی وجہ

حجاج بمنزلہ عاشقان وکوچہ گردان محبوب ہوتے ہیں۔ پس جو شخص عاشقانِ الٰہی کو سب وشتم کرے اور ان سے لڑے بھڑے وہ خدا کا مبغوض وممقوت ٹھہرتا ہے اور ایسا ہی جو حاجی دوسرے حاجیوں سے لڑے اور ان کو سب وشتم کرے وہ زمرہ عاشقان الٰہی سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ لڑنا بھڑنا اکثر ننگ وناموس وعزت وجستجوئے آرام وتن پروری کیلئے ہوتا ہے۔ سو ایسا شخص دو وجہ سے زمرہ عشاق سے خارج ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ عاشقان الٰہی کو ایذا دہ ہوا۔

دوسرا یہ کہ وہ اپنی عزت وننگ وناموس وآرام کا طالب اور محبوب حقیقی سے غافل ہوا یہی وجہ ہے کہ بعض حاجی وہاں جا کر بعض ایسے امور کے مرتکب ہونے سے سخت دل ہو کر واپس آتے ہیں کیونکہ وہ کوچہ محبوب حقیقی میں جا کر شرائط عاشقانہ کو توڑ کر اس کی نظر سے گر جاتے ہیں اس لئے اس نے ایسے محظورات کو جو اس محبوب ازلی کی نظر میں مبغوض ممقوت تھے پہلے ہی بتادیئے کہ مبادا کوئی شخص بحالت عدم علم ان امور کا مرتکب ہو کر مبغوض ومردود ٹھہر جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج.

ترجمہ:۔یعنی حج کے مہینے معلوم ومشہور ہیں پس جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کرنا ٹھہرا لے اسکو چاہیے کہ حج میں جماع ومحرکات جماع کا مرتکب نہ ہو اور کسی کو گالی نہ دے اور جھگڑا نہ کرے۔

برکات حج

حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو اسکے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ اسمیں انسان کو عملی صورت میں اختیار سادگی وترک تعلقات اور کبر کو چھوڑنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حج کے سارے ارکان کبر اور بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ احباب واقارب چھوٹ جاتے ہیں۔ نفس پروری اور سستی وکسل کا استیصال ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی یہ بات ہے کہ ہزار ہا سال سے انسان کیلئے خدا تعالیٰ کا ایک پاک معاہدہ چلا آتا ہے جس کا ایفاء بذریعہ ادائے حج ہو جاتا ہے پس اس طرح سے اس میں ایفاء عہد کی بھی تعلیم ہے۔

کتاب النکاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقاصد نکاح

خدا تعالیٰ قرآن کریم کے پارہ ۲۱ میں فرماتے ہیں:

خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً.

ترجمہ:۔یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان سے آرام پکڑو اور تم میں دوستی ونرمی رکھدی اور فرمایا: نساء کم حرث لکم یعنی تمہاری عورتیں (تمہاری اولاد پیدا ہونے کیلئے) بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں اور فرمایا حافظات للغیب لیکن تمہاری بیویاں تمہاری عدم موجودگی میں تمہارے مال وعزت ودین کی حفاظت کرنیوالی ہیں۔

(۱)...... بی بی آرام اور سکون کیلئے بنائی گئی ہے اور غمگسار اور ہزاروں افکار میں آرام کا موجب ہے انسان میں طبعی طور پر دوستی اور محبت کرنا فطری امر ہے اور دوستی اور محبت کیلئے بی بی عجیب وغریب چیز ہے۔عورت نازک بدن اور ضعیف الخلقت ہے اور بچوں کو جننے اور گھر کا انتظام رکھنے میں ذمہ دار اور ایک عظیم الشان بازو ہے پس اسکے متعلق رحم سے کام لو خدا تعالیٰ نے اسکو رحم کیلئے بنایا ہے اسکی غفلتوں اور فطرتی کمزوریوں پر چشم پوشی کرو۔

(۲)......آدمیوں میں قدرتی طور پر شہوت کا مادہ ہے قدرت نے اس کا محل بی بی کو بنایا ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عورت کھیتی ہے اور بیج بونے کے قابل ہے جس

طرح کھیت کا علاج معالجہ ضرور ہوا کرتا ہے اور اس میں خاص غرض ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح عورت میں بھی خاص خاص اغراض ہیں جس سے متمتع ہونا چاہیے۔

(۳)......عورت ننگ وناموس اور مال واولاد کی محافظ اور مہتمم ہے۔

(۴)......نیز قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی عفت پرہیز گاری اور حفظ صحت وحفظ نسل کیلئے ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

و لیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ.

ترجمہ:۔یعنی جو لوگ نکاح کی طاقت نہ رکھیں (جو کہ پرہیز گار رہنے کا اصل ذریعہ ہے تو ان کو چاہیے کہ اور تدبیروں سے طلب عفت کریں۔

چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے پرہیز گار رہنے کی یہ تدبیر ہے کہ وہ روزہ رکھا کرے اور فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی قوت رکھتا ہو تو چاہیے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو خوب نیچا کر دیتا ہے اور شرم کے اعضا کو زنا وغیرہ سے بچاتا ہے۔ ورنہ روزہ رکھو کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔

شرح اسکی یہ ہے کہ جو خواہش مرد کے دل میں عورت کی طرف یا عورت کے دل میں مرد کی طرف ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کو نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اس کا ناجائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے دل میں بدخیالات پیدا کر دیتا ہے۔ پس نکاح انسان کو پاکیزگی کی طرف جانے اور اسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دل میں ایک دوسرے کیلئے موجود ہے اسکو گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان میں پیدا کرنے والا خود خدا تعالیٰ ہے اور

اسی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے بعض اغراض کیلئے اس خواہش کو انسان کے نفس میں مرکوز فرمایا ہے ہاں اس کا برا استعمال یعنی ناجائز طریقوں سے اس کا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کیطرف لیجانے والا ہے۔

الغرض نکاح کا بڑا مقصد وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ پرہیزگاری ہی کی غرض سے نکاح کرو اور اولاد صالح طلب کرنے کے لئے دعا کرو جیسا کہ ارشاد ہے **محصنین غیر مسافحین**. یعنی چاہیے کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تم تقویٰ اور پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ حیوانات کی طرح محض نطفہ نکالنا ہی تمہارا مطلب ہو اور فرمایا۔ **ابتغوا ما کتب اللہ لکم** یعنی بی بی کی قربت سے اولاد کا قصد کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر فرمایا ہے۔ نیز نکاح کرنے سے انسان پابند ہو جاتا ہے۔ مستعدی کے ساتھ کمانے کی فکر کرتا ہے اور بے جا کام کرنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ محبت' حیا' فرمانبرداری اس میں پائی جاتی ہے وہ نہایت کفایت کے زندگی بسر کرتا ہے اور بے شمار امراض سے بچا رہتا ہے۔

یہ امر مفید صحت اطمینان بخش راحت رساں' سرور افزاء' کفایت آمیز' ترقی زندگی دارین کا سبب' اخلاقی مذہبی نگاہ سے اس امر پر غور کرو گے تو اسکو سراسر فائدوں سے معمور پاؤ گے۔ تمدن کیلئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں حب الوطنی کی بھی جڑ ہے اور ملک و قوم کیلئے اعلیٰ ترین خدمات میں سے ہے۔ بیماریوں سے بچانے اور صدہا امراض سے محفوظ رکھنے کیلئے یہ ایک حکمی نسخہ ہے۔ اگر یہ قانون الٰہی بنی آدم میں نافذ نہ ہوتا تو آج دنیا سنسان ہوتی۔ نہ کوئی مکان نہ کوئی باغ نہ کسی قوم کا نشان باقی رہتا۔

وجوہ تعدد ازدواج

(۱)...... منجملہ وجوہ تعدد ازدواج سب سے مقدم حفظ تقویٰ یعنی پرہیزگار رہنا اور بدی سے بچنا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا خیال ہر انسان کو اور سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہیے۔ قدرت نے بعض آدمیوں کو معمولی آدمیوں کی نسبت

زیادہ قوی الشہوت بنایا ہے اور ایسے آدمیوں کیلئے ایک عورت کافی نہیں ہوسکتی اور اگر انکو دوسرا یا تیسرا یا چوتھا نکاح کرنے سے روکا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقویٰ کو چھوڑ کر بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

زنا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطرناک زہر پیدا کر دیتی ہے اس لئے ان لوگوں کیلئے جو قوی الشہوت ہیں ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری میں پڑنے سے بچے رہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ قوی الشہوت آدمیوں کو ایک سے زیادہ عورت کی حاجت پڑے گی۔ یہ اظہر من الشمس ہے۔

(۲)......عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاوند اس سے ہمبستر ہوسکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر ایک عورت پر ہر ایک مہینے میں کچھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام حیض جن میں مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے دوسرے ایام حمل عورت کیلئے ایسے ہوتے ہیں خصوصاً اسکے پچھلے مہینے جن میں عورت کو اپنے اور اپنے جنین کی صحت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے اور یہ صورت کئی ماہ تک رہتی ہے پھر جب وضع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے اب ان تمام اوقات میں عورت کیلئے تو یہ قدرتی موانع واقع ہو جاتے ہیں مگر خاوند کیلئے کوئی امر مانع نہیں ہوتا تو اب اگر کسی مرد کو غلبہ شہوت کا ان اوقات میں ہو تو بجز تعداد ازدواج اس کا کیا علاج ہے ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ کثرت سے ایسے مرد ہیں جو ان وقتوں میں دوسری عورت کرنے کے بغیر بھی تقویٰ کو قائم رکھ سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں اور کوئی عقل منداس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں قوی الشہوات آدمی بھی موجود ہیں اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت میں انکے لئے باعث الزام نہیں ہے پس اگر ان ایام یا اس قسم کے اور وقفات میں دوسری عورت سے نکاح کی اجازت نہ دی جائے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کرنے

کیلئے وہ ضرور ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

(۳)...... گرم ملکوں میں عورتیں آٹھ، نو یا دس سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو جاتی ہیں اس لئے ان ممالک میں شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں وہ بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے عقل اور خوبصورتی دونوں ایک وقت ان کے اندر جمع نہیں ہوتیں جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت حکومت کرے اسوقت عقل اور تجربہ کا نہ ہونا اس دعوے کا مانع ہوتا ہے اور جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے تو خوبصورت نہیں رہتی۔ اسی لئے عورتوں کو لازمی طور پر ایک محکومی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے کیونکہ عقل اور تجربہ سے بڑھاپے کے وقت وہ حکومت پیدا نہیں کرسکتی جو جوانی اور خوبصورتی میں کرسکتی تھی پس ہر حال میں عورت بزبان حال اپنے ناکافی ہونے کا اقرار کرتی ہے کیونکہ مرد کو ان دو وصفوں کے جمع کرنے کی ضرورت قدرتی طور پر ہے اور کوئی ایک عورت ان دو وصفوں کی جامع نہیں۔ اس لئے مرد اس ضرورت کو دو عورتوں کے جمع کرنے سے پوری کرتا ہے جن میں سے ایک میں حسن ہو اور ایک میں تجربہ تا کہ دونوں کے مجموعہ سے اس طرح منتفع ہو کہ ایک اس کے نفس کو خوش کرے۔

دوسری اس کی خدمت کرے اس لئے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ان ممالک میں تعدد ازدواج کا رواج ہو۔

(۴)...... ہر ملک میں مردوں کی نسبت عورتوں کے قویٰ بڑھاپے سے جلدی متاثر ہوتے ہیں۔ پس جہاں مرد کے قویٰ بالکل محفوظ ہوں جیسا کہ وہ اکثر حالات میں ہوتے ہیں اور عورت بوڑھی ہو چکی ہو دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات میں مرد کیلئے ایسا ہی ضروری ہوگا جیسا کہ پہلے کسی وقت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا۔ پس جو قانون تعدد ازدواج سے روکتا ہے وہ مردوں کو جن کے قویٰ خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہیں یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان قویٰ کے تقاضا کو زنا کے ذریعہ

سے پورا کریں۔ ایسا قانون عام انسانوں کی حالتوں۔ کے مطابق کیونکر ہوسکتا ہے۔

(۵)...... مذکورہ بالا ضروریات تو مردوں کی ہیں مگر خود عورتوں کو بعض وقت اسکی مجبوریاں آپڑتی ہیں کہ اگر انکے لئے یہ راہ کھلی نہ رکھی جائے کہ وہ ایسے مردوں سے نکاح کرلیں جن کے گھروں میں پہلی عورتیں موجود ہیں تو اس کا نتیجہ بدکاری ہوگا۔ ایک ہی امر پر غور کرو کہ کس طرح ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لاکھوں مردوں کی جانیں لڑائیوں میں تلف ہوجاتی ہیں حالانکہ عورتیں بالکل محفوظ رہتی ہیں اور ایسے واقعات یعنی جنگوں میں مردوں کی جانوں کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور جب تک دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور ہمیشہ اس سے مردوں کی تعداد میں کمی ہوکر عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی تو ایک اسی امر سے اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ عورتوں کی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم میں ہمیشہ نہیں رہتی تاہم اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ ایک مدت تک مردوں کی اس کمی کا اثر ضرور رہے گا۔ اب یہ عورتیں جو مردوں کی تعداد سے زیادہ ہوں گی ان کے لئے کیا سوچا گیا ہے تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت میں انکا کیا حال ہوگا۔ کیا انکو یہی جواب نہیں ملے گا کہ جس کے دل میں مرد کی طرف وہ خواہش پیدا ہو جو قدرت نے فطرت انسانی میں رکھی ہے وہ ناجائز طریقوں سے اسے پورا کرے سوچ کر دیکھ لو کہ تعدد ازدواج کی راہ کو بند کر کے ان لاکھوں عورتوں کو جو اس طرح لڑائیوں کے سبب سے بیوہ ہوگئیں یا جن کے لئے نکاح کے ذرائع نہیں رہے کیا یہی جواب نہ دینا پڑے گا۔ مانعین تعدد ازدواج پر افسوس ہے کہ ایک غلط اصول کی حمایت میں انسانی ضروریات پر ایک لمحہ کیلئے بھی غور نہیں کرتے وہ نہیں سوچتے کہ تعدد ازدواج کے سوائے اور کوئی ایسی راہ نہیں جو ان ضروریات کو پورا کرسکے۔

(۶) گذشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال احاطہ کے مردوں و عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو

کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بین دلیل ہے جس کو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ مردوں و عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کرے تو عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہو گی۔

اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ میں جس کو سب ممالک سے بڑھ کر تعدد ازدواج کی ضرورت سے منزہ و مبرہ سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اُنہتر ہزار تین سو پچاس عورتیں ایسی تھیں جن کیلئے ایک بیوی والے قاعدہ کی رُو سے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا۔

فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تئیس ہزار سات سو نو زیادہ تھی۔ جرمنی میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کیلئے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں۔ گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھی جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سویڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں اور آسٹریلیا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتا دیا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کیلئے کون سا قانون تجویز کیا گیا ہے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدے کی رُو سے انکو یورپ میں تو خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسان کی ضروریات کیلئے تجویز کئے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کیلئے کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن

امر ہے جیسا کہ خود تجربہ ثابت کر رہا ہے۔

پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق استعمال کریں گی۔ اس طرح ان میں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ زنا پھیلے گا خیال ہی خیال نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزار ہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔

(۷)...... نکاح کے اغراض میں ایک یہ بھی ہے کہ مرد عورت ایک دوسرے کیلئے بطور رفیق کے ہوں پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جائے کہ جس کے سبب سے عورت مرد کیلئے بطور رفیق کے نہ رہے یا اس سے اس کو وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جو اپنے رفیق سے ہونا چاہئے تو ان صورتوں میں بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جو اسکو ہمیشہ کیلئے بڑے بڑے دکھوں کیلئے ناقابل کر دے لیکن اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اس سے تعلقات زن وشوئی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعے سے پورا نہ کرے جیسا کہ انسانی زندگی کے حالات کا دائرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو دوسرا نکاح کرنے کیلئے مجبور کر دیتی ہے ہم مانتے ہیں کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہیں ہوتیں مگر جب واقعی وہ ضرورتیں پیدا ہو جائیں اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسان کے طبقہ میں وہ کم وبیش پیدا ہوتی رہیں تو سوائے تعدد ازدواج کے اور کوئی ذریعہ انکے پورا ہونے کا نہیں۔ پس اس علاج کو روکنا بیماریوں کو بڑھانا ہے اسی طرح تعدد ازدواج اکثر حالات میں طلاقوں کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(۸)...... قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں جو مرد کیلئے باعث کشش ہیں اور مرد وعورت کے تعلق میں ان لڑکیوں اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے

سامان کشش عورت میں موجود ہوں اور اگر عورت میں ایسے سامان موجود نہ ہوں۔ یا کسی طریقے سے جاتے رہیں تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہیں ہوسکتا۔ پس ایسی صورت میں اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جائے تو یا وہ کوشش کرے گا کہ کسی طرح اس عورت سے نجات حاصل کرلے اور یا اگر ممکن نہ ہو تو بدکاری میں مبتلا ہوگا اور ناجائز تعلق پیدا کرے گا کیونکہ جب عورت کی رفاقت سے اُسے وہ خوشی حاصل نہ ہوسکے جس کا حصول فطرت انسانی چاہتی ہے تو ناچار اس خوشی کے حصول کے لئے وہ اور ذریعے تلاش کرے گا۔ ان صورتوں کے لئے تعدد ازدواج ہی ایک علاج ہے اور اسی ذریعہ سے ایک گھرانا خوشحال ہوسکتا ہے۔

(۹)......تعدد ازدواج کے روکنے سے بعض اوقات نکاح کی تیسری غرض یعنی بقاء نسل انسانی حاصل نہیں ہوسکتی۔ مثلاً اگر عورت بانجھ ہو اور اس کا عقم ناقابل علاج ہو تو تعدد ازدواج کی ممانعت کی صورت میں قطع نسل لازم آئے گا۔

یہ بیماری عورتوں میں بہت پائی جاتی ہے اور سوائے تعدد ازدواج اور کوئی راہ نہیں جس سے یہ کمی پوری ہوسکے۔ ایسی صورت میں عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں اور ممکن ہے کہ عورت و مرد میں ایسی محبت بھی ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوسکتے ہوں اس بقاء نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دی جائے۔

اصل سبب تعدد ازدواج کا بدکاریوں سے بچنا ہے جو لوگ بحثوں میں تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشات اور افعال کا مطالعہ فرمادیں جس قوم نے زبان سے پاک تعدد ازدواج کا انکار کیا ہے وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زناکاری میں گرفتار ہوئے ہیں ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے ایک عورت پر قناعت نہ کرکے ثابت کردیا ہے کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو ضرور ہے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کا یہ مقتضا ہونا چاہئے کہ وہ انسان کی وسیع خواہشوں

اور اندرونی میلانوں پر مطلع اور حاوی ہو کر ایسی ترتیب اور طرز پر واقع ہو کہ مختلف جذبات والی طبائع کو بھی تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھے۔

مرد کیلئے تعدد ازواج چار تک محدود ہونے کی وجہ

مرد کیلئے چار عورتیں منکوحہ محدود ہونے کی وجہ خدا تعالیٰ کی کمال حکمت واتمام نعمت ومصلحت پر مبنی ہے ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ مرد کو قوتیں اور طاقتیں بہ نسبت عورت کے زیادہ عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے کئی عورتوں سے ایک زمانہ میں نکاح کر سکتا ہے تعدد ازدواج کی مصلحت نکاح کی علت غائی سے معلوم ہو سکتی ہے سو نکاح کی علت غائی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ سب سے اول دائمی تقویٰ وعفت وتوالد ہے اور چونکہ تمام بنی آدم کی قوت یکساں نہیں ہوتی اس لئے خدا نے ان کی طاقتوں وقوتوں کے مناسب انکے لئے اسباب فراہم کئے ہیں سو جن اشخاص کو ہیجان وتوقان (غلبہ شہوت) زیادہ ہو اُنکی حفاظت عفت کیلئے ہر سال میں چار عورتیں نوبت بنوبت انکے پاس ہونا چاہئیں اور ایسے آدمیوں کیلئے یہ عدد عین قانون قدرت کے مطابق ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایسا آدمی جب کسی ایک عورت کو نکاح میں لائے گا تو کم از کم یہ عورت اس کیلئے تین ماہ تک کافی ہے کیونکہ حمل کی شناخت کم از کم تین ماہ تک مقرر ہے پس اگر اس میعاد میں اس عورت کو حمل ٹھہر جائے تو اس ہیجان وجوش شہوت والا آدمی اگر اس عورت سے صحبت کرے گا تو جنین پر بُرا اثر پڑے گا اور حمل گر جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا اس عورت کو آرام دے اور اس عورت سے صحبت ترک کر کے دوسری عورت نکاح میں لائے گا اگر دوسری عورت کو بھی تین ماہ تک قرار حمل ہو جائے تو اس سے بھی صحبت ترک کرنی پڑے گی کیونکہ اس سے اسقاط حمل کا اندیشہ ہے اور والدین کے شہوانی جوش جنین پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ چھ ماہ ہوئے۔

اب تیسری عورت سے نکاح کرے گا۔ اگر تیسری عورت کو بھی حمل ہو گیا تو اب اس سے بھی اس کو صحبت ترک کرنی پڑے گی۔ یہ نو ماہ ہو گئے۔ اب پہلی عورت کا وضع

حمل ہو جائے گا مگر وہ غالباً تین ماہ تک قابل صحبت نہیں ہوسکتی لہٰذا اسکو چوتھی عورت نکاح میں لانی پڑے گی۔ اب چوتھی عورت کے حمل کی شناخت بھی تین ماہ تک مقرر ہے۔ یہ ایک سال ہوا اور اس اثناء میں پہلی عورت جسکو وضع حمل سے تین ماہ گذر چکے ہیں تعلقات زن وشوئی کے لئے تیار ہو جائے گی۔ اس طرح وضع حمل کے بعد ہر ایک نوبت بنوبت اسکے لئے مہیا ہوگی۔

پس یہ تعداد ہر ایک قوی الشہوت انسان کیلئے کافی اور عین قانون قدرت وفطرت کے مطابق ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

خدا تعالیٰ نے جو قرآن کریم میں دو دو تین تین چار چار تک فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ بعض آدمیوں کیلئے ہر سال میں دو عورتیں ہی کافی ہوسکتی ہیں کیونکہ بعض عورت کے اولاد نہیں ہوتی یا دیر سے حمل ٹھہرتا ہے اور بعض کے لئے سال میں تین ہی کافی ہوسکتی ہیں اور بعض کو چار کی ضرورت پڑتی ہے۔

حاملہ کے ساتھ منع صحبت کی وجہ ایک تو اندیشہ اسقاط حمل ہے۔ دوسرے اس حمل سے جو اولاد ہوگی اس کے اخلاق و اطوار میں والدین کے شہوانی جوش مرکوز ہوکر بداخلاقی پیدا کریں گے کیونکہ جوش شہوت کا اثر جنین پر بالضرور پڑتا ہے اور وہ طبع میں فطری ہو جاتا ہے اور گو طبی قاعدہ کی رو سے اس بات پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنی بچہ کیلئے مضر ہے لیکن اطباء نے اس امر کی اصلاح بعض ادویہ کے ساتھ بتائی ہے۔ لہٰذا یہ امر قادح (یعنی مضر) نہ رہا۔

اب رہی یہ بات کہ چار سے زیادہ کیوں نہ جائز ہوا تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور تھا کہ ایک خاص حد بیویاں کرنے کی ہوتی ورنہ اگر حد مقرر نہ ہوتی تو لوگ حد اعتدال سے نکل کر صدہا تک بیویاں کرنے کی نوبت پہنچاتے اور ایسا کرنے سے ان بیویوں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم اور بے اعتدالیاں کرتے اور ضرورت چار سے رفع ہوگئی تھی اسلئے زائد کو ناجائز قرار دیا۔

خلاصہ وجوہ تعدد ازواج

(۱) تقویٰ (۲) حفظ القوٰی (۳) موافقت نہیں طلاق کا بھی موقع نہیں
(۴) عقم (۵) کثرت تولد بنات بعض بلاد اور خاندانوں میں (۶) پولیٹیکل مصالح اور سیاسی ضروریات عورت غالباً پچاس برس کے بعد قابل نسل نہیں رہتی بخلاف مردوں کے کہ وہ نوے برس تک ہمارے ملک میں اس قابل ہیں (۸) مشاہدہ کثرت زنا جن بلاد میں تعدد ازواج جائز نہیں ان بلاد میں بضرورت صحبت کسی اور سے مندرجہ بالا اسباب ہیں جو تعدد ازواج کی ضرورت کو بیان کرتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ نسبت اپنی اُمت کے زیادہ بیویاں کرنے کی وجہ

(۱) جیسا کہ آپ بنی آدم کے مردوں کیلئے رسول تھے ایسا ہی عورتوں کے بھی رسول تھے لہٰذا ضروری تھا کہ کچھ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی صحبت میں رہ کر آنحضرت سے تعلیم پا کر دوسری عورتوں کو تعلیم و تبلیغ اسلام کریں سو اسی غرض کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نسبت اپنی امت کے زیادہ بیویاں کی ہیں۔

(۲) آپ کی جسمانی وروحانی قوت بہ نسبت اوروں کے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ آپ صوم وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھ لیا کرتے تھے مگر امت کو اس سے منع فرمایا لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں تو فرمایا تم میں مجھ سا کون آدمی ہے۔ ابیت عند ربی هو یطعمنی ویسقینی

ترجمہ:۔ میں اپنے پروردگار کے پاس شب باش ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کے متعلق بڑی غلط فہمی عیسائیوں وغیرہ میں ہے کیونکہ آپ کے نکاحوں کی اصلی غرض یا تو محض ہمدردی وترحم تھا یا مختلف قوموں کو ایک کرنا اور ان کے علاوہ بھی متعدد ملکی مصالح اور دینی اغراض تھیں مگر

ہمارے مخالفین انکی بنا نفسانی خواہش بتاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ برس کی عمر میں نکاح کیا تو آپ عفت اور پرہیزگاری میں تمام عرب میں مشہور تھے پھر اسکے بعد ۲۵ سال تک یعنی جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا زندہ رہیں۔ آپ نے دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا۔ حالانکہ عرب میں تعدد ازواج کی رسم بلا قید کسی شرط کی مروج تھی پس ان لوگوں کا جو کہ ناحق نیک افعال میں بد اغراض تلاش کرتے ہیں۔ یہ فرض ہے کہ وہ اس کا سبب بھی تلاش کریں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۵ سال کی عمر تک جب آپ بوڑھے ہو چکے تھے ایک سے زیادہ بیوی سے نکاح نہیں کیا اگر نفسانی خواہشیں کسی وقت ایک شخص کے دل پر غلبہ پاسکتی ہیں تو وہ جوانی کا وقت ہوتا ہے جبکہ جذبات جوانی جوش میں ہوتے ہیں مگر اس جوانی کے وقت آپ نے ایک بی بی پر ایسا اکتفا کیا کہ جس وقت قریش نے جمع ہو کر آپ کو یہ کہا کہ آپ بُت پرستی کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت عورتیں آپ سے نکاح کرنے کیلئے حاضر کرتے ہیں تو آپ نے کچھ بھی پروانہ کی۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نفسانی خواہشوں کے غلبہ کا وقت جوانی کا وقت ہے اور چونکہ آپ کے اس زمانہ کی نسبت آپ کے سخت ترین دشمنوں کو بھی اقرار ہے کہ آپ اس وقت طہارت' پاکیزگی' عفت کا نمونہ تھے۔ اس لئے یہ الزام کہ نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے آپ نے شادیاں کیں آپ کی ذات عصمت مآب پر سخت بہتان ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ اور آخری زمانہ میں بڑا بھاری تغیر واقع ہو چکا تھا ابتدائی سالوں میں جب مکہ میں آپ نے تبلیغ شروع کی تو اگرچہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ اور اذیتیں پہنچتی تھیں مگر رشتہ داری کے تعلق منقطع نہیں ہو چکے تھے خصوصاً ایسے لوگ جو ذی عزت و وجاہت وہ نسبتہً کفار کے حملوں سے محفوظ تھے اور ان سے تعلقات بھی رکھتے تھے۔

چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لڑکی ایک کافر سے بیاہی ہوئی تھی اور حضرت ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہؓ کی منگنی بھی ایک کافر کے لڑکے جبیر بن مطعم سے ہوئی تھی۔ مگر مطعم نے بدیں وجہ انکار کر دیا کہ اس تعلق سے خوف ہے کہ لڑکا نئے دین میں چلا جائے گا۔ اس کے بعد ہی حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اگرچہ ابتداء میں ایسے تعلقات تھے مگر آہستہ آہستہ یہ تعلقات منقطع ہو چکے تھے اور کسی مسلمان عورت کا کفار کے ہاتھ پڑ جانا اس کے لئے ہلاکت کا موجب تھا۔ پھر آپ کی ہجرت سے رہے سہے تعلقات بھی کٹ گئے۔ پس مسلمان لڑکیوں یا بیوہ عورتوں کے لئے ضروری تھا کہ مسلمان ہی خاوند ہوں۔

ان واقعات کو مدنظر رکھ کر ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو دیکھنا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ سوائے حضرت عائشہؓ کے آپ کی ساری بیویاں بیوہ عورتیں تھیں ان کو ہم الگ الگ جماعتوں پر تقسیم کرتے ہیں۔

اول وہ عورتیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کے ساتھ حبش یا مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور دوسری وہ عورتیں جو کسی قوم کے سردار کی لڑکیاں یا بیوہ تھیں اور جن کے خاوند لڑائیوں میں مارے گئے۔ ان کا ذکر ہم اسی ترتیب سے کرتے ہیں جس ترتیب سے ان کے نکاح ہوئے۔ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ نے ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کا خاوند ابتداء ہی میں ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے تھے اور اس جگہ وہ بیوہ ہوگئیں۔ واپس آنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے نکاح کیا۔

اس کے بعد ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی تھیں انہوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی۔ جب آپ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ سے نکاح کرنے کیلئے کہا مگر ان دونوں

نے انکار کیا۔اس کے بعد آپکا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہنا بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو کس قدر مشکلات تھیں۔

اسکے بعد ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اس پہلے گروہ میں شامل تھیں جو سب سے اول کفار کے ظلم سے تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت کر گیا۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی موت کا موجب ایک زخم ہوا جوان کو ایک لڑائی میں لگا تھا۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے نکاح کیا۔ یہ قریش کے مشہور سردار ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔آپ مع اپنے خاوند کے اس دوسرے گروہ میں شامل تھیں جو ہجرت کر کے حبشہ کو چلا گیا تھا وہاں ان کا خاوند عیسائی ہو گیا اور تھوڑے روز بعد مر گیا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔اسکے بعد آپ کا نکاح ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوا انکو زید بن حارث رضی اللہ عنہ نے بوجہ نا اتفاقی طلاق دیدی تھی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

اس کے بعد ام المومنین زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا جو ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں آپکا خاوند اُحد کی جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔آپ خود بھی نکاح سے دو تین ماہ بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو فوت ہو گئیں۔

ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی مہاجرات میں سے تھیں اور بیوہ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

اب اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جس قدر عورتیں آپکی ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں وہ سب کی سب ایسی تھیں جو ابتداء ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں اور آخر کفار کے ہاتھ سے طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جلاوطنی اختیار کر کے دوسرے ملکوں میں انہوں نے پناہ لی اور وہ سب کی سب قریش کے شریف خاندانوں سے تھیں۔ایک

طرف تو وہ اپنے گھر بار کو چھوڑ چکی تھیں اور اپنی جائیداد اور آسائش کو قربان کر کے صرف دین کی خاطر جلاوطنی قبول کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ ان کے خاوند جو محنت ومشقت کر کے انکو کھلاتے تھے وہ بھی مر گئے یا جنگوں میں شہید ہو گئے اس بیکسی کی حالت میں انکی تکالیف کا اندازہ کون کرسکتا ہے کیا جائز تھا کہ ان عورتوں کو کفار کی طرف واپس بھیج دیا جاتا تا کہ وہ طرح طرح کے دکھ دیکر ان کو مار ڈالتے یا کیا یہ درست تھا کہ انکو بغیر خبر گیری کے چھوڑ دیا جا تا تا کہ وہ خستہ حال ہو کر تباہ ہو جائیں نہیں نہیں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے مذہب اور دین کی خاطر طرح طرح کے دکھ اٹھائے تھے یوں ذلت اور کسمپرسی کی حالت میں تباہ ہونے کیلئے چھوڑ دیا جاتا یا خود اپنے ہاتھوں سے دشمنوں کے حوالہ کر دیا جاتا تا کہ جو ظلم چاہیں ان پر کریں اس بیکسی کی حالت پر رحم کھا کر ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنی ازواج مطہرات ہونے کا شرف بخشا تا کہ جس عزت کو انہوں نے گھر بار چھوڑ کر دین کی خاطر چھوڑا تھا اس سے بھی دو چند عزت ان کو اس دنیا میں دی جائے۔

ام المومنین جویریہ اور ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہن ان عورتوں میں سے تھیں جو قوم کے سرداروں کی لڑکیاں تھیں اور جنگوں میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان میں سے سابق الذکر ایک کافر کی بیوی تھیں جو لڑائی میں مارا گیا۔

مال غنیمت میں وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے بہت سا روپیہ رہا کرنے کے معاوضہ میں ان سے مانگا جسے دے نہ سکتی تھیں چنانچہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور سارا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ میں اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جائے تا کہ کوئی اور فساد نہ ہو اور خود روپیہ دے کر آپ نے ان سے نکاح کر لیا کیوں کہ عربوں کی غیرت یہ برداشت نہ کر سکتی تھی کہ ایک رئیس کی لڑکی ہو کر کسی کم درجہ کے آدمی کے نکاح میں جائے۔

ام المومنین صفیہ خیبر کی لڑائی میں ہاتھ آئی تھیں۔ پہلے دحیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیدی عورتوں میں سے ایک مجھے دی جائے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا جسے چاہے لے لو۔ انہوں نے صفیہ کو چنا مگر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی لڑکی ہے اور مناسب نہیں کہ آپکے سوا وہ کسی دوسرے کے قبضہ میں آئے یا نکاح کرے۔

اس پر آپ نے ان سے نکاح کیا۔ ان آخری دونوں نکاحوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ ایک تعلق سے وہ کل کی کل قوم فساد سے رک جائے اور اسی طرح پر وہ قومیں جنکی عمریں جنگوں میں گزرتی ہیں ایک ہوجائیں۔ یہ امر کہ اس ذریعہ سے آپ نے پوری پوری کامیابی حاصل کی ایسا بدیہی اور صاف ہے کہ جس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

نکاح میں تعیین مہر کا راز

(۱) نکاح میں یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تا کہ خاوند کو اس نظم و تعلق کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر اسکو چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کرسکے۔ پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائیداری ہے۔

(۲) نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو کہ شرم گاہ کا بدلہ ہوتا ہے ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں ہے

لہٰذا اس کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوسکتا ہے اور اسکے مہتم بالشان ہونے سے اولیا کی آنکھیں اس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہوسکتی ہیں۔

(۳) مہر کے سبب سے نکاح و زنا میں امتیاز ہوجاتا ہے چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے

ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین.

ترجمہ :۔ بذریعہ اپنے مالوں کے تم اپنی عفت کی حفاظت کرنیوالے بنو اور

صرف مستی نکالنے والے نہ بنو۔۔۔۔۔۔یہی وجہ ہے کہ رسوم سلف میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا۔

تعیین ولیمہ کی وجہ

ولیمہ یعنی نکاح کے بعد جو عام لوگوں کو روٹی کھلائی جاتی ہے اسکے تقرر میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔(۱) اس سے نکاح کی اور اس بات کی اشاعت اور شہرت ہوتی ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے یہ اشاعت ضروری ہے تاکہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نکاح و زنا میں تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کے ساتھ جائز تعلق متحقق ہو جائے۔

(۲) اس سے بیوی اور اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اسکے لئے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اس کیلئے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت اور عزت ہے اور میاں بیوی کے مابین اس قسم کے امور الفت قائم کرتے ہیں خاص کر ان کے اول اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں۔

(۳) ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا اظہار شکر و سرور و خوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت و خصلت پیدا ہوتی ہے اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے فوائد ہیں۔ سو چونکہ سیاست مدنیہ و منزلیہ و تہذیب نسل و احسان کے متعلق کافی فوائد اور مصالح ولیمہ میں مودع ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اسکو عمل میں لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے اور آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں لوگوں کو ملیدہ کھلایا تھا اور آپ نے بعض اپنی بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے بھی کیا ہے اور فرمایا۔

اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیاتها.

ترجمہ: یعنی جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی مسنون دعوت میں بلایا جائے تو چلا آئے۔

نکاح میں تقرر گواہ واعلان کی وجہ

سب انبیاء وائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح کو شہرت دی جائے تا کہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے۔ لہٰذا گواہ بھی مقرر ہوئے اور مزید شہرت کیلئے مناسب ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کو اس میں دعوت دی جائے اس کا اظہار کیا جائے کہ دوسرے لوگوں کو بھی خبر ہو جائے اور بعد میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

تعیین عقیقہ اور بچہ کا سر منڈانے کی وجہ

اہل عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے۔ عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا خود بھی اس پر عمل کیا اور اوروں کو بھی اس کی ترغیب دی۔

(۱) منجملہ ان مصلحتوں کے ایک یہ ہے کہ عقیقہ میں اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے۔ (۲) از انجملہ سخاوت کے معنی اس میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) از انجملہ ایک یہ ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہو جاتا تو زرد پانی سے رنگا کرتے تھے اور اسکو عمود یہ کہتے تھے یعنی بپتسمہ اور انکا قول تھا کہ اسکے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اسی کی مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے فرمایا ہے۔

صبغة الله ومن احسن من الله صبغة

پس مناسب معلوم ہوا کہ ملت حنفیہ یعنی دین محمدی میں بھی ان کے اس فعل کے مقابلہ میں کوئی ایسا فعل پایا جائے جس فعل سے اس فرزند کا حنیفی اور ملت ابراہیمی واسمٰعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو۔ سو جس قدر افعال حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص تھے اور انکی اولاد میں چلے آتے تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر خدا تعالیٰ کا اس کے فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا

ہے اوران دونوں کے شرائع سے زیادہ مشہور حج ہے جس کے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے ہمیں ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنفی پر آگاہ کرنا اوراس بات سے اطلاع دینا ہوتا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ اس ملت کا برتاؤ کیا گیا۔

ساتویں روز میں عقیقہ اور نام رکھنے کا سبب

عقیقہ میں ساتویں روز کی تخصیص اس لئے ہے کہ ولادت وعقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب کنبہ اس زچہ وبچہ کی خبر گیری میں اول مصروف رہتے ہیں۔پس ایسے وقت میں یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کران کا شغل اور زیادہ کیا جائے۔اور نیز بہت سے لوگوں کو اُسی وقت بکرے دستیاب نہیں ہو سکتے بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جائے تو لوگوں کو دقت ہو لہٰذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی اور معتد بہ مدت ہے اور ساتویں روز نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کا نام رکھنے کی کیا حاجت ہے بلکہ نام رکھنے میں بھی مہلت چاہیے تا کہ خوب غور وتدبیر کر کے اچھا نام رکھا جائے۔ایسا نہ ہو کہ عجلت کے سبب کوئی خراب نام مقرر کردیں۔

بچہ کے سر کے بالوں کے برابر چاندی تصدق کرنے کا راز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کے سر کے بالوں کو منڈ وادو اور ہم وزن اسکے بالوں کے چاندی خیرات کردو چاندی کے خیرات کرنے میں یہ سبب ہے کہ بچہ کا حالت جنینیت سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف آنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں کچھ دیا جائے اور جنین کے بال جنینہ کے نشان کا بقیہ تھے انکا دُور ہونا طفلیت کے نشان کے استقبال کی نشانی ہے اس لئے واجب ہوا کہ انکے بدلے میں چاندی

دی جائے اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے بجز امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا اور چیزیں کم قیمت بہت ہیں چاندی اوسط ہے۔

لڑکے کا عقیقہ دو بکرے سے اور لڑکی کا عقیقہ ایک سے ہونے کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة.

ترجمہ:۔ یعنی لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ میں دینی چاہیے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے لہٰذا دو کا ذبح کرنا زیادتی اور اسکی عظمت کے مناسب ہے۔

حضرت ابن قیم رحمہ اللہ اسکے بارہ میں لکھتے ہیں۔

امر التفضيل فيها تابع لشرف الذكر وما ميزه الله تعالىٰ به على الانثى ولما كانت النعمة به على الوالد اتم والسرورو الفرحة به اكمل كان الشكر عليه اكثر فانه كلما كثرت النعمة كان شكرها اكثر

ترجمہ:۔ یعنی لڑکے کیلئے دو سے اور لڑکی کیلئے ایک بکری سے عقیقہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر فضیلت ہے اور جب لڑکے کے وجود سے والد پر تمام و کمال نعمت اور سرور و خوش زیادہ ہوتی ہے تو اس پر مزید شکر واجب ہے کیونکہ جب زیادہ نعمت ملی تو زیادہ شکر کرنا لازم آتا ہے۔

عورت کے نکاح میں اجازت ولی کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لانكاح الابولى**

ترجمہ:۔ یعنی ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا........ اسکی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ وہ ناقصات العقل ہوتی ہیں اور انکے فکر ناقص ہوتے ہیں۔ اس لئے بسا اوقات مصلحت کی طرف انکو راہبری نہ ہوسکے گی۔

(۲)...... دوسری وجہ یہ ہے کہ غالباً وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا

اوقات انکو غیر کفو کی طرف رغبت پیدا ہوسکتی ہے اور اس میں قوم کی عار ہے پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جائے تا کہ یہ مفسدہ بند ہو۔

(۳)......لوگوں کا عام طریق یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بندوبست انہی کے متعلق ہوتا ہے اور سارے خرچ مردوں ہی کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض

ترجمہ: یعنی مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

(۴) نکاح کے اندر ولی کی شرط مقرر ہونے میں اولیاء کی عزت و حرمت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں بے عزتی ہے جس کا مدار بے حیائی پر ہے اور اس میں اولیاء کی مخالفت اور انکی بے قدری ہے۔

(۵)...... یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح کو زنا کے ساتھ شہرت سے امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیاء نکاح میں موجود ہوں البتہ کسی صورت میں ولی کا ہونا مستحب اور کسی صورت میں شرط ہے۔ تفصیل کیلئے فقہ کا فن ہے۔

مرد پر بعض اہل قرابت عورتوں کے حرام ہونے کیوجہ

(۱)......سلامت مزاج کا یہ اقتضاء ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے وہ عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں یعنی بھائی بہن۔

(۲)......جب اقارب خود ایسی قرابت والی عورت سے نکاح کر لیا کرتے تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو تا باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص انکی طرف سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا ہو اور ایسا ارتباط جس میں یہ دونوں وصف پائے جائیں یعنی رغبت نہ ہونا اور کسی کا اس سے مطالبہ نہ کر سکنا طبعی طور پر مرد اور اس کے ماں، بہن، بیٹی،

پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، میں واقع ہوا ہے۔ پس یہ سب حرام ہوئیں۔

(۳)...... اسی طرح رضاعت بھی موجب حرمت ہے کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہوجاتی ہے اس لئے کہ وہ اخلاط بدن کے اجتماع اور اس کی صورت قائم ہونے کا سبب ہوتی ہے پس وہ بھی فی الحقیقت ماں کے بعد ماں ہے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد اسکے بہن بھائی ہیں۔ پس اسکا مالک ہوجانا اور اسکو اپنی زوجہ بنالینا اور اسکے ساتھ جماع کرنا ایسی بات ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے۔

(۴) اسی طرح دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے کیونکہ ان میں سوکن پنے کا حسد منجر بالعداوت ہوگا (یعنی دشمنی کا سبب ہوگا) جس سے قطع رحم ہوگا اور یہ امر خدا تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کہ اہل قرابت میں قطع رحم ہو اور علی ہذا القیاس اس قسم کی قرابت داری قریبی عورتوں کا آپس میں ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام ہوا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة وخالتها.

یعنی نہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرو اور نہ ایک عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرو۔

(۵)...... اسی طرح مصاہرت باعث حرمت ہے اسلئے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کی طرف اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کی اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کی طرف رغبت ہو جو کہ حلت نکاح کی صورت میں محتمل ہے۔ تو اس تعلق کے توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں جس کی طرف خواہش پائے کوشش کیا کریں۔

حکمت جواز نکاح مرد مسلم با یہودیہ یا نصرانیہ نہ بالعکس

مسلمان مرد کا نکاح کسی یہودن وعیسائن سے اس لئے جائز ہے کہ خدا تعالیٰ نے مرد کو غالب اور عورت کو مغلوب قرار دیا ہے تو ایسے نکاح اور ازواج سے یہ صورت ہوگی کہ توحید کے نقشہ کو بالا اور غالب اور شرک و کفر کو پست و مغلوب کر کے دکھایا گیا

جس میں یہ ایماء ہے کہ توحید شرک پر غالب ہے اور واقع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ چونکہ مرد کی تاثیر قوی ہوتی ہے اس لئے عورتیں خواہ یہودی ہوں یا عیسائن وہ اکثر مسلمان ہو جاتی ہیں مگر اس کے برعکس ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسلمہ عورت کا نکاح یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ کسی مجبوری کے سبب جائز ہو سکے کیونکہ یہ امر حکمت الٰہی کیخلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نکاح جائز ہوتا تو یہ نقشہ یوں دکھائی دیتا کہ شرک بالا اور توحید پست ہوتی اور اس امر سے خدا کی غیرت اور اس کا قانون قدرت وحکمت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وافضلیت مانع ہیں کیونکہ ایسے ازواج سے افضل الرسل وخاتم الانبیاء سید ولد آدم علیہ السلام حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو پست ومغلوب دکھانا پڑتا۔ سو یہ امر خدا کو منظور نہیں ہے۔

یار احمد شو کہ تا غالب شوی یار مغلوباں مشو تو اے غوی

باب الطلاق

حکمت جواز طلاق زن

واضح ہو کہ طلاق عربی لفظ ہے جس کے معنی اردو زبان میں کھولنے یا چھوڑ دینے کے ہیں اور اصطلاح شریعت اسلام میں مرد کا اپنی عورت کو اپنے نکاح سے خارج کر دینا ہے۔ جس کا مطلب تفصیل ذیل سے بخوبی معلوم ہوگا۔

واضح ہو کہ مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے اسلام اور مہر اور تعہد نان ونفقہ وحسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری کے عہود شرائط ضروریہ ہیں اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو جاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز نہیں۔ جیسا کہ وہ خود بخود

نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑ سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کرا سکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتاب کاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا ہی عورت کی طرف۔ سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے سو یہ قانون فطرتی قانون سے جو عنقریب مذکور ہوتا ہے مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے گویا کہ اس فطرتی قانون کی عکسی تصویر ہے کیونکہ فطرتی قانون نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر ایک معاہدہ شرائط قرارداده کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اس فریق پر ظلم کر رہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے سو جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے اور اس محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے پس جس مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر پہنچا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے معاہدہ کو کسی اپنی بدچلنی سے توڑ دے تو وہ اس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور سڑ گیا۔

یا اس دانت کی طرح جس کو کیڑے نے کھا لیا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو اکھاڑ دیا جائے اور کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جائے یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔ عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں ہے جیسے اپنے ہاتھ اور پاؤں کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پاؤں کسی آفت میں مبتلا ہو جائے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے اس پر اتفاق کر لے کہ زندگی اس کے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کوئی ہے کہ ایک جان کے

بچانے کے لئے اس کے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس اگر ایسا ہی کسی کی منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی شرارت سے اس پر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا ہے اور سڑ گیا ہے اور اب وہ اس کا عضو نہیں ہے اس کو کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینک دے ایسا نہ ہو کہ اس کا زہر اس کے سارے بدن میں پہنچ جائے اور تجھے ہلاک کردے۔ پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرندہ یا درندہ کھالے تو اس کو اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اس وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ اس نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا۔

وہ ہدایتیں جن کی پابندی کے بعد ہر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہوسکتا ہے

قال اللہ تعالیٰ. والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا ان اللہ کان علیا کبیرا فان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا.

ترجمہ:۔ یعنی جن عورتوں کی طرف سے ناموافقت کے آثار ظاہر ہوجائیں پس تم ان کو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں اُن سے جدا رہو اور ان کو مارو یعنی جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آئے پس اگر وہ تمہاری تابعدار ہوجائیں تو تم بھی ان کے طلاق یا سزا دینے کی راہ مت نکالو۔ بیشک خدا تعالیٰ صاحب علو صاحب کبریا ہے اور پھر اگر میاں بیوی کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف بیوی کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر منصف صلح کرانے کے لئے کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ ان میں باہمی موافقت دیدے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ علم والا خبر والا ہے۔

عورت کے لئے تقرر عدت کی وجہ

عدت کی بڑی وجہ رحم کے احوال کا معلوم کرنا ہے چنانچہ جس عورت کو قبل از جماع

حقیقی یا حکمی طلاق ملے اس کے لئے کوئی عدت مقرر نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

یایھا الذین آمنوا اذانکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن و سرحوھن سراحا جمیلا

ترجمہ:۔یعنی اے ایماندارو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرلو پھر ان کو مس کرنے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جس کی گنتی پوری کراؤ پس ان کو کچھ مال دیکر اچھی طرح سے رخصت کرو۔

عورت کو خاوند کا سوگ چار ماہ دس دن رکھنے کی وجہ

اس حکمت کی شرح تفصیل کے ساتھ فرق عدت موت وعدت طلاق کے بیان میں عنقریب آئے گی اور بقدر ضرورت یہاں بھی کسی قدر لکھی جاتی ہے۔

اعلموا ان الاحداد علی الزوج تابع للعدۃ وھو من مقتضیاتھا ومکملاتھا فان المرأۃ انھا تحتاج الی التزین والتجمل والتعطر لتحبب الی زوجھا ویحسن مابینھما من العشرۃ فاذافات الزوج واعتدت منه وھی لم تقبل الی زوج اخرفاقتضی تمام حقوق الاول وتاکید المنع من الثانی قبل بلوغ الکتاب اجله ان تمنع مماتصنعه النساء لازواجھن مع مافی ذلک من سد الذریعة الی طمعھا فی الرجال وطمعھم فیھا بالزینة والخضاب والتطیب فاذابلغ الکتاب اجله صارت محتاجة الی ما یرغب فی نکاحھا فابیح لھا من ذلک مایباح لذات الزوج فلاشیء ابلغ فی الحسن من ھذا المنع والاباحة ولو اقترحت عقول العالمین لم تقترح شیئا احسن منه.

ترجمہ:۔واضح ہو کہ خاوند کا سوگ تابع عدت کے ہے اور یہ سوگ عدت کے مقتضاؤں اور اس کے مکملات میں سے ہے کیونکہ عورت کو اپنے خاوند کی زندگی میں اپنی زیب وتجمل وتعطر کی ضرورت پڑتی ہے کہ اپنے خاوند کی محبوب ومرغوب رہے اور ان

دونوں میں حسن معاشرت ہو پس جب خاوند مر جائے تو وہ اس کی عدت میں رہے اور دوسرے شوہر کے پاس نہیں پہنچے۔ خاوند کا اہتمام حقوق اور دوسرے شوہر کا میعاد عدت کامل ہونے سے پہلے پہلے نکاح سے روکنا یہ اس کو مقتضی ہے کہ عورت کو ان اُمور سے منع کیا جائے جو عورتیں اپنے خاوندوں کے لئے کیا کرتی ہیں۔ نیز اس میں اس بات کا مسدود کرنا ہے کہ عورت کو مردوں کی طمع ہو اور اس کی زینت و اسباب کے ملاحظہ سے اس کی طرف مردوں کی چشم طمع دراز ہو۔ پس جب عدت ختم ہو جائے تو وہ ان امور کی محتاج ہوئی جو محرک و مرغب فی النکاح ہیں۔ پس اس عورت کو وہ امور مباح ہوئے جو خاوند والی عورت کے لئے مباح ہوا کرتے ہیں۔ پس یہ ممانعت اور اباحت نہایت حسن و مناسبت پر واقع ہوئی ہے۔ تمام عالم کی عقلیں بھی اس سے بہتر تجویز نہیں کر سکیں۔

عدت طلاق ایک حیض سے زیادہ ہونے کی وجہ

سوال: جب کہ رحم کے خالی یا حامل ہونے کا علم ایک ہی حیض سے معلوم ہو سکتا تھا تو پھر طویل عدت کے مقرر ہونے کی کیا وجہ؟

جواب: اس کی وجہ ان مصالح الٰہی سے معلوم ہو سکتی ہے جن کیلئے یہ مشروع کی گئی ہے۔ عدت کے مشروع ہونے میں چند مصلحتیں ہیں جس کی تفصیل ذیل میں ہے۔

(۱) رحم کے خالی ہونے کا علم حاصل کرنا تا کہ دو شخصوں کا نطفہ مل جانے سے اختلاط نسب ہو کر باعث فساد نہ ہو عدم تقرر عدت کی وجہ سے ایسے فساد اور بگاڑ ہوتے جن کو شریعت و حکمت الٰہی مانع ہے۔ (۲) تقرر عدت کی وجہ عقد نکاح کی بزرگی و رفع قدر (عزت کی بلندی) و اظہار شرافت ہے۔

(۳) طلاق دینے والے کے لئے لمبا زمانہ مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد طلاق دینے سے نادم ہو کر عورت کی طرف رجوع کر سکے۔

(۴) تقرر عدت کی وجہ خاوند کے حق ادا کرنا اور خاوند کے فوت ہو جانے سے افسوس کے تاثر کا اظہار ہے اور یہ امر زینت اور آراستگی کے ترک کرنے سے ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ عدت محض براءت رحم کا علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ یہ امر بھی عدت کے بعض مصالح و حکمتوں میں سے ہے باقی اور مصالح بھی ہیں جو ایک حیض کی عدت میں حاصل نہیں ہوسکتیں۔

اقسام عدت

(۱) حاملہ کی وضع حمل تک (۲) عدت بیوہ بمرگ شوہر چار ماہ دس دن

(۳) عدت مطلقہ تین حیض (۴) عدت آیسہ یا صغیرہ جس کو زیادہ عمر کے سبب یا کم عمری کے سبب حیض نہ آتا ہو تین ماہ ہے۔

عدت بیوہ کی دوسری عدتوں سے مختلف ہونے کی وجہ

عدت بیوہ کی چار ماہ اور دس دن مقرر ہے خواہ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو پس ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ عدت کا حکم محض اطاعت کے لئے ہے اس میں عقل کو دخل نہیں ہے مگر یہ بات اس وجہ سے باطل ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ عبادت محضہ ہوتی حالانکہ عدت محض عبادت نہیں ہے کیونکہ عدت چھوٹی اور بڑی اور عاقلہ اور دیوانہ اور مسلمہ وذمیہ سب کے حق میں لازمی ہے اور یہ سب مکلف نہیں ہیں نیز اس میں نیت کی ضرورت نہیں اور عبادت میں نیت ضروری ہے پس لامحالہ اس میں مصالح ضرور ہیں اور اس کے ساتھ ہی جب اس میں اطاعت الٰہی کا قصد ہو بشرط ایمان معنی عبادت سے بھی خالی نہیں سو بعض مصالح تو نفس عدت میں ہیں جن کا حاصل رعایت حقوق زوج اول واولاد و رعایت حق شوہر ثانی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

پس پہلے خاوند کی رعایت تو اس میں ایک یہ ہے کہ دونوں میں جو تعلق نکاح کا تھا اس کا احترام اور وقعت باقی رہے اور دوسری رعایت یہ ہے کہ اس میں دوامی حقوق اور معاہدہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری کا اظہار رہے اور تیسری رعایت یہ ہے کہ اس سے حمل نہ ہونا ظاہر ہوسکے اور نسب میں بھی اشتباہ نہیں ہوتا۔ اور حق خاوند کی حرمت و عزت کا اس کی وفات کے بعد قابل لحاظ ہونا اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی عزت وحرمت کے حقوق کی وجہ سے آپ کی وفات کے بعد آپ کی عورتوں سے اور لوگوں پر مدام کے لئے نکاح کرنا حرام ہوگیا۔ علاوہ آپ کی حرمت کے اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ آپ کی دنیاوالی عورتیں آخرت میں بھی آپ کی ازواج مطہرات ہونگی اس لئے بھی آپ کے بعد کسی کو اُن سے نکاح کرنا حلال نہیں ٹھہرا۔

مگر یہ امر دوسروں کے لئے نہیں ہے کیونکہ نہ اس قدر کسی شوہر کا احترام ہے اور نہ یہ حق ان کے حق میں معلوم ہے۔ پس اگر اس حالت میں خاوند کے مرنے سے عورت کو دوسرا نکاح کرنا حرام ہوتا تو اس کو سخت ضرر لاحق ہوتا۔

بہرحال نکاح ثانی تو حلال ہوا مگر کچھ احکام حافظ احترام شوہر مشروع ہونا چاہیے اور زمانہ جاہلیت میں اس احترام حق شوہر اور عزت عقد نکاح میں بہت مبالغہ کرتے تھے سال بھر تک عورت دوسرا نکاح نہ کرتی اور نہ گھر سے باہر نکلنے کی مجاز ہوتی تھی اور اس میں بھی حرج تھا اس لئے خداتعالیٰ اس مبالغہ کو اپنی شریعت حقہ کے ذریعہ سے جو کہ محض نعمت ورحمت ومصلحت وحکمت پر مبنی ہے تخفیف کردیا اور بجائے اس کے چار مہینے اور دس دن کی عدت مقرر کی۔ جو سراسر حکمت ومصلحت پر مبنی ہے کیونکہ اس مدت میں رحم میں بچہ کا ہونا یا نہ ہونا معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ چالیس دن تک رحم میں نطفہ ہوتا ہے پھر چالیس دن تک لہو (خون) کی پھٹکی ہوتی ہے پھر اس کے بعد چالیس دن میں بچہ تیار ہوتا ہے اور یہ پورے چار مہینے ہوتے ہیں پھر اس مدت کے بعد چوتھے دور میں روح پھونکی جاتی ہے جس کا اندازہ دس دن ہے تاکہ اگر حمل ہو تو حرکت سے ظاہر ہوسکے اور یہ مصلحت عدت کی اس مدت خاص کی ہے۔

الغرض شارع نے بیوہ کی عدت چار مہینے اور دس دن اس لئے مقرر کی ہے کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس مدت کے اندر جنین میں جان پڑتی ہے اور حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کئے گئے تاکہ وہ حرکت پورے طور پر ظاہر ہوجائے اور نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف ہے جس میں حمل پورے طور پر ایسا ظاہر ہوجاتا ہے کہ ہر شخص دیکھ

کر جان سکتا ہے اور مطلقہ کی عدت میں بچہ کے محسوس ہونے کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ اس کی عدت حیض سے مقرر کی گئی اور اس بیوہ کی چار مہینے دس دن سے مقرر کی گئی۔

وجہ فرق یہ ہے کہ مطلقہ میں تو حق دار یعنی خاوند زندہ ہوتا ہے جونسب کی مصلحت اور قرائن کو جانتا ہے پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کے ساتھ عدت شمار کرنے کا حکم دیا جائے جس کا علم اس کے ساتھ خاص ہے اور خاوند اس کو امین سمجھے اور بیوہ کے واقعہ میں خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کا باطنی حال اور قرب ایسا معلوم نہیں کر سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا تھا۔ پس ضروری ہوا کہ اس کی عدت ایسی مقرر کی جائے جس کے معلوم کرنے میں قریب و بعید سب برابر ہوں اور وہ بچہ کے محسوس ہونے کی مدت ہے اور اس کے فرق سے عدت مطلقہ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب وہاں حمل کا ظاہر و بین طور پر معلوم کرنا نہیں بلکہ محض رحم کا خالی ہونا ہے تو وہ ایک حیض سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ صرف براءت رحم مقصود نہیں ہے اگرچہ براءت رحم بھی عدت کے بعض ضروری مقاصد میں سے ہے بلکہ عدت میں متعدد حکمتیں ہیں اور وہ جب معلوم ہو سکتی ہیں کہ جبکہ وہ حقوق معلوم ہوں جو اس میں ملحوظ ہیں چنانچہ عدت میں ایک تو خدا تعالیٰ کا حق ہے اور وہ اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی طلب رضا ہے اور دوسرا طلاق دینے والے خاوند کا حق ہے اور یہ حق اس کے رجوع کرنے کے لئے لمبا زمانہ ٹھہرایا خواہ رجعت سے یا نکاح جدید سے۔ تیسرا حق زوجہ کا ہے اور یہ حق اس کا استحقاق نفقہ و سکونت خاوند پر ہے جب تک عورت عدت میں ہو۔

اور چوتھا حق بچہ کا ہے یہ حق بچہ کے ثبوت نسب کی احتیاط کے لئے ہے تا کہ اس کا نسب دوسرے کے ساتھ نہ مل جائے۔

پانچواں حق دوسرے خاوند کا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو دیکر ضائع نہ کرے اور شارع علیہ السلام نے ہر ایک کے مناسب خاص خاص احکام بھی مرتب فرمائے ہیں چنانچہ رعایت حق خاوند میں یہ امر قرار پایا ہے کہ زوجہ گھر سے باہر نہ

جائے اور نہ خاوند اس کو باہر نکالے اور نیز یہ حق ٹھہرایا کہ عدت کے اندر اگر زوجہ سے طلاق دینے والے رجعی طلاق میں رجوع کرلے تو زوجہ مانع نہ ہو اور زوجہ کا حق خاوند پر نفقہ و سکونت کا مہیا کرنا ہے۔ اور حق بچے کا یہ ہے کہ اُس کے نسب کا ثبوت ہو جائے اور وہ اپنے باپ سے ملحق ہو اور دوسرے سے ملحق نہ ہو اور دوسرے خاوند کا حق یہ ہے کہ وہ بصیرت و براءت رحم کا علم ہونے کے بعد عورت سے دخول کرے۔ مبادا رحم میں پہلے شخص کا بچہ ہو اور اس طرح سے اختلاط نسب ہو جائے۔

پس مطلقہ کے لئے تین حیض مقرر کرنا ان حقوق کے مجموعہ کی رعایت و تکمیل کے لئے ہے کہ ان میں بعض حقوق ایک حیض میں حاصل نہیں ہو سکتے اور عدت طلاق میں جو حقوق بیان کئے ان میں بعضے طلاق و وفات میں مشترک بھی ہیں چنانچہ تامل سے معلوم ہو سکتے ہیں پس اس تقریر سے اس وعدہ کا بھی ایفاء ہو گیا جو شروع سرخی کے قریب کہا گیا کہ تفصیل عنقریب آتی ہے۔

حرمتِ نکاح متعہ کی وجہ

(۱) متعہ کی رسم جاری ہونے سے نسب کا خلط ملط ہونا اور اس کی تباہی و بربادی لازم آتی ہے کیونکہ اس مدت متعہ کے گزرتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے خارج ہو جاتی ہے اور عورت کو اپنا اختیار ہوتا ہے اب معلوم نہیں کہ وہ جب حاملہ ہو گی تو کیا کرے گی اور عدت کا انضباط نکاح صحیح میں بھی جس کی بناء ہمیشگی پر ہوتی ہے نہایت دشواری سے ہوتا ہے تو پھر متعہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

(۲) اس رسم میں یہ قبح بھی ہے کہ اس رسم کے جاری ہونے سے نکاح صحیح جو شریعت میں معتبر ہے اس میں اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی خواہش غالباً شہوت شرمگاہ کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

(۳) صرف جماع کی اُجرت دینے سے طبیعت انسانی سے بالکل انسان باہر ہو جاتا ہے اور یہ بے حیائی ہے اس کو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا۔ باقی باوجود ان

قبائح کے ابتدا میں چندے اس کی اجازت ہونا جوش سے بیحد اضطرار اور نکاح پر قادر نہ ہوسکنے سے تھا جیسا میتہ کی مخمصہ میں اجازت ہوجاتی ہے پھر ان قبائح کے سبب ہمیشہ کے لئے منسوخ ہوگیا۔

احادیث سے متعۃ النساء کی حرمت

حدثنا محمد بن عبدالله ابن المنيرحدثنا ابی عبدالعزيز بن عمرحدثنا الربيع بن سبرة الجهنی ان اباه حدثه انه كان مع رسول الله صلی الله عليه واله وسلم فقال يايها الناس انی كنت اذنت لكم فی الاستمتاع من النساء ان الله قد حرم ذلك الی يوم القيمة فمن كان عنده منهن شیء فليخل سبيلها ولاتاخذوامما اتيتموهن شيئا.

ترجمہ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تم کو متعۃ النساء کی پہلے اجازت دی تھی اب خداتعالیٰ نے متعۃ النساء کو قیامت تک حرام کردیا ہے پس جس کے پاس ان عورتوں میں سے کوئی عورت ہوتو اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا اس میں سے کچھ مت لو۔ (صحیح مسلم مع نووی ص ۴۵۱)

حدثنا مالك ابن اسمٰعيل قال حدثنا ابی انه سمع الزهری يقول اخبرنی الحسن بن محمد بن علی واخبره عبدالله عن ابيه ان علياقال لابن عباس ان النبی صلی الله عليه واله وسلم نهی عن المتعة وعن لحوم الحمرا لاهلية زمن خيبر. بخاری وعن سفيان نهی عن النكاح المتعة.

ترجمہ: یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعۃ النساء اور خراہلی (پلے ہوئے گدھے ۱۲) کے گوشت سے خیبر کے ایام میں منع فرمایا اور سفیان سے روایت ہے کہ نکاح متعہ ممنوع ہو چکا ہے۔ (فتح الباری)

متعۃ النساء کی تردید پر وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع بھلامانس شریف قوم کا امیر آدمی اپنی جگہ سوچے کہ اگر شرعاً متعۃ النساء جائز بلکہ کارِ ثواب ہے تو پھر نکاح میں اس میں یہ فرق کیوں ہے کہ نکاح کی نسبت کرنے میں اپنی بیٹی بہن کی طرف تو عار نہیں آتی مگر کیا بڑے شریف مجالس میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری ماں اور بیٹیوں اور بہنوں نے اتنے متعے کئے ہیں وجدانی رنگ میں یہ لاجواب دلیل ہے اور یقین تو یہ ہے کہ جیسے ازدواج وتزویج میں صریح مبارکباد قبول کرتے ہیں اس طرح اپنی اقارب عورتوں کے متعہ کے متعلق اس مبارکباد کو برداشت نہ کرسکیں۔ یہ تو عقلی دلیل تھی اور نقلی اوپر بیان ہوچکیں اور بھی لکھی جاتی ہیں۔

عن علی بن ابی طالب ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نھی عن متعۃ النساء.

ترجمہ: یعنی علی مرتضٰی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا عورتوں سے متعہ کرنا۔.......... ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کی اور حرمت متعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق تھا۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قدیم ملکی روایات اور عادت کے باعث چند روز مجوز رہے مگر جب ان کو شرعی حکم کی اطلاع پہنچی تو تجویز متعہ سے رجوع کیا اور متعہ کی حرمت تمام حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ اور اہلحدیث اور صوفیہ کرام میں متفق علیہ ہے۔

مستورات اور مردوں کے لئے اسلامی پردہ کے وجوہ

پردہ کے متعلق اسلام نے مرد عورت کے لئے ایسے ایسے اصول بتائے ہیں جن کی پابندی سے ان کی عفت وعزت پر حرف نہ آئے اور وہ بدی کے ارتکاب سے محفوظ اور مصئون رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل للمومنین یغضوامن ابصارھم ویحفظوافروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیربمایصنعون وقل للمومنات یغضضن من

ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الاماظهر منها وليضربن بخمر هن على جيوبهن الى قوله تعالىٰ ولايضربن بارجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن و توبوا الى الله جميعا ايه المومنون لعلكم تفلحون. ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا.وليستعفف الذين لايجدون نكاحا. ورهبانية ابتدعوها ماكتبنا ها عليهم الى قوله تعالىٰ فمارعوها حق رعايتها.

ترجمہ: یعنی ایماندار مردوں کو کہہ دے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں یعنی ایسی عورتوں کو کھلے طور پر نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہوسکتی ہوں اور ایسے موقع پر نگاہ کو پست رکھیں اور اپنی ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں (ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانے کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آواز نہ سنیں ان کے حسن کے قصے نہ سنیں جیسا دوسری نصوں میں ہے) یہ طریق نظر اور دل کے پاک رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں (نیز ان کی پُرشہوات آوازیں نہ سنیں جیسا دوسری نصوص میں ہے) اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنے زینت کے اعضاء کو کسی غیرمحرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہوکر سر پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر (ناچنے والیوں کی طرح) نہ ماریں (یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچاسکتی ہے) اور دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس سے دعا کرو تا کہ ٹھوکر سے بچاوے۔ اور لغزشوں سے نجات دے زنا کے قریب مت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہوسکتا ہے اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو زنا کرنا نہایت درجہ کی بے حیائی ہے زنا کی راہ بہت بری ہے یعنی

منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمام اخروی منزل کے لئے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہئے کہ وہ اپنے تئیں دوسرے طریقوں سے بچاوے مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے اور ان لوگوں نے یہ طریق بھی نکالے تھے کہ وہ ہمیشہ عمدہ نکاح وغیرہ سے دست بردار رہے یا خوجے (مخنث) بن گئے یا اور کسی طریق سے انہوں نے رہبانیت اختیار کی مگر ہم نے ان پر یہ حکم فرض نہیں کیا اور پھر وہ ان بدعتوں کو بھی پورے طور پر نباہ نہ سکے۔

خداتعالیٰ کے قول کے عموم میں یہ مضمون کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا اور سب لوگ اس پر عمل کرتے ہوتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو چکتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنا ہے کہ عضو مردمی کو کاٹ دیا جائے یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز ثواب کا تمام مدار تو اس بات پر ہے کہ قوت موجود ہو اور پھر انسان خداتعالیٰ کا خوف کر کے ممانعت کی جگہ اس قوت کے جذبات کا مقابلہ کر کے اور اجازت کی جگہ اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دوطور کا ثواب حاصل کرے اور جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اس کو ثواب کیا ملے گا کیا بچہ کو عفت کا ثواب مل سکتا ہے۔ ان آیات میں دیگر نصوص کے خداتعالیٰ نے خلق احصان یعنی عفت حاصل کرنے کے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کے لئے کافی علاج بھی بتلا دیئے یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا کانوں کا نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا' نامحرموں کے قصے نہ سننا اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس فعل بد کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا اور اگر نکاح نہ ہو سکے تو روزہ رکھنا وغیرہ۔

یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے صرف اسلام ہی سے خاص ہے اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے

کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوت کا منبع ہے (جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہوسکتا) ایسی ہے کہ اس کے جذبات محل اور موقع پا کر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا اگر باز بھی رہ سکتے ہیں تاہم سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور ان کے تمام ناز انداز ناچنا وغیرہ بھی مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں لیکن پاک خیال سے نہیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے او سان کی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حُسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے۔

بلکہ ہمیں چاہئے کہ ان کے سننے اور دیکھنے ہی سے ایسی نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تاکہ ٹھوکر نہ کھاویں۔ کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آئیں۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں۔ اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی اور اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ضرور گناہ کا موجب ہو جاتی ہے۔

اگر ہم بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر امید رکھیں کہ اس کتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا نے چاہا نفسانی قویٰ کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی تقریب پیش نہ آوے جس سے یہ خطرات جنبش کر سکیں۔

اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے بلکہ اس کے لئے تمدنی زندگی میں غضِ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ مبارک عادت ہے جس

سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائے گی اور اس کی تمدنی ضرورت میں فرق نہیں پڑے گا یہی وہ خلق ہے جس کو احصان اور عفت کہتے ہیں۔

حیض میں عورت سے حرمت جماع کی وجہ

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: **ویسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوهن حتی یطهرن۔**

ترجمہ: یعنی پوچھتے ہیں تجھ سے حکم حیض کا تو کہہ وہ ناپا کی ہے۔ سو تم حیض میں عورتوں سے کنارہ کرو اور صحبت نہ کرو۔ ان سے جب تک وہ پاک نہ ہولیں۔

جب کہ خدا تعالیٰ حیض کو ناپاکی واذی فرماتا ہے تو ایسی حالت میں صحبت کرنے سے شدید ضرر پہنچنے کا قوی مظنہ ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے حیض میں جماع سے منع فرمایا۔

طب کی رو سے جو شخص حالت حیض میں عورت سے جماع کرے اس کو مندرجہ ذیل امراض لاحق ہونے کا احتمال ہے۔ جرب یعنی خارش، نامردی، سوزش یعنی جلن، جریان جذام اولاد۔ یعنی جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو جذام ہو جاتا ہے۔

اور عورت کو مندرجہ ذیل بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔

اس کو اکثر ہمیشہ کے لئے خون جاری ہو جاتا ہے اور بچہ دان یعنی رحم باہر کو لٹک آتا ہے۔ بعض عورتوں کے لئے اکثر اوقات کچا حمل گر جانے کا باعث منجملہ دیگر امور کے بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے۔ چونکہ حالت حیض میں جماع کرنے سے مذکورہ بالا امراض کے اور بھی دیگر عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کر کے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرما دیا۔

وجہ حرمت جماع حائض وحکمت اباحت وطی مستحاضہ

حائضہ سے جماع حرام ہونا اور مستحاضہ سے جائز ہونا، باوجودیکہ دونوں نجاست کی قسم سے ہیں۔ اس میں وجہ یہ ہے یہ امر شارع کی کمال حکمت میں سے ہے کہ اس نے دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا۔ کیونکہ حیض کی نجاست بہ نسبت استحاضہ کے

زیادہ تر قوی ہے استحاضہ کا خون شرمگاہ کی ایک رگ سے جاری ہوتا ہے۔ پس شرمگاہ سے جریان خون استحاضہ کا ایسا ہے جیسا کہ ناک سے نکسیر جاری ہوتی ہے۔ اس خون کا نکلنا مضر ہے اور اس کا بند ہونا دلیل صحت ہے۔ بخلاف حیض کے اگر حیض کا خون بند ہو جائے تو وہ موجب بیماری ہے اور اس کا جاری ہونا موجب صحت ہے۔ پس خون حیض واستحاضہ دونوں ازروئے حقیقت وحکم وسبب برابر نہیں پس یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں ومحاسن میں سے ہے کہ دونوں خونوں میں فرق ظاہر کر دیا جیسا کہ وہ حقیقت میں بھی الگ الگ ہی ہیں مستحاضہ کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ:

هل تدع الصلوة زمن استحاضة فقال لا انما ذلک عرق وليس بالحيضة فامرها ان تصلی مع هذا الدم وعلل بانه دم عرق وليس بدم حيض

طلاق کا تین تک محدود ہونے کی وجہ

طلاق کو صرف تین میں محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور نیز طلاق میں فکر کرنا اور سوچنا اور سمجھنا ضروری ہے سو تین تک محدود ہونے میں اس کا موقع ملتا ہے کیونکہ بہت لوگوں کو طلاق کا مصلحت ہونا نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ عورت کے ملک سے نکلنے کا مزہ نہیں چکھ لیتے اور اصل تجربہ ایک سے ہو جاتا ہے اور دو سے اس تجربہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح کا شرط کرنا تجدید اور انہاء کے معنی کے محقق کرنے کیلئے ہے اس لئے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس سے رجوع درست ہوتا تو یہ بمنزلہ رجعت کے ہوتا کیونکہ مطلقہ سے نکاح کرنا یہ بھی ایک قسم کی رجعت ہی ہے اور عورت جب تک خاوند کے گھر میں اور اس کے قبضہ میں اور اس کے اقارب کے پاس ہے اس وقت تک احتمال ہے کہ خاوند اس کی رائے پر غالب رہے اور وہ عورت بالاضطرار اس رائے کو پسند کرے جس کی خوبی اس عورت کے سامنے یہ لوگ بیان کریں اور جب ان سے بالکل جدا ہو جائے اور زمانہ کی سردی و گرمی کا مزہ چکھ لے اور اس کے بعد ہی اس شخص سے راضی ہو جائے تو یہ رضامندی فی

الواقع رضا مندی ہے اور نیز اس نکاح شوہر ثانی کے اشتراط میں اس کو مفارقت کا مزہ چکھانا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے سوچے سمجھے طلاق دینے کے باب میں تقاضائے نفسانی کے تابع ہونے کا عذاب دینا ہے اور نیز اس اشتراط میں مطلقہ ثلاثہ کا اس شخص کی آنکھوں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا بتانا ہے کہ تین طلاق پر وہی شخص دلیری کر سکتا ہے جو بغیر ذلت اور حد سے زیادہ بے عزتی کے اپنے نفس کو اس عورت کے متعلق طمع کے قطع کرنے پر راضی وقائم کرلے۔

طلاق رجعی کا دو تک محدود ہونے کی وجہ

اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دیکر رجوع کرلیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر کس قدر ظلم تھا۔ لہٰذا آیت کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرتان یعنی ایسی طلاق دوبار ہے جس کے بعد رجوع ہوسکتا ہے پھر اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد تو جب تک وہ عورت برضا خود کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے پہلے کے لئے وہ حلال نہیں ہوسکتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی شرط فرمایا ہے اور اس اشتراط سے ہماری یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ وہ عورت خاص حلالہ ہی کی غرض سے دوسرے سے نکاح کرے گی بلکہ نکاح تو ہمیشہ کی آبادی کی غرض سے کرے مگر اتفاقاً اگر وہاں بھی طلاق ہوجائے تو شوہر اول سے نکاح جائز ہے۔

تین طلاق دینے اور پھر نکاح ثانی کے بعد پہلے مرد پر اس عورت کے حلال ہونے کی وجہ

یہ سوال حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر وارد ہوا تھا اس پر جو جواب انہوں نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین میں درج فرمایا ہے ہم اس کا ترجمہ بطور ملخص یہاں لکھ دیتے ہیں۔ وھو ھذا

تین طلاق کے بعد مرد پر عورت کے حرام ہونے اور دوسرے نکاح کے بعد پھر

پہلے مرد پر جائز ہونے کی حکمت کو وہی جانتا ہے جس کو اسرار شریعت اور مصالح کلیہ الٰہیہ سے واقفیت ہو پس واضح ہو کہ اس امر میں شریعتیں بحسب مصالح ہر زمانہ اور ہر امت کے لئے مختلف رہی ہیں شریعت تورات نے طلاق کے بعد جب تک عورت دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پہلے مرد کا رجوع اس کے ساتھ جائز رکھا تھا اور جب وہ دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی تو پہلے شخص کو اس عورت سے کسی صورت میں رجوع جائز نہ تھا۔ اس امر میں جو حکمت و مصلحت الٰہی ہے ظاہر ہے کیونکہ جب مرد جانے گا کہ اگر میں نے عورت کو طلاق دیدی تو اس کو پھر اپنا اختیار ہو جائے گا اور اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا بھی جائز ہو جائے گا اور پھر جب اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو مجھ پر ہمیشہ کے لئے یہ عورت حرام ہو جائے گی تو ان امور خانہ کے تصور سے مرد کا عورت سے تعلق و تمسک پختہ ہوتا تھا اور عورت کی جدائی کو ناگوار جانتا تھا۔ شریعت تورات بحسب حال مزاج امت موسوی نازل ہوئی تھی کیونکہ تشدد اور غصہ اور اس پر اصرار کرنا ان میں بہت تھا پھر شریعت انجیلی آئی تو اس نے نکاح کے بعد طلاق کا دروازہ بالکل بند کر دیا جب مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا تو اس کیلئے عورت کو طلاق دینا ہرگز جائز نہ تھا پھر شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے نازل ہوئی جو کہ سب شریعتوں سے اکمل افضل واعلیٰ اور پختہ تر ہے اور انسانوں کے مصالح معاش و معاد کے زیادہ مناسب اور عقل کے زیادہ موافق ہے خدا تعالیٰ نے اس اُمت کا دین کامل اور ان پر اپنی نعمت پوری کی اور طیبات میں سے اس امت کیلئے بعض وہ چیزیں حلال ٹھہرائی ہیں جو کسی امت کیلئے حلال نہیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ مرد کے لئے جائز ہوا کہ بحسب ضرورت چار عورتوں تک سے نکاح کر سکے۔ پھر اگر مرد و عورت میں نہ بنے تو مرد کو اجازت دی کہ اس کو طلاق دے کر اور عورت سے نکاح کر لے کیونکہ جب کہ پہلی عورت موافق طبع نہ ہو یا کوئی اس سے فساد واقع ہو اور وہ اس سے باز نہ آئے تو شریعت اسلامیہ نے ایسی عورت کو مرد کے ہاتھ اور پاؤں اور گردن کی زنجیر بنا کر اس

میں جکڑ ا اور اس کی کمر توڑنے والا بوجھ بنانا نہیں تجویز کیا اور نہ اس دنیا میں مرد کے ساتھ ایسی عورت کو رکھ کر اس کا گھر دوزخ بنانا چاہا ہے۔

زن بد در سرائے مردِ نکو　　همدریں عالم است دوزخ او

لہٰذا خدا تعالیٰ نے ایک عورت کی جدائی مشروع فرمائی۔ اور وہ جدائی بھی اس طرح مشروع فرمائی کہ مرد عورت کو ایک طلاق دے پھر عورت تین طہر یا تین ماہ تک اس مرد کے رجوع کا انتظار کرے تا کہ عورت سدھر جائے اور شرارت سے باز آجائے اور مرد کو اس عورت کی خواہش ہو جائے یعنی خدائے مصرف القلوب عورت کی طرف مرد کے دل کو راغب کر دے تو مرد کو عورت کی طرف رجوع ممکن ہو سکے اور مرد کے لئے رجوع کرنے کا دروازہ مفتوح رہے تا کہ مرد عورت سے رجوع کر سکے اور جس امر کو غصہ وشیطانی جوش نے اس کے ہاتھ سے نکال دیا تھا اس کو مل سکے اور چونکہ ایک طلاق کے بعد پھر بھی جانبین کی طبعی غلبات اور شیطانی چھیڑ چھاڑ کا اعادہ ممکن تھا اسلئے دوسری طلاق مدت مذکورہ کے اندر مشروع ہوئی تا کہ عورت بار بار طلاق کی تلخی کا ذائقہ چکھ کر اور خرابی خانہ کو دیکھ کر قبیحہ کا اعادہ نہ کرے جس سے اس کے خاوند کو غصہ آوے اور اس کے لئے جدائی کا باعث ہو اور مرد بھی عورت کی جدائی محسوس کر کے عورت کو طلاق نہ دے۔

اور جب اس طرح تیسری طلاق کی نوبت آ پہنچے تو اب یہ وہ طلاق ہے کہ جس کے بعد خدا کا یہ علم ہے کہ اس مرد کا رجوع اس عورت مطلقہ ثلاثہ سے نہیں ہو سکتا اس لئے جانبین کو کہا جاتا ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق تک تمہارا رجوع آپس میں ممکن تھا اب تیسری طلاق کے بعد رجوع نہ ہو سکے گا تو اس قانون کے مقرر ہونے سے وہ دونوں سدھر جائیں گے کیونکہ جب مرد کو یہ تصور ہوگا کہ تیسری طلاق اسکے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان بالکل جدائی ڈالنے والی ہے تو وہ طلاق دینے سے باز رہے گا کیونکہ جب اس کو اس بات کا علم ہوگا کہ اب تیسری طلاق کے بعد یہ عورت مجھ پر بدون شخص ثانی کے شرعی معروف ومشہور نکاح اور اس کی طلاق وعدت کے حلال نہ ہو

سکے گی اور پھر دوسرے شخص کے نکاح سے عورت کا ٹوٹنا بھی یقینی نہیں اور دوسرے نکاح کے بعد بھی جب تک دوسرا خاوند اس کے ساتھ دخول نہ کر چکے اور اسکے بعد یا تو دوسرا خاوند مر جائے یا وہ اس کو برضاء خود طلاق دیدے اور وہ عورت عدت بھی گزارے تب تک وہ اس کی طرف رجوع نہ کر سکے گا تو اس وقت مرد کو اس رجوع کی ناامیدی کے خیال سے اور ان کے محسوس کرنے سے ایک دور اندیشی پیدا ہو جائے گی اور وہ خدا تعالیٰ کے ناپسندترین مباحات یعنی طلاق کے واقع کرنے سے باز رہے گا۔

اسی طرح جب عورت کو اس عدم رجوع کی واقفیت ہوگی تو اس کے اخلاق بھی درست رہیں گے اور اس سے ان کی آپس میں اصلاح ہو سکے گی اور اس نکاح ثانی کے متعلق نبی علیہ السلام نے اس طرح تاکید فرمائی کہ وہ نکاح مدام کے لئے ہو پس اگر دوسرا شخص اس عورت سے اپنے پاس مدامی طور پر رکھنے کے ارادہ سے نکاح نہ کرے بلکہ خاص حلالہ ہی کے لئے کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے اور جب پہلا شخص اسی قسم کے حلالہ کے لئے کسی کو رضامند کرے تو اس پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما لعن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم المحلل والمحلل له

ترجمہ: یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی۔ .... تو شرعی حلالہ وہ ہے جو خود ایسے اسباب پیدا ہو جائیں کہ جس طرح پہلے خاوند نے اتفاقاً عورت کو طلاق دی تھی اسی طرح دوسرا بھی طلاق دے یا مر جائے تو عورت کا رجوع بعد عدت پہلے خاوند کی طرف بلا کراہت درست ہے۔

پس اتنی سخت رکاوٹوں کے بعد پہلے خاوند کی طرف رجوع مشروع ہونے کی وجہ بیان مذکور سے ظاہر و باہر ہے کہ اسمیں عزت و عظمت امر نکاح کی اور شکر نعمت الٰہی کا اور اس نکاح کا دوام اور عدم قطع ملحوظ ہے کیونکہ جب خاوند کو عورت کی جدائی

سے اس کے وصل ثانی تک اتنی رکاوٹیں درمیان میں حائل ہونے والی متصور ہوں گی تو وہ تیسری طلاق تک نوبت نہیں پہنچائے گا۔

ان الشارع حرمها عليه حتى تنكح زوجا غيره عقوبة له ولعن المحلل والمحلل له لمنا قضتها ماقصد الله سبحانه من عقوبته و كان من تمام هذه العقوبة ان طول مدة تحريمها عليه فكان ذلك ابلغ فيما قصده الشارع من العقوبة فانه اذا اعلم انها لاتحل له حتى تعتد بثلاثة قروء ثم يتزوجها اخرنكاح رغبة مقصودا لاتحليل موجبا للعنة ويفارقها وتعتد من فراقة ثلثة قروء اخر طال عليه الا نتظارو عيل صبره امسك عن الطلاق الثلاث وهذا اذا وقع على وفق الحكمة والمصلحة والزجر فكان التربص الثلاثة قروء فى الرجعة نظر الزوج ومراعاة لمصلحته لما لم يوقع الثالثة المحرمة لها عليه وههنا كان تربصها عقوبة له وزجرالمااوقع الطلاق المحرم لما احل الله له واكدت هذه العقوبة بتحريمها عليه الابعدزوج واصابة وتربص ثان.

ترجمہ: بیشک صاحب شریعت کا عورت کو مرد پر اس وقت تک کے لیے حرام کر دینا کہ وہ دوسرے سے نکاح کر لے مرد کے لیے ایک سزا ہے اور حلالہ کرنے کرانے والے پر اس لیے لعنت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سزا کا قصد فرمایا تھا یہ اس کے خلاف کرتے ہیں اور اس کی سزا کی تکمیل میں یہ بھی داخل تھا کہ مرد پر عورت کے حرام ہونے کی مدت طویل ہو۔ یہ صورت صاحب شریعت کے مقصود کو زیادہ پورا کرتی ہے کیونکہ جب مرد یہ جان لے گا کہ اب عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو سکے گی جب تک تین حیض (ایام ماہواری) عدت کے نہ گزارے پھر دوسرا شخص اس سے صرف شادی کی غرض سے نہ کہ لعنت والے حلالہ کی غرض سے نکاح نہ کر لے پھر وہ اس سے علیحدہ نہ ہو جائے اور عورت اس سے علیحدگی کے بعد تین حیض

عدت اور نہ گزارے تو مرد کا انتظار طویل اور صبر سخت ہو جائے گا تو یہ اس کو تین طلاق دینے سے روک دے گا اور یہ حکم بالکل حکمت مصلحت اور خیر کے موافق واقع ہوا ہے۔ اور رجعت کے لیے تین حیض تک انتظار کا ہونا مرد پر شفقت اور اس کی مصلحت کی رعایت کے لیے ہے کیونکہ اس نے ابھی تک وہ تیسری طلاق واقع نہیں کی تھی جو عورت کو اس پر بالکل حرام کر دیتی ہے اور یہاں اس مدت کا ہونا اس کے لیے سزا اور اس بات پر ناگواری کا اظہار ہے کہ اس نے وہ طلاق واقع کر دی جو اللہ کی حلال کی ہوئی نعمت کو حرام کر دیتی ہے اور اس سزا کو اس طرح قوی کیا گیا ہے کہ عورت بجز صورت کے اس پر حرام ہی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر وہ اس سے صحبت کرے پھر دوسری عدت ہو۔

ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: للذین یؤلون من نساء ھم تربص اربعة اشھر فان فاؤ افان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے جدا ہونے کے لئے قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کا انتظار ہے سو اگر وہ اس چار ماہ کے عرصہ کے اندر اپنے ارادہ سے باز آجاویں (اور رجوع کر لیں) تو خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اور طلاق دینے پر پختہ ارادہ کر لیں (اس طرح سے کہ رجوع نہ کریں) تو (یاد رکھیں) کہ خدا سننے اور جاننے والا ہے۔

ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں اہل جاہلیت اس بات کا حلف یعنی قسم کھایا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک جدا رہیں گے۔

اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہٰذا خدا تعالیٰ نے چار مہینے سے زیادہ مدت ایلاء کی منسوخ فرما دی اور اس ایلاء کی مدت چار مہینے مقرر ہونے میں بہت راز ہیں از انجملہ چند درج ذیل ہیں۔

(۱) اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا

شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر انسان ماؤف نہ ہو تو اس کے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے۔

(۲) یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کیساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف کو مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) اگر ایلاء کی مدت زیادہ ہوتی تو مرد لاپرواہ ہو کر عورت کے نان ونفقہ کو ٹال دیتا اور یہ امر عورت کے لئے سخت مضر ہے کہ وہ کہاں سے کھاتی اور کہاں سے پہنتی اور کہاں رہتی۔

(۴) ممکن ہے کہ اس ایلاء سے پہلے مرد نے عورت سے جماع کر لیا ہو جس سے احتمال حمل ہو سکتا ہے اندریں صورت براءت رحم چار ماہ میں بکمال وجوہ معلوم ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے پس اس مدت میں باکمل وجہ اور پورے طور سے ہر کسی کو شناخت حمل ہو سکتی ہے پھر اگر معلوم ہوا اور مرد رجوع بھی نہ کرے تو پھر عدت وضع حمل تک ہے۔

(۵) خدا تعالیٰ نے جو کہ دانائے راز نہاں و آشکارا ہے ایلا کی مدت چار ماہ مقرر کرنے میں یہ راز رکھا ہے کہ بالعموم فطرتی طور پر تندرست جوان عورت کو چار ماہ سے زیادہ اپنے مرد کی جدائی گراں ناگوار گزرتی ہے اور وہ غالباً اس مدت تک پھر اپنے مرد کا وصال چاہتی ہے چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

اخرج ابن جریح قال اخبرنی من اصدقه ان عمر رضی الله عنه بینهما هو یطوف سمع امراة تقول شعرا (ای فی المدینۃ ۱۲)

تطاول هذا اللیل و اسودجانبه وارقنی ان لا خلیل الاعبه

فلولا حذار الله لاشیء مثله لزعزع من هذا السریر جوانبه

فقال عمر مالک قالت اغزیت زوجی منذا شهر وقد اشتقت الیه قال اردت سوء اقالت معاذ الله قال فاملکی علیک نفسک فانما هو البرید الیه فبعث الیه ثم دخل علی حفصة فقال انی سائلک عن امرقد اهمنی فاخرجیه عنی کم تشتاق المرأة الی زوجها فخفضت راسها

واستحیت قال فان الله لایستحی من الحق فاشارت بیدها ثلاثة اشهر والافاربعة اشهر فکتب عمران لاتحسبن الجیوش فوق اربعة اشهر.

ترجمہ:۔یعنی ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی اس شخص نے جس کی بات کو میں سچ جانتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنی خلافت کے زمانہ میں بپاس خاطر رعیت گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کو شعر ذیل پڑھتے سنا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رات دراز ہوگئی اور اس کے اطراف سخت تاریک وسیاہ ہوگئے اور مجھے اس خیال نے بیدار کر دیا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے کہ جس کے ساتھ کھیلوں اگر خدائے بے مثل وبے مانند کا ڈر نہ ہوتا تو میری اس چارپائی کی طرفین ہلائی جاتیں۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو آواز دے کر کہا تو کیا چاہتی ہے اس عورت نے کہا کہ آپ نے میرے خاوند کو کئی ماہ سے غزوہ پر بھیجا ہے اور اب مجھے اپنے خاوند کے ملنے کا اشتیاق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تو بدخیال رکھتی ہے اس عورت نے کہا خدا کی پناہ میرا خیال بد نہیں ہے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ضبط رکھو۔ابھی تیرے خاوند کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کیا جائے گا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بی بی حفصہ کے پاس گئے اور حفصہ سے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جس کا مجھے بڑا اہتمام دامنگیر ہے اس کو حل کردو۔ اور وہ یہ ہے کہ کتنی مدت کے بعد عورت کو اپنے خاوند کے وصال کا شوق پیدا ہوتا ہے حفصہ نے اپنا سر نیچے کر لیا اور شرما گئیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سچی بات سے نہیں شرماتا۔پس حفصہ نے اپنے ہاتھ سے تین مہینے کا اور پھر زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی مدت تک کا اشارہ کیا یعنی مرد کو چاہیے کہ تین ورنہ چار ماہ تک ضرور اپنی عورت سے ملے پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے افسروں کے نام خط لکھ کر روانہ کئے اور تاکید کی کہ کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ لشکر میں بند نہ رکھا جائے یعنی ہر سپاہی کے ہر چار ماہ کے بعد گھر پر آنے کی رخصت کا عام حکم نافذ فرمادیا۔

وفات انبیاء کے بعد ان کی عورتوں سے اوروں کو نکاح حرام ہونے کی وجہ

انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی قریب قریب وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل از مرگ تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے اجسام مثل اجسام احیاء کے پھولتے پھٹتے نہیں چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکی ازواج مثل ازواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں اور یہی وجہ ہے کہ انکے اموال کو مثل احیاء ان کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے حدیث لاتورث کو معارض آیت یوصیکم اللہ اور آیت لاتنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ کو آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت یوصیکم اللہ اور آیت و الذین یتوفون کے مصداق وہ ہیں جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا ہو جو حالت حیات میں تھا۔ چنانچہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان میں لفظ ترک اور آیت والذین یتوفون میں لفظ توفی اس کا شاہد ہے علیٰ ہذا آیت ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا میں لفظ ترکوا قرینہ مضمون معروض ہے کیونکہ جیسے مضمون توفی جس کے معنی لغوی قبض کے ہیں جبھی چسپاں ہوتا ہے جب کہ کوئی چیز نکال لی جائے۔

اور یہ بات یہاں اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے کہ جب روح کو بدن سے نکال باہر کیا جائے کیونکہ الذین کا مصداق آیت والذین یتوفون میں وہی ہے اور نیز وہ نہ ہوتو جسم ہوگا اور ظاہر ہے کہ جسم موردتوفی وقت مرگ نہیں ہوتا کیونکہ وہ کہیں نکالا نہیں جاتا اسلئے بھی کہنا پڑے گا کہ ایسے لوگوں کی روح کو اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا ایسے ہی مضمون ترک بھی گرفتاران محبت اولاد و اموال کے حق میں جبھی صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اس خاندان سفلی کو چھوڑ کر عالم علوی کو چلے جاویں سو یہ بھی جبھی متصور ہے جب کہ روح کو وہ تعلق نہ رہے ورنہ وہ ترک نہیں بلکہ مثل بندایوان دست و پابستہ

ملاقات اولاد وتصرفات اموال سے مجبور ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سکتہ والے کی ازواج واموال بدستور اس کے ملک میں باقی رہتے گوان لفظوں میں یہ فرق ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہو جاتے ہیں مگران کا قید خانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے اس لئے وہ پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعالی اختیاریہ ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب وقمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے اسی طرح بند ہو جاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھ دینے کے وقت اس کے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے سو یہی صورت اعینہ انبیاء علیہم السلام کی موت کی سمجھ لوا تنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضاء میں سے روح کھینچ لی جاتی ہے اور تمام قوائے روحانی کو مثل قوت سامعہ وقوت باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے اگر تدبیر مناسب نہ بن پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کر دیتے ہیں اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف وجوانب سے سمٹ آتی ہے اس لئے حیات جسمانی کو نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آجاتی ہے اور مثل چراغ وظلمت ظرف محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

الغرض بقائے حیات انبیاء ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو نکاح ثانی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے انکے اموال میں میراث کا جاری ہو یا مقرر نہیں ہوا اور نیز اس حکم میں عظمت انبیاء بھی منظور ہے اور لفظ ترک گو ایک حدیث میں منسوب الی الانبیاء بھی ہے مگر دلائل حیات کے قرینہ سے وہ مشاکلۃً ومجازاً ہے۔

عورت کیلئے ایک سے زیادہ خاوند کرنے سے ممانعت کی وجہ

(۱) عورت اولاد کے حق میں ایسی ہے جیسے زمین پیداوار کے حق میں مگر پیداوار

کوتو بوجہ تشابہ اجزاء برابر بانٹ سکتے ہیں اسلئے اسکی شرکت میں کچھ حرج نہیں مگر ایک عورت اگر چند مردوں میں مشترک ہوتو بوجہ استحقاق قضائے حاجت اس صورت میں اول تو اسی وجہ سے اندیشہ فساد وعناد ہے شاید ایک ہی وقت سب کو ضرورت ہو دوسرے بعد نکاح اگر یہ جب استحقاق مذکور سب اس سے اپنا مطلب نکالتے ہیں تو درصورت تولد فرزند واحد تو فرزند کو پارہ پارہ نہیں کر سکتے جو اس طرح تقسیم کر کے اپنے پارہ کو ہر کوئی لے جائے اور متعدد فرزند ہوں تو وجہ اختلاف ذکورت وانوثت وتفاوت شکل وصورت و تباین خلق وسیرت وفرق قوت وہمت موازنہ ممکن نہیں جو ایک کو لیکر اپنے دل کو سمجھالیں پھر بوجہ تساوی محبت جملہ اولاد یہ دوسری دقت رہی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا پھر اس وجہ سے خدا جانے کیا فتنہ برپا ہو۔ غرض ہر طور اس انتظام میں خرابی نظام عالم تھی۔ ہاں اگر ایک مرد ہو اور متعدد عورتیں ہوں تو جیسے ایک کسان متعدد کھیتوں اور زمینوں میں تخم ریزی کر سکتا ہے۔ ایسے ہی ایک مرد بھی متعدد عورتوں سے بچے جنوا سکتا ہے اور پھر اسکے ساتھ اور کوئی خرابی نہیں عورتوں کے رنگ سے چنداں فساد کا اندیشہ نہیں۔ قتل وقتال کا کچھ خوف نہیں۔

(۲) عورت موافق قواعد اسلام محکوم اور مرد حاکم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ مالک ہوتا ہے کہ اسکو مالک کہا کرتے ہیں اور کیونکر نہ کہیں باندیاں تو مملوک ہوتی ہی ہیں بیبیاں بھی بدلیل مہران کی خریدی ہوئی ہوتی ہیں وہاں اگر اعتاق تو یہاں طلاق لیکن جیسے باندی غلام باختیار خود قید غلامی سے رہا نہیں ہو سکتے۔ ہاں مالک کو اختیار ہے وہ چاہے تو آزاد کر دے۔ ایسے ہی عورت باختیار خود قید خاوند سے رہا نہیں ہو سکتی البتہ خاوند کو اختیار ہے چاہے تو طلاق دیدے جیسے باندی غلام کا نان ونفقہ مالک کے ذمہ ہوتا ہے ایسے ہی عورت کا نان ونفقہ خاوند کے ذمہ ہے جیسے مالک ایک اور غلام باندی کئی کئی ہوتے ہیں ایسے ہی خاوند ایک اور عورتیں کئی کئی ہوتی ہیں بالجملہ عورتیں موافق قواعد اہل اسلام مملوک اور محکوم اور خاوند مالک اور حاکم ہوتا ہے اور خاوند کی طرف سے

بیع وہبہ کا نہ ہوسکنا دلیل عدم الملک نہیں اگر یہ بات دلیل عدم الملک ہوا کرے تو خدا کا مالک ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا عدم الملک بیع وہبہ سے منتقل نہ ہونا بعد ثبوت ملک جس کا بیان ہو چکا اسی طرح قوت ملک پر دلالت کرتا ہے جیسے خدا کے ملک کا منتقل نہ ہونا اس کے ملک کی قوت پر دلالت کرتا ہے اور اس وجہ سے شوہر کو در بارہ مالکیت خدا سے مشابہت تام ہے ہر چند خدا کے ملک کے سامنے شوہر کی ملک برائے نام ہے اور پھر اسکے ساتھ خدا کی ملک ممتنع الانفکاک (یعنی جس کا فنا ہونا محال ہو ۱۲) اور شوہر کی ملک بوجہ ثبوت طلاق ممکن الزوال مگر پھر بھی جس قدر خدا کی ملک سے شوہر کی ملک مشابہ ہے اس قدر اور کسی کی ملک مشابہ نہیں۔ الحاصل شوہر کی ملک میں کچھ کلام نہیں بلکہ اس کی ملک اوروں کی ملک سے قوی ہے وہ حاکم ہے اور عورت محکوم۔ اور ظاہر ہے کہ محکوموں کا تعدد اور ان کی کثرت موجب عزت ہے وہ بادشاہ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے جس کی رعیت زیادہ ہو اور احکام کی کثرت موجب ذلت ہے اور طریقہ تو حکام کی کثرت کا نہیں ہاں یہ صورت ہوتی ہے کہ نیچے سے اوپر تک جتنے حکام ہوں ان سب کا یا اکثر کا یا بعض کا محکوم ہو عوام رعیت کو دیکھئے وہ سب کے محکوم ہوتے ہیں اور کسی کے حاکم نہیں ہوتے۔ ان سب سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں اور احکام ماتحت حکام بالا دست کے تو محکوم ہوتے ہیں اور رعیت کے حاکم وہ رعیت سے معزز اور حکام بالا دست سے ذلیل ہوتے ہیں اسی طرح دور تک چلے چلو بادشاہ سب کا حاکم ہوتا ہے اور کسی کا محکوم نہیں ہوتا اس سے بڑھ کر کوئی معزز ہی نہیں ہوتا اس صورت میں اگر کسی عورت کے متعدد خاوند ہوں تو یہ ایسی صورت ہوگی جیسے فرض کرو ایک شخص تو رعیت ہو اور اس کے بادشاہ اور حاکم کثیر سب جانتے ہیں کہ یوں نہیں ہوا کرتا اور مرد کیلئے بہت سی عورتیں ہونا کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ مرد مخدوم ہے اور عورت خادم ایک مخدوم کیلئے بہت خادم ہوسکتے ہیں مگر ایک خادم بہت سے مخدوموں کیلئے نہیں ہوسکتا۔

(۳)......عورت کے اندر خدا تعالیٰ نے فطرۃً ایک شرم وحیا کا وصف ایسا پیدا کیا

ہے کہ وہ غیر مردوں کے سامنے آنے سے جھجکتی ہے عورت جب مرد سے کوئی بات کرنے لگتی ہے تو شرم کے مارے بار بار اپنی آنکھیں جھکا لیتی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ فاحشہ عورتوں کے سوائے جن کی فطری قوت حیا بالکل ضائع اور معدوم ہو جاتی ہے باقی سب عورتیں اپنی نیچرل (یعنی فطری طبعی حالت) حالت میں مردوں سے حیا اور حجاب کرتی ہیں۔ مادہ حیا جو خدا تعالیٰ نے انکی فطرت میں پیدا کر رکھا ہے ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک ہی خاوند کیلئے ہیں کیونکہ کئی مردوں سے تعلق رکھنے میں یہ حیاء رہ نہیں سکتی جیسا بازاری عورتوں میں مشاہدہ ہے۔

(۴) تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ ایک مرد عند الضرورۃ کئی جورو (بیوی) کرلے تو بھی سب کے ساتھ نباہ سکتا ہے مگر ایک عورت دو خاوندوں کی بی بی ہو کر کبھی نباہ نہیں سکتی اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرد کیلئے کئی جوروئیں ہو سکتی ہیں مگر ایک عورت کیلئے کئی خاوند نہیں ہو سکتے۔ (۵) دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے اکثر زیادہ رہتی ہے اور یہ امر صریح دلیل ہے اس بات کی کہ ایک مرد کیلئے کئی جوروئیں ہو سکتی ہیں مگر اس کے برعکس قدرت کی مرضی نہیں۔

(۶) مرد کو پروردگار نے عورت کی نسبت قوی اور زبردست پیدا کیا ہے اور عورت کو نازک اور ضعیف الاعضاء۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہے کہ قوی کئی زیر دستوں کو اپنے ماتحت رکھ سکتا ہے۔ نہ برعکس۔

(۷) قدرتی تعلق کی طرف غور کریں تو ایک عورت کے اگر سو خاوند بھی ہوں تاہم ایک حمل میں وہ ایک دو بچے سے زیادہ جن نہیں سکتی۔ مگر ایک مرد کے چاہے جسقدر جوروئیں ہوں وہ سب توالد کو پورا کر سکنے کا واسطہ ہو سکتی ہیں۔

بہشت میں مردوں کیلئے زیادہ عورتیں ملنے کا راز اور عورتوں کیلئے ایک سے زیادہ خاوند نہ ہونے کی وجہ

(۱) انعام میں راحت کے سامان اور اعزاز و اکرام کے اسباب تو دیئے جاتے

ہیں پر رنج و کلفت کے سامان اور تحقیر و توہین کے اسباب انعام میں نہیں دیئے جاتے۔ یہ چیزیں سزا کیلئے ہوتی ہیں بہشت میں جو کچھ ہوگا بطور انعام و جزا ہوگا اگر وہاں ایک مرد کو متعدد عورتیں ملیں تو اعزاز و اکرام بھی ہے اور راحت و آرام بھی ہے اور ایک عورت کو متعدد خاوند ملیں تو راحت و آرام تو کچھ زیادہ نہ ہوگا خاص کر اس صورت میں جب کہ مرد کی قوت سب عورتوں کی خواہش کے برابر بڑھائی جائے جیسے اہل اسلام کی روایات اس پر شاہد ہیں۔ پر بجائے اعزاز و اکرام الٹی تحقیر و تذلیل و توہین ہوگی۔

اگر ایک عورت کیلئے کئی خاوند قرار دیئے جاتے تو یوں کہو کہ حاکم متعدد ہوں گے اور حاکم متعدد ہوئے تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت زیادہ ہوگی سو یہ تحقیر اور تذلیل اور توہین عورت کے حق میں اگر جائز ہوتی تو دنیا میں کسی مذہب میں شاید اس کی اجازت ہوتی۔ بہشت میں جو جائے عزت و آرام ہے یہ صورت تحقیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں۔ ہاں اگر ایک خاوند سے رفع ضرورت منظور نہ ہوتی یا لذت میں کمی رہتی تو اس وقت شاید بہ لاچاری یہ امر ان کیلئے تجویز کیا جاتا۔

مگر روایات صحیحہ اہل اسلام اس پر شاہد ہیں کہ ایک مرد کو بہشت میں اتنی قوت ہو گی کہ علی الاتصال تیس تیس عورتوں کے پاس جاسکے اور جس طرح رب العالمین نے دنیا کے اندر مرد و عورت کی حالت اور فطرت میں اختلاف کیا ہے یعنی مرد حاکم ہے اور عورت محکوم مرد مخدوم ہے اور عورت خادم مرد کا پاسا زبر ہے اور عورت کا زیر۔ اسی طرح جنت میں بھی انکی حالتوں میں اختلاف ہوگا۔

عورت کیلئے کیوں ایک ہی خاوند ٹھہرایا گیا اس کی ایک اور وجہ

خدا تعالیٰ نے مردوں کو رسالت و نبوت و خلافت و بادشاہی امارت میں عورتوں پر فضیلت دی ہے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا تا کہ وہ عورتوں کے مصالح و بہبودی میں کوشاں رہیں اور انکے امور معاش کیلئے چلتے پھرتے رہیں اور خطرناک مقامات میں وارد ہوں اور جنگلوں اور بیابانوں کو طے کریں

اور اپنی جانوں کو عورات کیلئے محنت و مشقت میں ڈالیں پس خدا تعالیٰ نے مردوں کی قدر دانی کی ہے اور ان کو وہ اختیارات دیئے ہیں جو عورتوں کو نہیں دیئے اور مردوں کو وہ طاقتیں دی ہیں جو عورتوں کو نہیں دیں جب تم مردوں کی محنت و مشقت میں غور کرو گے جو کہ عورتوں کے مصالح و بہتری میں ساعی رہتے ہیں تو تم پر صاف عیاں ہو جائے گا کہ عورات کی محنت مردوں کا حصہ محنت و مشقت و عمل میں زیادہ تر ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کے کمال حکمت اور اسکی رحمت پر مبنی ہے پس جب کہ مرد پر اسقدر بوجھ ڈالے گئے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ان بوجھوں کی برداشت کی طاقت بھی زیادہ رکھی گئی ہے اور وہ کئی عورتوں کو بھی رکھ سکتا ہے اور جب کہ عورت پر اسقدر بوجھ نہیں ڈالے گئے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان بوجھوں کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتی اس لئے خدا تعالیٰ نے عورت کی فطرت و سرشت کے مطابق ہر ایک عورت کیلئے ایک ہی خاوند تجویز فرمایا۔

کتابُ الرقاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی غلامی کی فلاسفی اور اسلام سے پہلے غلامی کی حالت

الحمد لله الذى خلق الناس نوعين الادنىٰ و الا عالى ليتخذ بعضهم بعضا سخريا والصلوة و السلام على رسوله محمد المصطفے واحمد المجتبى الذى جعله اعدل الناس ليكون لهم اسوة حسنة وشفيعا وعلى اله و اصحابه هداة طريق الحق وحماة الاسلام

امابعد: واضح ہو کہ جن لوگوں نے غلامی کے خلاف لکھا ہے انہوں نے اسکی اس قدر تقبیح کی ہے اور اسکو سرتاپا خوبیوں سے اسقدر خالی اور مضرات سے اس قدر پرتاب کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص ٹھنڈے دل سے اور جوش سے خالی ہو کر اس مضمون پر قلم اٹھائے (جس کا یہ مقصد ہو کہ ہر شئی کی تہہ تک پہنچے اور بدی پر اسوقت بھی لعنت بھیجنے کے لیے تیار ہو جب کہ وہ نیکی کا لباس پہن کر نکلے اور نیکی کی اس وقت بھی تعریف کرنے کیلئے آمادہ ہو جبکہ تمام دنیا اس نیکی کو برا سمجھ رہی ہو) اس شخص کا فرض ہوگا کہ ابتداء ہی میں اس غلط فہمی کو دور کرے کہ غلامی کا رواج سراسر لغو اور فضول تھا جس سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان تھا۔ اسلئے میں بھی اس غلط فہمی کو دور کرتا ہوں پس سنئے حق یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنی تدریجی ترقی میں ایسی حالتوں سے ہو کر گزری ہے کہ ان حالات کے ماتحت غلام بنانے میں نہ صرف وہ

حق ہی پر تھے بلکہ ضروری تھا کہ ایسے حالات میں غلامی کا رواج ہوتا تو دنیا میں بہت سے رواج اب تک ایسے چلے آتے ہیں کہ جن پر غور کرو تو وہ دل پر ایک دہشت سی پیدا کرتے ہیں مگر تاہم بہت سے اغراض ترقی کیلئے ان کا جاری رہنا ضروری ہے جس وقت ایک فتح یاب جرنیل بڑے بڑے جہازوں کو جن پر ہزار ہا انسان ملک کے چیدہ اور بہادر نوجوان موجود ہوتے ہیں ایک دم غرق کر کے سمندر کی تہہ میں پہنچا دیتا ہے یا ایک بڑے شہر پر گولہ باری کر کے بے شمار بے گناہ عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتا ہے تو کبھی اسکی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آتا مگر ہر حالت میں یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ ایک سخت دل ظالم اور بے رحم انسان ہے وہ لوگ جو اپنی رحم دلی کے سبب ایک انسان کے قتل کو برداشت نہیں کر سکتے اور اس کے واقعات کو سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔ وہی دوسرے موقعوں پر ہزار ہا انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے یا اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر بھی لرزہ نہیں کھاتے بلکہ بسا اوقات خوش ہوتے ہیں جنگوں کا ہونا انسانی سوسائٹی کی ضروریات میں سے رہا ہے اور اب تک یہی حال ہے۔ جوں جوں انسانی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے یہ معلوم ہوگا کہ لڑائیاں انسان کی ابتدائی ترقی میں اس کی موجودہ حالت سے بڑھ کر ضروری رہی ہیں اور انہی جنگوں کے لوازم میں سے ہی غلامی بھی ہے بلکہ درحقیقت غلامی کا رواج انسانی ترقی میں ایک عظیم مرحلہ تھا کیونکہ اس رواج کے ساتھ وہ بے رحمی جاتی رہی جس کی رُو سے کل کے کل اسیر جو کسی دوسری قوم کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے ہوں قتل کیے جاتے تھے۔

چنانچہ ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے:

مگر اس بات کو ابھی تک لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پچھلی تمدنی تدریجی ترقی میں جنگ ایک ضروری فرض کو ادا کرنیوالی تھی۔ اول اس لحاظ سے کہ جنگ کا اصل مقصود یہ تھا کہ متفرق قومیں ایک ہو جائیں اور اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ مخالفین میں سے جو لوگ پکڑ لئے جائیں وہ ایک ماتحتی کی حالت میں رکھے جائیں تا کہ دوبارہ

اس قوم کو سر اٹھانے کی طاقت نہ ہو اور یوں جنگ کا اصلی مقصد حاصل ہو۔

دوئم اس لحاظ سے کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابتداء میں انسانی سوسائٹی میں محنت اور مشقت کے کاموں سے گریز کیا جاتا ہے اور عموماً آرام طلبی زیادہ ہوتی ہے پس جب ایک قوم کے لوگ اپنے مخالفوں کے درمیان آ کر رہیں گے تو وہ سوائے مجبوری کے کبھی کام نہ کریں گے اس لئے ضروری ہوا کہ ان کو غلام بنا کر ان سے کام لیا جائے۔ اس دوسرے امر کے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ دنیا کی کسی قوم میں بھی خود بخود اور خوشی سے محنت کو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک ملک میں جس کا ہمیں علم ہے بھی نظر آتا ہے کہ زبردستوں نے مجبور کر کے زیردستوں کو کام پر لگایا ہے اور ان سے محنت شاقہ کے کام لئے ہیں اور آخر جب مدت تک یہ مجبوری چلی آئی تو پھر اس قوم کی عادت میں وہ امر داخل ہو گیا۔ امر اول کے لحاظ سے آزاد آدمی لازماً جنگ پیشہ تھے اور غلام محنت کا کام کرنے والے لوگ تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کیلئے بطور معاون تھے اور ایک کا وجود دوسرے کیلئے ضروری تھا اور یوں بغیر مقابلہ اور جھگڑے کے وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہو کر انسانی سوسائٹی کی ترقی کے ذرائع تھے۔

اسلام میں غلاموں سے سلوک

یہ ایک امر واقع ہے جس کی تصدیق روز مرہ واقعات سے ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں مالک اور مملوک کا تعلق مغرب میں آقا اور نوکر کے تعلق سے بدر جہا بہتر ہے جو لوگ صاحب مرتبہ یا صاحب ثروت ہیں وہ غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ تحقیر ان مغربی اقوام میں سب سے بڑھی ہوئی ہے جن کو اس بات پر فخر ہے کہ ہم غلامی کے رواج سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غلامی کے نام کو انہوں نے دور کر دیا ہے مگر اس کی حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ایک مہذب مغربی جب ایک غیر قوم کے آدمی کو ملازم رکھتا ہے تو وہ اسے ایک وحشی سے بھی بدتر سمجھ کر سلوک کرتا ہے خصوصاً اس حالت میں جب ملازم کا کام ادنیٰ درجہ کا ہو اور جہاں

تک نیت اور سلوک کا سوال ہے کوئی شخص امتیاز نہیں کر سکتا کہ صاحب کا سلوک اپنے نوکر سے اچھا ہے یا قدیم زمانہ میں ایک رومی کا تعلق اپنے غلام سے اچھا تھا شاید ہی کوئی موسم گرما ایسا گزرتا ہو گا جب یہ آواز ہمارے کانوں میں نہ پڑتی ہو کہ ایک غریب پنکھا قلی کو آقا نے مار مار کر صرف اسلئے ہلاک کر دیا کہ اس بدقسمت کو تھک کر ذرا اونگھ آ گئی تھی اس حالت میں میں نہیں سمجھتا کہ رومی مالک کو وہ کونسا اختیار اپنے غلام پر حاصل تھا جو اب ایک مہذب عیسائی کو اپنے نوکر پر حاصل نہیں یا کونسی بدسلوکی وہ کرتا تھا جو اب نہیں کی جاتی اور گالیاں دینا یا معمولی طور پر مار لینا تو کوئی بات ہی نہیں۔

مہذب مغربی اقوام کو غلامی کے موقوف کرنے پر اس وقت تک فخر نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ حقیقت غلامی یعنی نوکروں پر ظلم اور انکے ساتھ بدسلوکی سے وہ نجات حاصل نہ کر لیں اگر غلامی موقوف کرنے میں بڑی غرض یہ تھی کہ جو ظلم ایک مالک مملوک سے خدمت لینے میں کر سکتا ہے اس کو روکا جائے اور ان لوگوں کو جو کہ غلام کہلاتے ہیں انکی ذلیل حالت سے نکال کر دوسرے انسانوں کی طرح انکو سمجھا جائے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یورپ میں سے ابھی تک غلامی کا رواج دور نہیں ہوا اور ابھی تک وہ مقصد حاصل نہیں کیا جو اسلام اس سے تیرہ سو برس پہلے حاصل کر چکا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یورپین دیسی ملازموں کو جن سے وہ خدمت کا کام لیتے ہیں وحشیوں سے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر اتنی بات سے کیا فرق ہو جائے گا کہ وہ انکا نام غلام نہیں بلکہ خادم رکھتے ہیں آقا اور خادم کے اچھے تعلقات کو سمجھنے میں یورپ ابھی اسلام سے باوجود تیرہ صدیاں گزر جانے کے بہت پیچھے ہے جو ذلت قدیم اقوام میں غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو ذلت آج بھی غریب اور کم حیثیت آدمیوں کی کی جاتی ہے اسلام نے اسکو غلامی کے نام سے قطعاً دور کر دیا اور نہ صرف لفظوں میں ہی بلکہ عملی طور پر اسے جڑ سے کاٹ دیا۔ اسلام کے ظہور سے آقا اور خادم یا مالک اور مملوک کے تعلقات سے برادرانہ تعلقات سے بدل گئے۔ آقا اپنے غلام کی محنت کے کاموں میں

شریک ہونے لگا۔ اور غلام اپنے آقا کی وجاہت اور عزت میں شریک ہو گیا۔ یہ صرف انہیں آقاؤں کی حالت نہ تھی جو سوسائٹی کے درمیانی یا نیچے درجہ میں تھے بلکہ معزز سے معزز اور دولتمند سے دولتمند آقاؤں کا بھی یہی حال تھا سب سے پہلے ہمیں قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنا چاہیے کہ وہ غلاموں کے ساتھ کیسا سلوک چاہتا ہے۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت قرآن کریم کی وارد ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا o (سورۃ النساء:36)

یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور احسان کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں (یعنی دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہ کریں اور بڑائی مارتے پھریں (یعنی دوسروں کو حقیر سمجھیں)

اس آیت شریفہ میں دو قسم کے احکام ایک ہی جگہ اکٹھے کر کے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکی مخلوق سے نیکی اور دوسرے حصہ میں بعض لوگ جن کے ساتھ انسان کو نیکی کرنی چاہیے مخصوص کر کے بیان کئے گئے ہیں تا کہ انکی طرف زیادہ توجہ ہو ان دونوں احکام کو ایک ہی جگہ بیان کرنے سے یہ مقصود ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرانا اسلام لانے کیلئے ضروری ہے ویسا ہی مخلوق کے ساتھ بھی نیکی کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی دو شریعت کے بھاری اجزاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرنا اور اس کی مخلوق سے نیکی کرنا۔

پس جہاں انجیل غلاموں کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہتی

قرآن کریم اسے ایسا ضروری قرار دیتا ہے جیسا والدین سے نیکی کرنا کیونکہ ایک سے ہی الفاظ میں دونوں احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اس قدر صاف حکم غلاموں سے نیکی کرنے کا ہے جس سے کوئی دشمن اسلام بھی انکار نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ہلیو نے اپنی ڈکشنری آف اسلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ بالکل صاف امر ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں غلاموں کے ساتھ نیکی کرنے کی بڑے زور کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔

اسکے علاوہ دینی اخوت کا سلسلہ جو اسلام نے قائم کیا وہ بجائے خود ایک زبردست محرک نیک سلوک کا تھا۔ آزاد عورتوں اور غلاموں کے درمیان اور آزاد مرد اور لونڈیوں کے درمیان نکاح جائز قرار دیئے گئے۔

ایک مشرکہ آزاد عورت اور مسلمان لونڈی میں نکاح کے وقت ترجیح لونڈی کو دی گئی اور ایک مشرک مرد اور مسلمان غلام میں ترجیح غلام کو دی گئی۔ بات بات پر غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیکر یہ سمجھایا گیا کہ غلاموں کے ساتھ نیکی کرنا اور انکو آزاد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب فعل ہے لونڈی اگر نکاح کے بعد فحش کی مرتکب ہو تو اس کی سزا آزاد عورت سے نصف رکھی گئی ہے۔ غلاموں کے نکاح کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا چنانچہ فرمایا۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ.
اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ○

ترجمہ: اور تم میں سے جن کے ازواج نہیں ان کے نکاح کرو۔ اور نیز تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں انکے بھی نکاح کروا گر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ (النور:۲۴۔۳۲)

قبل از اسلام جو بدیاں عرب میں لونڈی غلاموں کے معاملہ میں تھیں ان سب کو دور کیا گیا منجملہ انکے ایک یہ بدرسم بھی تھی کہ لونڈیوں سے بدکاری کرا کر اس مال سے

فائدہ اٹھاتے۔ جس کی خاص طور پر ممانعت قرآن شریف میں کی گئی ہے۔

یہ ہیں قرآن شریف کے احکام ان میں سب سے پہلے یہ امر دیکھنا چاہیے کہ ان احکام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے متبعین نے کیا سمجھا اور ان پر کیونکر عمل کیا اس غرض کے لئے احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے عمل کو سب سے پہلے دیکھنا چاہیے۔ احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر زور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر دیا اور پھر خود بھی اس حسن سلوک کا نمونہ دکھایا ہے اس سے اگر موازنہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ کسی دوسرے مصلح نے آپ کے بالمقابل کچھ بھی نہیں کیا سب سے پہلے میں صحیح بخاری کی احادیث کو بیان کرتا ہوں اور پھر دوسری متفرق احادیث کو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اخوانکم خدمکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوة تحت یده فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولاتکلفو هم مایغلبهم فان کلفتموهم ما یغلبهم فاعینوهم.

یعنی یہ تمہارے بھائی تمہارے خدمتگار ہیں اللہ نے انہیں تمہارے ہاتھ کے نیچے رکھا ہے پس جس شخص کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ جو چیز آپ کھاتا ہے اسی میں سے اسے بھی کھلائے اور جو پوشاک آپ پہنتا ہے اسی میں سے اسے بھی پہنائے اور ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام انکو دو تو پھر انکو مدد بھی دو۔

بتاؤ کہ اور کونسا ایسا انسانوں کا ہمدرد پیدا ہوا ہے یا کون مصلح ہے جس نے ایسے کامل اخوت آقا اور غلام میں پیدا کی ہو جو صرف الفاظ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملی رنگ ملا ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک ایسا ہی لباس اور ایک سی خوراک ہو پھر یہی نہیں بلکہ غلاموں کی حالت بہت ہی قابل رشک معلوم ہوتی ہے جب ہم آپ کے ایک

صحابی رضی اللہ عنہ کے یہ پیارے الفاظ پڑھتے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ لولا الجهاد فی سبیل الله والحج وبرامی لاحببت ان اموت وانامملوک.

قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں جہاد اور حج اور اپنی ماں کی خدمت نہ ہوتی تو میں پسند کرتا کہ غلامی کی حالت میں ہی مروں۔

پھر غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک صرف اسی حد تک محدود نہیں رکھا گیا کہ ان سے کام لیا جائے اور انکے ساتھ نیکی کی جائے بلکہ انکی عمدہ پرورش کیلئے بھی جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

چنانچہ لونڈیوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی:

قال النبی صلی الله علیه واله وسلم ایمارجل کانت له جاریة فادبها فاحسن تعلیمها واعتقها وتزوجها فله اجران.

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اس کی تادیب کرے لیکن اسے اعلیٰ درجہ کے نیک اخلاق کی تربیت دے اور اسکو نہایت عمدہ تعلیم دے پھر اس کے بعد اسے آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔

اس حدیث کی طرف میں خصوصیت سے ان کوتاہ نظروں کو توجہ دلاتا ہوں جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو جاہل رکھنا چاہتا ہے وہ غور کریں کہ آزاد عورتیں تو ایک طرف رہیں اسلام تو لونڈیوں کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ انکو نہایت عمدہ تعلیم اور تربیت دی جائے۔ اسی حدیث سے نہایت صفائی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا مطمع نظر غلاموں اور لونڈیوں کو کس درجہ تک ترقی دینے کا ہے۔

بہت سی اور حدیثیں ہیں جن میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے بارہ میں تاکید کی گئی ہے ان میں سے مشکوٰۃ کی بعض حدیثوں کا ترجمہ لیں۔ صاحب نے اپنے ترجمہ الف لیلہ کے نوٹوں میں دیا ہے اور انہی کو ہلیوں نے اپنی ڈکشنری آف اسلام

میں نقل کیا ہے ان میں سے بعض کا اردو ترجمہ میں یہاں کر دیتا ہوں۔

اپنے غلاموں کو اس کھانے میں سے کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ۔ جو تم خود پہنتے ہو اور انکو ایسا کام کرنے کو نہ دو جو ان کی طاقت سے بڑھ کر ہو جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ مارتا ہے یا اس کے منہ پر مارتا ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کرے۔ جو شخص اپنے غلام سے سختی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جو شخص ماں اور بیٹے میں جدائی پیدا کرتا ہے (یعنی لونڈی کو بیچ کر) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس کے دوستوں سے جدا کرے گا۔

ان تمام احادیث سے نہایت صاف اور یقینی شہادت اس بات کی ملتی ہے کہ مذہب اسلام میں غلام کو غلام سمجھا ہی نہیں گیا بلکہ اس کے کام کو الگ چھوڑ کر جو اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے اپنے مالک کے برابر سمجھا گیا ہے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں جب پہلے ہی ایک سچے ہمدرد بنی نوع انسان نے یہ ہدایتیں جاری کیں نہ صرف جاری کیں بلکہ ان پر عمل کیا اور کرایا مگر آج باوجود تیرہ سو سال گزر جانے کے اور باوجود بڑے بڑے ہمدردی کے دعووں کے کسی شخص میں اس قدر اخلاقی جرأت بھی نہیں جو ان ہدایتوں پر عمل کرنا تو در کنار رہا نوکروں کے متعلق اسی قسم کی ہدایتیں دینے کی جرأت کرے۔

اب میں چند اور حدیثیں نقل کرتا ہوں تا کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تاکید غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق کی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مرض الموت میں آپ کے منہ میں یہ الفاظ تھے: **الصلوة وما ملكت ايمانكم** جس کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں کا خاص طور پر خیال رکھو یعنی نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک۔ اس حدیث سے کیسی صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں انسانوں کے ساتھ اور خصوصاً اس جماعت کے ساتھ جس کو دنیا کی سب قوموں نے ذلیل سمجھا اور اب تک ذلیل سمجھ رہے ہیں (یعنی غلام) کیسا سچی ہمدردی کا جوش تھا اور کس قدر ان کی بہتری کی فکر آپ کو تھی کہ

اخیر وقت میں بھی یہی الفاظ آپکے منہ سے نکلے آپ کیا چاہتے تھے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ میں کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں آپ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب اس کے سوال کا نہ دیا وہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ سامنے آیا اور یہی سوال دہرایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بغیر جواب دینے کے منہ پھیر لیا چوتھی مرتبہ جب اس نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اعف عن عبدک سبعین مرة فی کل یوم

یعنی تو ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کو معاف کیا کر۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا آج ان اقوام میں جو مہذب کہلاتی ہیں ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اپنے خدمتگار کو باوجود اسکے قصور کے ستر دفعہ معاف کر سکے مگر اسلام میں غلاموں کے متعلق واقعی ایسا عملدرآمد ہوا آپ کا دل یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غلام کو غلام پکارا جائے کیونکہ اس نام میں حقارت پائی جاتی تھی اور آپ پسند نہ کرتے تھے کہ کسی قسم کی بھی تحقیر ان کی کی جائے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

لایقل احدکم عبدی وامتی ولیقل فتای وفتاتی وغلامی

چاہئے کہ تم یہ نہ کہو کہ میرا غلام یا میری لونڈی بلکہ یوں کہو کہ میرا فتا یا فتاۃ یا اے میرے نوجوان یہ لفظ فتی ہر ایک جوان مرد اور جوان عورت پر بولے جاتے ہیں لفظ غلام بھی عربی میں عبد اور امۃ کہنے سے اس لئے روکا کہ یہ الفاظ عموماً لونڈیوں اور غلاموں پر بھی بولے جاتے تھے اور وہ الفاظ جن کے بولنے کی ہدایت کی ہے وہ عام ہیں آزاد مردوں اور عورتوں پر بھی بولے جاتے ہیں اور اس نہی کی اور توجیہ بھی ہے۔

اسکے بعد میں یہ بیان کروں گا کہ ان ہدایات پر عمل بھی کیا جاتا تھا یا نہیں اور اگر کیا جاتا تھا تو کس حد تک مگر قبل اس کے کہ میں عمل کی نظیریں پیش کروں ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر غلاموں کو اس قدر حقوق دیئے گئے تھے اور انکی اس

قدر رعایت ضروری تھی جیسا کہ حدیثوں سے پتہ لگتا ہے تو پھر مالک اور مملوک میں فرق ہی کیا تھا۔ اس کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالا میرالذی علی الناس راع وھو مسئول عنھم والرجل راع علی اھل بیته وھو مسئول عنھم والمرأة راعیة علی بیت بعلھا وولدہ وھومسئولة عنھم والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنه

یعنی تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس امیر جو لوگوں پر مقرر حاکم ہے اور اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر پر اور اسکی اولاد پر حاکم ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور غلام اپنے آقا کے مال پر حاکم ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اس حدیث کی رو سے ہر ایک شخص کے سپرد جدا جدا کام ہے اور ایک رنگ میں ایک شخص حاکم ہے اور دوسرے رنگ میں وہی محکوم ہے۔ اسلام ایسی مساوات کی تعلیم نہیں دیتا جس سے چھوٹوں بڑوں کا امتیاز بھی اٹھ جائے اور دنیا کے کاروبار بند ہوجائیں بلکہ ایک ایسی اخوت قائم کرتا ہے کہ کام بھی سب کے الگ الگ رہیں اور سوسائٹی میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ان میں انسان اور پھر بھائی ہونے کی حیثیت سے ایک مساوات بھی ہو نہ کام مقرر کرنے سے اسلام کی پاک تعلیم کا یہ منشا ہے کہ آقا غلام کے کام کو ذلیل سمجھ کر اسے ہاتھ نہ لگانے دے اور آقا کا کام غلام کی عزت سے بڑھ کر سمجھا جائے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ضرورت کے وقت آقا غلام کے کام میں اسکی مدد کرے اور جو فوائد آقا اٹھاتا ہے غلام کو ان سے محروم نہ رکھا جائے البتہ فرق دونوں میں یہ رکھا ہے کہ آقا کو چاہیے کہ وہ اپنے غلام سے نیکی کرے اور احسان برتے اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی سچے دل سے فرمانبرداری

کرے وہ اپنے اپنے مفوضہ کاموں کو بجالاویں۔ باقی امور میں وہ مساوی ہیں۔

اب میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف معلم ہی تھے بلکہ ہر بات میں خود ایک پاک نمونہ بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی تعلیم کا وہ زبردست اثر آپ کے صحابہ اور مسلمانوں پر ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہا اس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھ کو اف تک نہیں کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں نہیں کیا اور آپکا سلوک تمام دنیا سے بڑھ کر اچھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم یا کسی عورت کو نہیں مارا۔

آپ کے صادق محب اور مخلص بھی آپکے نقش قدم پر ہی چلتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اسیران جنگ میں سے ایک اسیر ایک صحابی ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطور غلام کے دیا اور انکو نصیحت کی کہ اس سے نیک سلوک کرنا۔ ابوالہیثم اس غلام کو لے کر گھر گئے اور اپنی بی بی کو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ غلام دیا ہے اور ساتھ ہی یہ وصیت کی ہے کہ اس سے حسن سلوک کرنا۔ بی بی نے کہا کہ اس نصیحت پر تم پورا کیونکر عمل کر سکتے ہو۔ سوائے اسکے کہ غلام کو آزاد کرو چنانچہ ابو الہیثم رضی اللہ عنہ نے وہ غلام اسی وقت آزاد کر دیا۔

زنباع نے اپنے ایک غلام کو ایک لونڈی کے ساتھ پایا اور اس کی ناک کاٹ ڈالی غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کس نے تیرا یہ حال کیا ہے غلام نے کہا زنباع نے چنانچہ اسی وقت زنباع کو طلب کیا گیا اس نے جو دیکھا تھا بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو فرمایا کہ جا تو آزاد ہے پھر غلام نے کہا

یارسول اللہ! میں کس کا مولیٰ کہلاؤں گا۔ (یعنی میرا معاون اور مددگار کون ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اور اسکے رسول کا مولیٰ۔

چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک جیتے رہے اس کی مدد کرتے رہے آپ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور واقعہ آپ کو یاد دلایا اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے اور اس کے عیال کے لیے گزارہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا آپ نے پوچھا تو کہاں جانا چاہتا ہے عرض کیا مصر میں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم مصر کے نام حکم لکھ دیا کہ اس کو اس کے گزارہ کیلئے زمین دیدو۔ سبحان اللہ کیسا پاک وعدہ تھا اور کیسا پاک اس کا ایفاء ہوا۔

ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ ناگہاں میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی۔ ابومسعود یاد رکھو کہ جس قدر طاقتور حاکم تم اس پر ہو اس سے زیادہ طاقتور حاکم خدا تم پر ہے۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اسی وقت اس کو خدا کیلئے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو تم آگ میں پڑتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک روز دیکھا کہ ایک آدمی سوار ہے اور اسکا غلام اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے آپ نے فرمایا اسے اپنے پیچھے بٹھالو کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے۔

معرور کہتے ہیں میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک نیا عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں میں نے پوچھا تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک آدمی کو اس سے مراد کوئی غلام ہے' کچھ برا بھلا کہا۔ اس نے میری شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کی آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اسکی ماں سے اسکو عار دلائی

اور پھر فرمایا کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر تمہارے بھائی ہیں پس جس شخص کا بھائی اسکے ہاتھ کے نیچے ہو اسے چاہیے کہ اپنے کھانے سے اسے کھلائے اور اپنے لباس سے کپڑا پہناوے تم اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دو جوان کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر دو تو پھر اس کے کرنے میں خود مدد دو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک غلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا کان مروڑا اور پھر اپنے عمل سے توبہ کی اور اس غلام سے کہا کہ تو بھی اسی طرح میرا کان مروڑ۔ مگر اس نے انکار کیا آپ نے اصرار کیا تو اس نے آہستہ آہستہ کان مروڑنا شروع کیا آپ نے کہا زور سے مروڑ کیونکہ میں قیامت کے دن سزا برداشت نہیں کرسکتا۔ غلام نے جواب دیا اے میرے آقا جس دن سے تو ڈرتا ہے اسی دن سے میں بھی ڈرتا ہوں۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ انکے ایک غلام نے بھیڑ کو پکڑتے ہوئے اسکی ایک ٹانگ توڑ دی انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں ایسا کیا۔ کہا آپکو غصہ دلانے کیلئے۔ آپ نے فرمایا جس نے تجھے یہ تعلیم دی میں اسے غصہ دلاؤں گا یعنی شیطان کو۔ جا اور تو خدا کیلئے آزاد ہے۔

غلاموں یا آزاد کردہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو جو کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنایا قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی اور بڑے آدمی کو افسر بنائیں مگر آپ بہت ناراض ہوئے کہ جو کام میرے پیارے محبوب اور آقا نے کیا ہے میں اسے منسوخ کروں۔ جب فوج کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ پیدل روانہ ہوئے اور وہ سوار تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ! یا آپ بھی سوار ہو جائیں اور یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی پیدل

چلوں مگر آپ نے نہ مانا اور کچھ دیر تک نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح ساتھ گئے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دیکر ایک جماعت حاکم مصر کے پاس بھیجی جس کا سردار عبادہ کو قرار دیا جو حبشی تھے اور حبشی اس زمانہ میں بطور غلاموں کے فروخت ہوتے تھے۔ جب یہ جماعت حاکم مصر کے سامنے آئی تو اس نے کہا کہ اس حبشی کو باہر نکال دو انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمارا سردار ہے اور جو بھی یہ کہے گا یا کرے گا۔ اس کے ہم پابند ہیں۔

مقوقس حیران ہوا اور پوچھا تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنالیا۔ انہوں نے کہا سرداری ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر نہیں بلکہ فضیلت پر ہے سو یہ ہم سب میں سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بادشاہ کا سلوک جو اپنے غلاموں سے تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی میں غلاموں کی کیا حیثیت تھی اور وہ لوگ کس طرح پر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں پر عمل کرتے تھے۔ جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو لکھا تو آپ فی الفور روانہ ہو گئے آپ کے ساتھ اپنا غلام بھی تھا۔ مگر سواری کیلئے اونٹ صرف ایک ہی تھا اسلئے خلیفہ اور غلام باری باری اس پر چڑھے اور جس کی باری نہ ہوتی وہ پیدل ہمراہ دوڑتا۔

جب آپ اور عبیدہ کے ڈیرے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً غلام کی باری سواری کی آگئی آپ اتر کھڑے ہوئے اور غلام کو سوار کیا اور آپ پیدل ہمراہ بھاگتے تھے اور تمام نظریں آپکی طرف لگی ہوئی تھیں ابوعبیدہ نے اس بات سے ڈر کر کہ امیر المومنین کو اس طرح پیدل بھاگتا ہوا دیکھ کر یروشلم کی اہالی پر بُرا اثر نہ ہو اور مبادا جنگ رخ پلٹ دے عرض کیا تمام نظریں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اس صورت میں یہ مناسب نہیں کہ آپکا غلام تو سوار ہو اور آپ نوکروں کی طرح ساتھ ساتھ بھاگیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو سن کر غضب میں آئے اور فرمایا کہ تجھ سے پہلے مجھے ایسے کسی نے نہیں کہا۔ ہم سب لوگوں سے زیادہ ذلیل اور حقیر اور سب سے تھوڑے

تھے خدا نے اسلام کے ذریعے ہمیں بڑائی اور عزت دی اور اگر ہم ان راہوں سے جو کہ اسلام نے ہمیں سکھائی ہیں الگ چل کر عزت تلاش کریں گے تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا۔ جس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ تم اپنی عزت اسی میں سمجھو کہ اپنے غلاموں کو اپنے برابر رکھو اگر ہم اس مساوات میں اپنی ذلت سمجھنے لگیں گے۔ تو پھر خدا ہمیں ذلیل کرے گا کیونکہ اسکی بتائی ہوئی راہ کو ہم چھوڑ دیں گے۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا فاتح موجود ہے یا کوئی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کا حکمران ایسا موجود ہے یا کوئی شخص جو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز ہو ایسا ہے کہ وہ ایک اخلاقی جرات دکھا سکے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دکھائی یا نیک سلوک کا وہ نمونہ دکھا سکے جو ایک بڑے بادشاہ اسلام نے دکھایا۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے ناواقف تھے کہ ایک نئے فتح ہوئے ہوئے ملک پر رعب کا قائم رکھنا کس قدر ضروری ہے؟ نہیں وہ خوب سمجھتے تھے بلکہ جیسا وہ ان معاملات کو سمجھتے تھے ایسا کوئی نہ سمجھتا تھا مگر اسلام کے احکام کی سچی عظمت انکے دل میں تھی وہ صدق دل سے جانتے تھے کہ ہر ایک عزت اور شوکت انہیں راہوں پر چلنے سے ملے گی اور اگر بعد کے زمانہ میں مسلمانوں نے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اس طریق کے برتاؤ کو چھوڑ دیا تو یہ وہی بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ انہوں نے اسلامی راہوں کو چھوڑ کر اور راہوں سے عزت تلاش کی پس وہ عزت کو کھو بیٹھے۔ اب بھی جو مسلمان غیر مسلمان اقوام کے نقش قدم پر چل کر دنیا میں معزز بننا چاہتے ہیں اور اسلام کی راہوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔

مگر باوجود ان عملی غلطیوں کے جن میں پچھلے مسلمان پڑ گئے اور مرور زمانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر کاربند ہونے سے دور جا پڑے یہ امر قابل غور ہے کہ آپ کی نیک تعلیم ایسی انکے خونوں کے اندر رچ گئی تھی یا یوں کہو کہ آپکی قوت قدسی ایسی ان پر غالب آگئی تھی کہ اس پر بھی مسلمانوں کا سلوک اپنے نوکروں اور غلاموں

سے غیر اقوام کے سلوک کی نسبت بدرجہا بہتر رہا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ ہمیں اس کا ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں خود عیسائیوں نے اسکو تسلیم کرلیا ہے۔

لین الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں لکھتا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو مدتوں مصر میں رہا اور مسلمانوں کی حالت کو غور کی نظر سے دیکھتا رہا۔ وہ کہتا ہے ''مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ عموماً نیک سلوک کیا جاتا ہے''۔

دوسرے ممالک کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ ''جن سیاحوں نے دوسرے اسلامی ممالک میں سفر کیا ہے انکی شہادت غلاموں کیساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کے متعلق بہت ہی قابل اطمینان ہے' اور پھر لکھتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث میں جو ہدایتیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہیں عموماً ان سب پر یا ان کے زیادہ حصہ پر مسلمان لوگ عمل کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیم غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق عیسائیوں کے گال کے طمانچے کی تعلیم کی طرح نہیں کہ سراہتے سراہتے ہزار ہا کاغذ سیاہ کریں اور جب اسکو دیکھیں تو ایک بھی عمل دنیا میں نظر نہ آئے۔

یہ تو ایک غیر متعصب عیسائی ہے مگر پادری ہلیو کو بھی یہ امر تسلیم کرنا پڑا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے ممالک میں غلاموں کے ساتھ سلوک بہت اچھا ہے بمقابلہ اس سلوک کے جو امریکہ میں کیا جاتا ہے جہاں غلاموں کا رواج عیسائی اقوام کے نیچے رہا' ایسا ہی انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں ایک عیسائی مضمون نویس مسلمانوں کے درمیان غلامی کے رواج پر لکھتا ہے ''مشرقی اسلامی ممالک کی غلامی عموماً کھیت میں مزدوروں کی طرح کام کرنے کی غلامی نہیں بلکہ گھر کے کاروبار کے متعلق ہے غلام کو خاندان کے ایک ممبر کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اسکے ساتھ محبت اور نرمی سے سلوک کیا جاتا ہے قرآن شریف غلاموں کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرنے کی روح پھونکتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اب اس اسلامی تعلیم اور ان واقعات یقینی کو پیش کرنے کے بعد میں اپنے

منصف مزاج ناظرین سے یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ غلامی جس کے رواج کو اسلام نے روک نہیں دیا کیا یہ ایسی غلامی ہے کہ اس لفظ کے معمولی مفہوم کی رو سے جو دنیا میں سمجھا جاتا ہے اس کو غلامی کہہ سکیں۔ نہیں، بلکہ جہاں تک کہ آجکل کی نوکری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں جس قدر لوگ خادم کے نام سے موسوم ہیں وہ ایک اسلامی غلام پر رشک کریں گے اور وہ اس خادمی کی حالت سے اس غلامی کی حالت کو بدرجہا بہتر سمجھیں گے۔ غلامی کے معمولی مفہوم کی رو سے تو یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ایک حد تک بھی اسلام نے غلامی کی اجازت دی کیونکہ ہر ایک بدی جو اس سے پیدا ہوتی تھی اسلام کی تعلیم نے اس بدی کو جڑ سے کاٹ دیا جو اپنے آقا کے برابر ہے اسکو غلام کیوں کہا جائے گا۔ اور یہ مساوات اور خاندان کے ایک ممبر کی طرح ہونا صرف لفظ ہی لفظ نہ تھے بلکہ عمل بھی ہے یہ دونوں باتیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں کہ جو کھانا آقا کھائے وہی غلام کھائے' جولباس مالک پہنے وہی مملوک پہنے جہاں وہ رہے اسی جگہ غلام رہے طاقت سے زیادہ کام نہ دینا کبھی سختی سے اسے مخاطب نہ کرنا اور نہ مارنا اس سے بڑھ کر کونسی اصلاح کی دنیا خواہشمند ہو سکتی تھی یہ زمانہ لفظ پرست ہے اور بجائے مغز کے چھلکے پر خوش ہو جاتا ہے نام کو تو غلامی موقوف کر دی گئی مگر افسوس ہے کہ غلامی کی حقیقت ابھی تک مہذب ممالک میں اسی طرح موجود ہے عنقریب دنیا دیکھ لے گی کہ جب تک خادموں کے ساتھ وہ رفق اور نیکی کا طریق نہ برتا جائیگا جس کی تعلیم تیرہ سو سال ہوئے ایک انسانوں کے سچے ہمدرد اور خدا کے برگزیدہ میں سب سے بڑے برگزیدہ نے دی تھی تب تک غلامی کی موقوفی صرف لفظ موقوفی ہے اور حقیقتاً اس سے وہ اصلاح نہیں ہوئی جو دنیا کی اخلاقی ترقی کیلئے ضروری ہے اسلام ہی کی تعلیم وہ عملی تعلیم ہے جس پر دنیا چل سکتی ہے اور جس پر انسان انسانوں کیلئے مفید اور خدا تعالیٰ کا سچا بندہ بن سکتا ہے۔

المصالح العقلیه لاحکام النقلیه

(جلد سوم)

کتابُ البیوع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم. اما بعد

وجہ حلت بیع سلم

بعض اشخاص کا اعتراض ہے کہ بیع سلم خلاف قیاس ہے کیونکہ وہ معدوم اشیاء پر ہوتی ہے اور معدوم اشیاء کی بیع خلاف قیاس و عقل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تبعما لیس عندک یعنی اس چیز کی خرید وفروخت نہ کر جو موجود نہ ہو۔

الجواب: واضح ہو کہ بیع سلم من وجہ موافق قیاس و عقل کے ہے کیونکہ بیع سلم میں بیان وصف و معرفت قدر و جنس اور بائع کی طرف سے چیز کے ادا کرنے کا ذمہ شرط ہے اور یہ بیع اس معاوضہ کی طرح ہے جو اجارہ میں منافع پر ہو پس بیع سلم کا قیاس من کل الوجوہ معدوم شئی پر کرنا کہ جن کے حاصل ہونے کا احوال معلوم نہ ہو درست نہیں ہے۔ البتہ صورۃً بیع معدوم کے مشابہ ہے لیکن معنیً (حقیقتاً) بیع موجود کے مشابہ ہے خدا تعالیٰ نے عقلوں کی فطرت میں اس امر کی تمیز رکھی ہے کہ وہ ان چیزوں میں

فرق کرتے ہیں کہ جن کا مالک نہ انسان ہوسکتا ہو اور نہ اس کی مقدار بین ہو اور درمیان ان اشیاء کے کہ جو بائع ادا کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور وہ عادۃً انکے ادا کرنے پر قادر ہو یہ تو فرق اجمالی ہے باقی تفصیلی فرق وہ رائے پر نہیں رکھا گیا۔

بلکہ اس میں وحی کی ضرورت ہے پس اس کی جزئیات کے احکام نقل سے تلاش کئے جائیں کہ کہاں یہ درست ہے مثلاً سلم بشرائط اور کہاں یہ درست نہیں مثلاً بیع ثمار قبل ظہور۔ (یعنی پھلوں کی بیع کرنا نکلنے سے پہلے)۔

جوازِ اجارہ کی حکمت

جو لوگ اجارہ کو خلاف قیاس کہتے ہیں انکا گمان ہے کہ اجارہ ایک معدوم چیز کی خرید ہے کیونکہ منافع عقد اجارہ کے وقت معدوم ہوتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ شریعت نے محل منافع کے وجود کو بجائے وجود منافع کے قرار دیا ہے لوگوں کی ضرورت پر نظر کر کے پس وہ گو صورۃً معدوم ہیں مگر معنی موجود ہیں جیسا ابھی ہم (بیع) سلم میں لکھ چکے ہیں۔

خمر و مردار و خنزیر و بت کی خرید و فروخت واجرت زنا و اُجرت کاہن حرام ہونے کی وجہ

اشیاء کی حرمت کا مدار چند امور پر ہوتا ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ بعض اشیاء عادت کے اعتبار سے معصیت پر مشتمل ہوں یا لوگوں کو ان اشیاء سے اس قسم کا فائدہ و تمتع حاصل کرنا مقصود ہو وہ ایک قسم کی معصیت و گناہ ہو مثلاً خمر و بت و طنبور وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی بیع کا طریق جاری کرنے اور انکے بنانے میں ان معاصی کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو ان معاصی پر آمادہ کرنا اور رغبت دلانا اور نزدیک کرنا پایا جاتا ہے لہٰذا مصلحت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان چیزوں کی بیع و شراء کرنا اور انکا گھروں میں رکھنا حرام کیا جائے کیونکہ اس میں ان معاصی کو دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے پرہیز و اجتناب کریں۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام.

ترجمہ: یعنی خدا تعالیٰ اور اسکے رسول نے شراب اور مردار اور خوک اور بتوں کا خرید وفروخت حرام کیا ہے اور پھر فرمایا۔

ان الله اذاحرم شيئا حرم ثمنه.

یعنی خدا تعالیٰ جب جس چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کرتا ہے۔

یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق مقرر ہے۔ مثلاً شراب صرف پینے کیلئے اور بت صرف پرستش کیلئے بنائے جاتے ہیں اور اس لئے خدا تعالیٰ نے اسکو حرام کیا ہے۔ پس حکمت الٰہی کا مقتضا ہوا کہ انکی بیع کو بھی حرام کیا جائے۔

اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مهر البغي خبيث. یعنی اجرت زنا کی خبیث ہے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔ اور مغنیہ (یعنی گانے والی عورت کی اجرت ۱۲) کے کسب سے بھی نہی فرمائی۔ وجہ یہ ہے کہ جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اس مال سے بدو وجہ نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملات کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر آمادہ کرنا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی سمجھ اور خیال میں فطری طور پر یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ثمن بیع سے پیدا ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس ثمن کیلئے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے پس اس بیع اور اس عمل کی خباثت ملاء اعلیٰ کے علم میں اس ثمن اور اس اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت عملیہ کا اثر ہوتا ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور پینے والے اور

لے جانے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے سب پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی مدد کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔

اور ایک یہ وجہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثلاً مردار و خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے ساتھ ملابست کرنے میں نہایت قباحت اور خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ' لوگوں کو خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اور چونکہ کسی قدر مخالفت کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اسلئے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت و دشواری ہوتی ہے لہٰذا اسی قدر ضروری ہوا کہ ان ناپاک چیزوں میں سے جس کی ضرورت شدید واقع ہوتی ہے جیسے کھاد اس کی بیع کی تو اجازت دیدی جائے تا کہ لوگوں کا حرج نہ ہو اور باقی کو منع کر دیا جائے کیونکہ اس میں کسی کو حرج نہیں جیسے خمر و خنزیر کی بیع۔

کتابُ الاکل والشرب

وجوہ حرمت خنزیر

(۱)......اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور' بے غیرت ودیوث ہے اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہوگا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو ختم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے پس جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن وتغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے لہٰذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرما دیا۔ جسکی صفات دنیہ شیاطین کے ساتھ بالکل مشابہت رکھتی ہوں اور ملائکہ سے بعید ہونے کا سبب ہوں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہوں۔

(۲) خوک یعنی خنزیر نجاست کی طرف بہت مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اسکی خوراک ہے۔ اس کا گوشت اس نجاست سے پیدا ہوتا ہے پس اس کا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

(۳) صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اسکی حرمت کے تیرہ وجوہ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے ظاہر فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''گوشت خوک موار خلط غلیظ ست ومورث حرص شدید

وصداع مزمن دواء دواء الفیل واوجاع الفاصل وفساد عقل و زوال مروت وغیرت وحمیت و باعث فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی آنرامی خورند وقبل ازظہور نور اسلام گوشت آنرا در بازار ہامی فروختند وبعدازاں در مذہب اسلام حرام وبیع آں ممنوع وموقوف گردید بسیار کثیف وبدہیئت است۔‘‘ نیز اس کا گوشت کھانے سے انسان پر فوراً سوداوی امراض حملہ آور ہوتے ہیں۔

پرندوں کے حرام ہونے کی وجہ

سارے درندے جانور جن کی سرشت وفطرت میں پنجوں سے چھیلنا اور صولت سے زخم پہنچانا اور جن میں سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیئے کے بارے میں فرمایا ہے۔ اویا کل احد یعنی کیا بھیڑیئے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے۔

یعنی اسکو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ انکی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور انکے دلوں میں رحم نہیں ہوتا اسی واسطے ہر شکاری پرندے کے کھانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمایا اس کے کھانے سے ان ہی جیسی خصلت کھانیوالے میں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حرم یوم خیبر کل ذی ناب من السباع. وعن جابر رضی اللہ عنہ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم خیبر الحمر الانسیۃ ولحوم البغال وکل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطیر۔

ترجمہ:۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ایک ذی ناب درندے کو حرام فرمایا اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اہلی گدھے اور

خچروں کے گوشت اور ہر ایک ذی ناب کو یعنی درندے جانوروں اور پنجوں والے پرندوں کو حرام فرمایا: شیر۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ گیدڑ۔ لومڑی۔ نیولا۔ باز۔ شاہین۔ چیل۔ باشا وغیرہ سب حرام ہیں کیونکہ یہ سب ذی ناب اور درندے جانور ہیں۔

وجہ حرمت مردار وخون

(۱)......مردار کا حرام ٹھہرانا عین حکمت الٰہی ہے کیونکہ جانور کے بدن کو پاک کرنے والا روح ہے جب روح اس سے جدا ہو جائے تو اسکی عفونت کو دور کرنے والا نہیں رہتا لہٰذا وہ عفونت اسکے سارے بدن کو فاسد کر دیتی ہے اور بہت بدمزہ اور بدبو اور بدتاثیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ طفلی مردار خوار ہوتے ہیں انکی صورت وشکل و اخلاق ایسے قبیح ہوتے ہیں کہ گویا ان کا مزاج ہی انسانیت سے خارج ہوتا ہے رذالت طبع وقساوت قلبی ان کی فطرت وجبلت ہو جاتی ہے۔

(۲)......مردار کے اندر ایک خطرناک زہر ہوتا ہے جس کا نتیجہ انسان کیلئے اچھا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جتنی مردار خور قومیں ہیں انکی زبان اور عقل موٹی اور بھدی ہوتی ہے۔

(۳) خون کے اندر اس قسم کا زہر ہوتا ہے جس سے اعصاب کو تشنج اور فالج اور استرخاء ہو جاتا ہے۔ (۴)......خنزیر و مردار خون کی حرمت کی وجہ خداتعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ گندی چیزیں ہیں ان کے کھانے سے انسان کا ظاہر و باطن گندہ بن جاتا ہے اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر کسی چیز کے ذبح کرنے اور اس کے کھانے کا حال ہے کہ وہ سبب ہے فاسق ہونے کا چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔

الاان یکون میتة او دمامسفوحااولحم خنزیر

فانه رجس اوفسقا اهل لغیر الله به.

ترجمہ: یعنی حلال نہیں ہے مردار اور خون جاری اور گوشت خوک کا کھانا کیونکہ یہ چیزیں گندی ہیں (ان کے کھانے سے گندے اخلاق گندے اعمال ظاہر ہوتے ہیں) اور ایسا ہی غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کا کھانا بھی حلال نہیں ہے۔

کیونکہ ایسے جانور کے کھانے سے انسان فاسد و بدکار بن جاتا ہے۔

الغرض مردار کا کھانا اس لئے شریعت میں منع ہے کہ مردار کھانیوالے کو بھی اپنے رنگ میں لاتا رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا یہ تمام جانور در حقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مرکر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے اسی لئے تمام ملل میں مردار جانور حرام ہیں ملل حقہ کا تو اس بات پر اس لئے اتفاق ہوا کہ حظیرۃ القدس سے ان ملت والوں کو اس بات کی تفہیم و تلقی ہوئی کہ یہ چیزیں خبیث ہیں اور مذاہب باطلہ کا اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اخلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مردار جانور کو غیر مردار سے جدا کیا جائے اس کا انضباط احکام شرعیہ کی تفصیل سے کیا گیا جن کی وجہ آگے آتی بھی ہے ان سرخیوں میں حرمت مذبوحہ غیر اہل کتاب الخ بوقت ذبح جانور پر الخ غیر اللہ کے نام ذبح کئے ہوئے الخ۔

تنبیہ: میتۃ دم' لحم الخنزیر' ما اھل بہ لغیر اللہ. کے آثار میں یہ تفاوت ہے کہ مردار کا اثر بدجسم پر اور خون کا اثر بدروح پر اور گوشت خوک کا اثر بد اخلاق و عادات پر اور مذبوح باسم غیر اللہ کا اثر بداعتقادات پر پڑتا ہے۔

کوے کے بعض اقسام چیل، سانپ، بچھو، چوہے کی وجہ حرمت

ان حیوانات کی طبیعت میں آدمیوں کو ایذا دینا اور تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لینا ہے اور یہ ان پر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور ان میں شیطانی الہام کے قبول کرنے کا مادہ ہے اسلئے وہ سب حرام ہیں اور احادیث نبویہ میں ان کی تفصیل آئی ہے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالفاظ ذیل روایت فرمائی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم خمس فواسق یقتلن فی الحرام الفارة والعقرب والغراب والحدأة والکلب العقور (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ یعنی پانچ جانور جو کہ فاسق ہیں ان کو حرم میں بھی قتل کیا جائے چوہا۔ بچھو۔ کوا۔ چیل۔ دیوانہ کتا۔

چونکہ حرم کے جانوروں کے مارنے اور شکار کرنے میں نہی تھی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو ان کی شدت سرکشی وعصیان کے باعث حرم میں بھی مار ڈالنے کا حکم فرمایا کیونکہ باغی وسرکش کو حرم میں بھی امن نہیں مل سکتا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو فاسق فرما کر ان کی حرمت کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی جو کوئی ان جانوروں کو کھائے گا۔

اس میں فسق کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے دوسرا ان جانوروں کو فاسق کہنے میں اس امر کی طرف ایما فرمایا کہ ان جانوروں کو جس قدر کوئی پالتو بنائے اور انکی پرورش کرے اسکو بالآخر ضرر دیں گے اور حق وعہد تربیت کو توڑ دیں گے اور اس امر کی وجہ کہ آپ نے کیوں ان جانوروں کو حرام نہ کہا اور فاسق فرمایا یہ ہے کہ اگر آپ یہ فرما دیتے کہ یہ جانور حرام ہیں تو پھر انکی وجہ حرمت کیلئے جس کا آپ کو بیان کرنا مطلوب تھا دوبارہ کلام دوہرانا پڑتا لہٰذا ایک ہی بار میں حرمت اور وجہ حرمت بیان فرما دی اور یہ جوامع الکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

اب ان جانوروں کی وجہ حرمت ظاہر ہے کہ جو کوئی انکا گوشت کھاوے وہ انہی کے وصف کے ساتھ متصف ہو جائے اور ان جانوروں کے اوصاف کا مذموم ہونا ظاہر ہے مگر اس سے ہر کوا مراد نہیں۔ فقہ میں اسکی تفصیل لکھی ہے۔

وجہ حرمت حشرات الارض ہزار پا وغیرہ

وہ حیوانات جن کی سرشت فطرت میں ذلت اور گڑھوں میں چھپا رہنا پایا جاتا ہے مثلاً چوہا اور دیگر حشرات الارض وغیرہ جو اس قسم کے جانور ہیں وہ سب حرام ہیں

اور انکی وجہ حرمت یہ ہے کہ انکا کھانے والا انہی جانوروں کے اوصاف اور خصلتیں قبول کرتا ہے۔ دوسری وجہ حرمت ان جانوروں کی یہ ہے کہ تمام حشرات الارض میں سمی مادہ ہوتا ہے اسے کھانے سے انسان ہلاک ہوتا جاتا ہے۔

وجہ حرمت کتے اور بلی کا

کتا اور بلی دونوں درندے جانور ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں۔ کتا باعتبار اوصاف مذمومہ کے شیطان ہوتا ہے چنانچہ اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے پس اس کے کھانے والے کو بھی شیطان اور درندہ بننا پڑتا ہے وہ اوصاف ذمیمہ یہ ہیں کہ کتا خبیث ترین وذلیل ترین وخسیس ترین وحریص ترین حیوانات سے ہے اس کی ہمت اس کے پیٹ سے آگے نہیں گزرتی۔ اس کی شدت حرص میں سے ایک بات یہ ہے کہ جب وہ چلتا ہے تو شدت حرص کی وجہ سے ناک زمین پر رکھ کر زمین کو سونگھتا جاتا ہے۔ اور اپنے جسم کے سارے اعضاء کو چھوڑ کر ہمیشہ اپنی دبر کو سونگھتا اور جب اس کی طرف پتھر پھینکو تو وہ فرط حرص وغصہ کی وجہ سے اسکو کاٹتا ہے۔ الغرض یہ جانور بڑا حریص وذلیل ودنی ہمت ہوتا ہے گندے مردار کو بہ نسبت تازے گوشت کے زیادہ پسند کرتا ہے اور نجاست کو بہ نسبت حلوا کے بڑی رغبت سے کھاتا ہے اور جب کسی ایسے مردار پر پہنچے جو صدہا کتوں کو کافی ہو تو دوسرے کتوں کو ذرہ برابر کھانے نہیں دیتا اور اسکی بدخلقی میں سے ایک یہ امر بھی عجیب ہے کہ جب وہ کسی خستہ حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے شخص کو دیکھتا ہے تو اس کو بھونکتا ہے اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے گویا اس کو حقیر سمجھتا ہے جو کہ خاصہ ہے کبر کا اور جب کسی وجیہ اور اچھے لباس والے اور رعب ناک آدمی کو دیکھتا ہے تو اس کا مطیع ہو جاتا ہے گویا اس کے لئے منقاد ہونے سے عار نہیں کرتا تو اہل جاہ کی تخصیص یہ شعبہ ہے تملق کا۔

پس جب کتے کے ایسے اوصاف مذمومہ ہیں تو جو شخص اس کو کھاتا وہ بھی ان ہی اوصاف سے متصف ہوتا۔ لہٰذا یہ جانور حرام ٹھہرایا گیا اور چونکہ کتا پالنے میں اسکے

ساتھ زیادہ تلبس ہوتا ہے جیسا کہ مشاہد ہے اسلئے بلا خاص ضرورت کی صورتوں میں اس کا پالنا بھی ممنوع (کتا پالنے کی ممانعت کا راز۔۱۲) قرار دیا گیا کہ اسکی صفات خبیثہ اس شخص میں اثر کریں گی اور چونکہ ان صفات خبیثہ سے ملائکہ کو نفرت ہے تو اس شخص سے ملائکہ بُعد اختیار کرتے ہیں چنانچہ وہ ایسے گھر میں بھی نہیں آتے جہاں کتا ہوتا ہے اور سیاست کے ملائکہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

وجہ حرمت گرگٹ کی اور اسکے مارنے کی تاکید شدید کا راز

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے گرگٹ کے مارنے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا تھا اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض حیوانات کی سرشت وخلقت میں یہ وجہ داخل ہے کہ ان سے مدام افعال قبیحہ وہیئت شیطانیہ صادر ہوتی رہتی ہے اور وہ حیوانات شیطان کے قریب تر ہوتے ہیں اور وسوسہ کے اعتبار سے اس کے تابع ہوتے ہیں۔ (سبب یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور عذاب وسزا دینے والے فرشتے تو ہر جگہ آتے ہیں۔۱۲مصحح)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی ان ہی حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے آگاہ فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی آگ کو پھونکتا تھا۔ شیطان کے وسوسہ کے سبب سے اس کا یہ کام مقتضائے طبع سے تھا۔ اگرچہ اس کے پھونکنے سے آگ میں کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ گرگٹ کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی۔ ایک تو یہ کہ اس میں نوع انسانی کی ایذاء کا دفاع ہے گویا اس میں لشکر شیطانی کا توڑنا اور اسکے وسوسہ کا دور کرنا ہے۔ دوسری وجہ اس کے گوشت کا مضر ہونا۔ چنانچہ مخزن الادویہ میں گرگٹ کے متعلق لکھا ہے کہ

"کسے را نمی گزد و چوں بگزد کشدہ است ومعالجہ ندارد و گوشت آں سم قاتل است وعارض می گردد از خوردن آں قے ووجع فواد ہمیشہ نظر بآفتاب دارد در ایام گرما چہرۂ آں سرخ میگردد و بنالہ آں بلند وچشمہائے آں بجمیع۔ جہات حرکت میکند برائے آنکہ صید

خودراں بہرطرف کہ باشد بہ بیندو چوں صیداومگس وامثال آں است نزدیک اوآید بسرعت زبان خودرابری آردوآں رامی ربایدواز دورکہ می بیند رفتہ آں راصیدمی کندوحشرات می مانند ہزار پاوعقرب راصیدمی کندومیخورد'' اس سے بھی جانور کی حرمت کی ایک وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس کا گوشت قاتل ومہلک ہوتا ہے۔

اُلو وچمگادڑ کی وجہ حرمت

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ غذا کا اثر بدن کے علاوہ روحانی اخلاقی واطوار پر بھی ہوتا ہے۔ اس پرندہ یعنی الو کی حماقت اور بیوقوفی وذلت ثابت شدہ امر بلکہ ضرب المثل ہے چنانچہ جب کوئی حماقت وبیوقوفی کا کام کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں الو تو نے ایسا کام کیوں کیا۔

صاحب مخزن لکھتا ہے کہ ''خوردن گوشت آں مورث ابلہی وبیوقوفی در جمیع امور است'' یعنی اس جانور کا گوشت کھانے سے انسان میں کند ذہنی وحماقت وبیوقوفی پیدا ہوتی ہے۔ اس جانور کی حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ جو کوئی اسکو کھاتا اسکو اُلو بننا پڑتا ہے یہی حال چمگادڑ کا ہے کہ اس جانور کی فطری کور بینی وحماقت وذلت بھی ایسی مشہور ومعروف ہے کہ ضرب المثل ہوگئی ہے چنانچہ جب کوئی ظاہر وباہر حق کو نہیں مانتا تو اسکو کہا کرتے ہیں ''شپرے است کہ روشن راشب قرارمی دہد۔ یعنی چمگادڑ ہے کہ روز روشن کو رات قرار دیتا ہے۔ پس جو کوئی اس جانور کو کھاتا اسکی حقائق بینی کی آنکھ میں کوری پیدا ہوتی لہٰذا اس جانور کا کھانا بھی حرام ہوا۔

گدھے اور خچر کی حرمت کی وجہ

وہ حیوانات جونجاستوں اور ناپاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن بھی ان سے بھرے رہتے ہیں۔ مثلاً گدھا جو علاوہ اس تلبس نجاست کے حماقت وبیوقوفی وذلت میں بھی ضرب المثل ہے چنانچہ جو کوئی بیوقوفی وحماقت کا کام کرتا ہے تو اس کو گدھے کا خطاب ملتا ہے۔

پس اگر ایسے جانور کا گوشت کھائے تو بالضرور اس میں ذلت اور حماقت و بیوقوفی و بے تمیزی کا اثر آ جائے اور یہ جانور مزاج نوع انسان کے خلاف ہے۔

لہٰذا طب کے اعتبار سے بھی اس کو کھانا نہ چاہیے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک ایسے جانور کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے اسکی وجہ بھی ظاہر ہے وہ یہ کہ جب جانور کے اعضاء نے نجاست کو جذب کرلیا اور وہ اس کے اجزاء میں پھیل گئی تو اس کا حکم بھی مثل نجاست یا اس جانور کے مثل ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

وجہ پیدائش جانوران واشیاء حرام

سوال: جب کہ بعض جانوروں اور بعض اشیاء کے کھانے سے انسان کو منع کیا گیا ہے اور انکو اس پر حرام ٹھہرایا گیا ہے تو پھر خدا تعالیٰ نے انکو کیوں پیدا کیا ہے۔ وہ کس کام آتے ہیں؟

جواب: ۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا.

یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمام وہ چیزیں جو زمین میں ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ اگر ایک چیز کا استعمال ایک وجہ سے حرام ہے تو دوسری وجہ سے حلال ہے۔ دیکھو گدھے کا کھانا حرام ہے مگر اس پر سواری کرنا اور اس پر بوجھ لادنا حلال ہے۔ ایسا ہی تمام درندہ جانوروں کا کھانا حرام ہے مگر انکے چمڑوں کی پوستین بنا کر پہننا حلال ہے۔ ایسا ہی اور حرام جانوروں اور اشیائے محرمہ کے متعلق سمجھ لو کہ من وجہ ان کا استعمال حرام ہے اور من وجہ حلال ہے اور جس جانور سے کسی قسم کا انتفاع حلال نہ ہو اس سے قدرت پر استدلال تو ہوسکتا ہے یہ بھی اسکے پیدا کرنے میں ایک حکمت ہے علاوہ انتفاع واستعمال کے ان کے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ محرمات خدا تعالیٰ کی باڑ ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الالکل ملک حمی وان حمی اللہ تعالیٰ محارمه.

ترجمہ: سنو کہ ایک بادشاہ کی باڑ ہوتی ہے اور خدا تعالی کی باڑ اسکے محرمات ہیں پس اس میں بندوں کا امتحان بھی ہے۔

حیوانات واشیاء محرمہ

تمام وہ جانور جو حرام کئے گئے ہیں انکی وجوہ حرمت ذیل ہیں۔

(۱) خباثت وگندگی

(۲) درندگی یعنی ایسے جانوروں کے کھانے سے انسان درندہ طبع بن جاتا ہے۔

(۳) شیطانی امور سے مشابہت۔

(۴) سمیت بعض جانورو چیزیں زہردار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

(۵) بداخلاقی یعنی بعض جانوروں کے کھانے سے انسان بداخلاق بن جاتا ہے۔

(۶) بداعتقادی یعنی بعض ایسے جانوروں اور اشیاء کے کھانے سے انسان میں بداعتقادی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ما اهل به لغير اللّٰہ کا کھانا۔

وجہ حرمت چھپکلی

مخزن الادویہ میں لکھا ہے: اسم آں وزغ است ولیکن مصطلح آں است کہ بری آں را سام ابرص وبلدی را وزغ می نامند کہ بفارسی چلپاسہ می نامند خوردن آں مورث سل وامراض ردیہ است۔ اس سے حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کے کھانے سے انسان مسلول (یعنی مرض سل میں مبتلا ہو جاتا ہے۔۱۲) وگرفتار امراض ردیہ ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

حرمت میں مذبوحہ غیر اہل کتاب ومذبوح بنام غیر اللہ ومردار کے برابر ہونے کی وجہ

مذکورہ بالا اُمور پر حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ سوال وجواب لکھے ہیں

ہم ان کا ترجمہ ملخصاً یہاں درج کر دیتے ہیں۔

سوال: مذبوحہ غیر اہل کتاب و مردار کی حرمت میں برابری کی کیا وجہ ہے گویا سائل کا یہ خیال ہے کہ جب کہ مردار میں یہ خون جذب ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے مگر غیر اہل کتاب اور ما اہل بہ لغیر اللہ کے ذبح سے خون جذب نہیں ہوتا تو پھر اس سے کس طرح جانور حرام ٹھہرایا جاتا ہے۔

جواب: (ا) یہ بات غلط ہے کہ مردار کی حرمت کا سبب ایک ہی امر کو یعنی خون کے جذب ہونے کو قرار دیا جائے بلکہ حرمت مردار کی بہت سی وجوہ اسباب ہیں اگر صرف جذب خون کی وجہ سے حرمت مردار ہوتی تو اس سوال کو وقعت ہوتی مگر جب کہ مردہ جانور کے حرمت کے متعدد اسباب ہوں تو کسی ایک سبب کے نہ ہونے سے اور اسباب حرمت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سبب معدوم کا کوئی اور سبب خلیفہ اور قائم مقام ہو جاتا ہے جس سے مردہ جانور کو حرام کہا جاتا ہے اور یہ اسباب اور وجوہ عقلاً بیشمار ہو سکتے ہیں پس صرف وجہ کے ظاہر نہ ہونے سے حکم شریعت سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے شریعت نے کوئی وجہ رکھی ہوگی (اس کا کچھ مختصر بیان بطور نمونہ کے آئندہ کی ان دو سرخیوں میں آوے گا۔ بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ)۔

سوال: کیا شریعت اسلامیہ نے دونوں قسم کے مردہ جانوروں میں برابری نہیں کی ہے حالانکہ انکی موت کے مختلف اسباب ہیں گویا شریعت نے دو مختلف اور متضاد باتوں کو جمع کیا اور دو متماثل اور مشابہ امور کو الگ الگ کر دیا کیونکہ ذبح کرنا درحقیقت ظاہری وحسی طور پر ایک قسم کا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے ذبح کی بعض صورتوں سے حیوان کو مردار ہونے سے خارج کیا اور بعض صورتوں سے حیوان کو مردار قرار دیا حالانکہ کوئی وجہ فرق کی نہیں (پس اس میں دو متماثل امور کو الگ الگ کر دیا پھر اس مذبوح علی غیر اسم اللہ کو اور میتہ کو ایک حکم میں

داخل کیا تو اس میں دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا؟

جواب: شریعت نے دونوں مرداروں کے لغوی نام میں برابری نہیں رکھی بلکہ انکے اسم شرعی میں برابری رکھی ہے۔ پس مردار کا شرع میں بہ نسبت لغت کے عام ہے اور شارع علیہ السلام لغوی ناموں میں کبھی نقل سے اور کبھی عموم سے اور کبھی خصوص سے تصرف کرتے ہیں۔ اور اہل عرف بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں پس یہ بات شرع وعرف میں منکر نہیں ہے باقی حرمت میں انکو اسلئے یکساں ٹھہرایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر پلیدیاں حرام کی ہیں۔ مکھی اور پلیدی جو کہ موجب حرمت ہوتی ہے اسکو کبھی بھی شارع علیہ السلام ظاہر فرماتا ہے اور کبھی پوشیدہ رکھتا ہے اور جو پوشیدہ ہو اس پر ایک علامت رکھ دی ہے جو اس کی خباثت پر دلالت کرے۔

پس مردار میں تو جذب خون سبب ظاہر موجود ہے اور مجوس اور مرتد اور تارک تسمیہ کے مذبوحہ میں اور جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو ایسے مذمومہ جانور میں بھی ایسی پوشیدہ خباثت اور پلیدی سرایت کر جاتی ہے جو کہ موجب حرمت مذبوحہ ہے۔ اور اسکے خفی ہونے کے سبب ایک علامت اسکے وجود پر قائم کر دی ہے یعنی علی اسم اللہ اس کا ذبح نہ ہونا اور اس سبب خفی کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ بھی فرمایا ہے یعنی جن جانوروں پر خدا تعالیٰ کا نام بوقت ذبح نہیں لیا جاتا انکو خدا تعالیٰ فسق فرماتا ہے اور فسق پلیدی ہے پس جہاں پلیدی ہو وہاں حرمت ضرور لاحق ہو جاتی ہے

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ. (الانعام: 121)

توضیح اسکی یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا پاک نام مذبوحہ کو پاک کرتا ہے اور ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور شیطان سے دور کر دیتا اور مٹا دیتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا نام مذبوح پر نہ لیا جائے تو ذبح کرنے والے اور مذبوح جانور میں شیطان سرایت کر جاتا ہے اور شیطان کی خباثت جانور میں تاثیر کرتی ہے کیونکہ شیطان جانور کے خون کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور خون ہی اس کا حامل ہوتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الشیطان یجری من بنی ادم کمجری الدم.

یعنی شیطان بنی آدم میں اسکے رگ وریشہ اور خون کے جاری ہونے کے مقاموں میں چلتا ہے اور وہ سب پلیدیوں سے بڑھ کر ہے پس جب ذبح کرنے والا خداتعالیٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان خون کے ساتھ ہی خارج ہوجاتا ہے اور مذبوحہ پاک ہوجاتی ہے اور اگر اللہ پاک کا نام نہ لیا جائے تو وہ پلیدی خارج نہیں ہوتی اور جب خداتعالیٰ کے دشمن یعنی شیطان اور بتوں کا نام مذبوحہ پر لیا جائے تو مذبوح میں پلیدی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ رہا یہ کہ جب ذبح مجوسی وغیرہ ہو گو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرے اس کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ ذبح کرنا قائم مقام عبادت الٰہی ہے اس لئے خداتعالیٰ نے دونوں کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

فصل لربک وانحر. قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین. والبدن جعلنا هالکم من شعائر الله لکم فیها خیرفاذکروا اسم الله علیها صواف فاذا وجبت جنوبها فکلوا منها واطعموا القانع والمعتر کذالک سخرناهالکم لعلکم تشکرون لن ینال الله لحومها ولادمائها ولکن یناله التقویٰ منکم

خداتعالیٰ نے بتادیا کہ ہم نے ان جانوروں کو ان لوگوں کے لیے مسخر کیا اور حلال ٹھہرایا کہ ان پر خدائے تعالیٰ کا نام لے کر ان کو ذبح کریں کیونکہ خدائے تعالیٰ کو تو انسان سے تقویٰ منظور ہے جس سے مراد خدائے تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کر کے اس کا قرب چاہنا اور وقت ذبح جانوروں پر خدا کا نام لینا ہے اور جب وقت ذبح حیوانات پر خدائے تعالیٰ کا نام نہ لینے سے کھانا منع اور ناپسند ہے کیونکہ اس مکروہ فعل سے ان مذبوح جانوروں میں پلیدی کا اثر ہو جاتا ہے اور اسی طرح اگر مذبوح پر خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے تو وہ مذبوح مردار کی طرح ہو جاتا ہے جیسا

ابھی قریب بیان ہوا پس جب کہ تسمیہ ترک کرنے اور خدائے تعالیٰ کے سوائے کسی اور کا نام لینے سے مذبوح حرام ہو جاتا ہے تو جس کو خدائے تعالیٰ کا دشمن ذبح کرے جو ناپاک ترین مخلوقات ہے اس کا مذبوح جانور بالاولیٰ حرام ہوگا کیونکہ ذبح کرنیوالے کا فعل وارادہ اوراس کی خباثت بالضرور مذبوح میں مؤثر ہوتی ہے۔

جب کہ غیر مذبوح جانور کا خون گوشت میں جذب ہو کر گوشت ہی بن جاتا ہے تو پھر اس کی حرمت کی کیا وجہ ہے؟

اس کی تحقیق کہ آیا بعد مرگ خون گوشت میں جذب ہو جاتا ہے یا وہ بعد استحالہ کے گوشت بن جاتا ہے یہ ہے کہ مستحیل ہونے کے لئے تو قوت ہاضمہ کی اور قوت محیلہ کی یعنی اس قوت کی جس کا کام یہ ہے کہ ایک شئی کو دوسرے کی طرف مستحیل کر دے ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ بدن کی سب قوتیں جیسے قاصرہ اور سب وقوائے حیوانی حیات ہی کے ساتھ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعضائے حیوانی مثل چشم وگوش وغیرہ ان قویٰ کے لئے ایسے ہیں جیسے آئینہ نور کے لئے یعنی قابل اور منقد سو جیسے اصل نور آئینہ میں نہیں ہوتا بلکہ آفتاب میں ہوتا ہے ایسے ہی اصل قوائے حیوانی نفوس حیوانی میں ہوتے ہیں اعضاء میں نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ جیسے آئینی بے امداد آفتاب نور کے اعتبار سے بیکار ہیں اس صورت میں بعد مرگ استحالہ ممکن نہیں۔ نہ وہ جذب ہی ہوگا جو بعد مرگ کاٹو تو خون نہیں نکلتا اور جذب ہوا تو پھر ناپاکی یقینی ہے۔

جانور کو حلق سے ذبح کرنے کی حکمت

(۱) جانور کو حلق سے اس لئے ذبح کیا جاتا ہے کہ مجمع خون کا دل اور جگر ہے اور خون کو اس جگہ سے نکالنے کا نزدیک تر یہی راہ ہے اس واسطے طبیبوں کے یہاں مقرر ہے کہ اس جگہ کے مواد کو قے کرا کر نکالتے ہیں۔

(۲) اگر جانور کے بدن کا لہو کسی اور طرف سے نکالا جائے تو جانور دیر میں مرتا

اور اس کو تکلیف بہت ہوتی ہے اور حلق سے ذبح کرنے سے جلدی مر جاتا ہے۔

(۳) سانس کی آمد و رفت کا یہی راہ ہے اور سانس مدروح ہے لہٰذا روح اور مرکب روح یعنی خون کو اسی راہ سے نکالنا مناسب ہے۔

(۴) روح اور خون غذا سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا اسی راہ سے جاتی ہے لہٰذا روح و خون کو جدا کرنے کی مناسب راہ یہی ہے۔

وجہ حلت مچھلی و ٹڈی بغیر ذبح

(۱)......مچھلی اس وجہ سے ذبح نہیں کی جاتی کہ اس کے بدن کا اصلی مادہ پانی ہے اور پانی بالطبع پاک کرنے والا ہے بس جیسے کہ نجاست پانی میں اثر نہیں کرتی ایسا ہی آبی جانور کی روح جدا ہونے سے اس میں نجاست اثر نہ کرے گی اور حاجت ذبح کی نہ رہی اور ٹڈی اس سبب سے ذبح نہیں کی جاتی کہ وہ خون جاری نہیں رکھتی اور تعلق اس کی روح کا بدن سے بلا واسطہ خون کے مثل تعلق روح پہاڑ اور درخت اور دیگر جمادات کے ہے اور اس طرح کے تعلق کا جدا ہونا موجب نجاست نہیں ہوتا کیونکہ اس جدائی سے خون جذب نہیں ہوا۔

اور اس علت میں اگرچہ تمام دریائی جانور اور تمام حشرات الارض مشترک ہیں مگر وہ بسبب ذاتی خباثت اور غذائے نجس و مضر ہونے کے حرام ہیں۔ بخلاف مچھلی ٹڈی کے کہ وہ ذاتی و عارضی خباثت سے پاک و سالم ہیں۔ اسی واسطے ان دونوں کے لئے خاص استثناء ہوا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔

احلت لنامیتتان ودمان اماالمیتتان الحوت والجراد والدمان الکبدو الطحال.

ترجمہ: یعنی ہمارے لئے دو میت اور دو خون حلال کیے گئے لیکن دو میتوں سے مراد تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔

اور جگر اور تلی دو عضو ہیں مگر یہ دونوں خون کے مشابہ ہوتے ہیں لہٰذا آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کو رفع کر دیا جو ان سے پیدا ہوتا تھا۔ نیز مچھلی میں مثل ٹڈی کے دم مسفوح یعنی خونِ رواں نہیں ہوتا لہٰذا اس کے لئے بھی ذبح کرنا مشروع نہیں ہوا۔

شتر اور گاؤ اور گاؤمیش اور بھیڑ اور بکری اور دنبہ کی حلت کی وجہ

(۱) یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور ستھرے و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لئے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے اور اس توافق و اعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہوا اور اس کی خوراک کے لئے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) جب کہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اسکی خوراک میں جمال وجلال دونوں کا ہونا مناسب تھا لہٰذا انسان کی خوراک کے لئے وہ جانور مقرر ہوئے ہیں جن میں جمال وجلال ہر دو صفات موجود ہیں۔

ہرن گورخر، خرگوش شترمرغ کی حلت کی وجہ

وہ جانور جو جنگل میں رہتے ہیں اور بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں وہ سب حلال ہیں کیونکہ ان میں بہیمۃ الانعام کے پاک و ستھرے اوصاف موجود ہیں اور وہ مزاج انسان کے موافق اور مطابق ہیں مثلاً ہرن گورخر شترمرغ وغیرہ۔ ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی شخص نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما کر تناول فرمایا۔

وجہ حلت مرغ و مرغابی و کنجشک و کبوتر و مانند آن

ان پرندوں کا گوشت مزاج انسانی کے موافق و مفید ہے لہٰذا حلال ٹھہرے۔

بہشت میں حلت شراب کی وجہ

سوال:۔ شراب جو دنیا میں ممنوعات اور محرمات سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہو جائے گی؟

جواب: (ا) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہشتی شراب کو اس دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں ہے چنانچہ قرآن کریم میں بہشتی شراب کی صفت یوں فرمائی ہے۔

وسقٰهم ربهم شرابا طهورا.

ترجمہ۔ یعنی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے خدا ان کو پاک شراب طہور پلائے گا۔
جو خود بھی پاک ہوگی اور دل کو کامل طور پر پاک کر دے گی۔
اور بہشتی شراب کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے۔

وكاس من معين لايصدعون عنها ولاينزفون الى قوله تعالىٰ.
لايسمعون فيها لغوا ولاتاثيما الاقيلا سلاما سلاما.

ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ وہ شراب صافی کے پیالے جو آب زلال کی طرح مصفی ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو اور بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی بلکہ ہر طرف سلام سلام و رحمت اور محبت کی نشانی ہے سننے میں آئے گا۔ شرح اسکی یہ ہے کہ شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک نشہ دوسرا سرور اور ان دونوں میں باہم تضاد ہے۔ نشہ بیہوشی کا نام ہے اور بیہوشی میں نہ رنج ہوتا ہے نہ راحت نہ غم نہ خوشی۔ اس صورت میں ان دونوں کا اجتماع ایسا ہوگا جیسا کہ تمام مرکبات عنصریات میں گرمی و سردی کا اجتماع ہوتا ہے مگر جیسے بایں وجہ کہ گرمی سردی باہم متضاد ہیں ایک شئی کی تاثیر یہ دونوں نہیں ہوسکتیں اور اس وجہ سے پانی اور آگ کا اقرار کرنا پڑتا ہے ایسی ہی وجہ مذکور نشہ اور سرور شے واحد کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی اور

چیز کی خاصیت۔ اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جسکی خاصیت نشہ ہے بلکہ قدرت الٰہی کی چھلنی سے چھان کر اسکو جدا کر دیں تو پھر اس صورت میں شراب فقط لذت اور سرور ہی رہ جائے گا اور بے شک ہر عاقل کے نزدیک وہ شراب حلال ہوگی۔

غرض یہ ہے کہ علت حرمت شراب کی تمام عقلاء اور قائلان حرمت کے نزدیک یہی نشہ ہے اور اہل اسلام اس کی حرمت کے جبھی قائل ہیں جب تک اس میں نشہ ہو۔ اگر شراب سرکہ بن جائے اور نشہ نہ رہے تو وہ پھر اسکے پینے میں تامل نہیں کرتے۔ ادھر قرآن وحدیث وفقہ میں بھی یہی وجہ مذکور ہے بالجملہ وجہ حرمت وہ نشہ ہے اور چونکہ وہ ایک جدا چیز کے ساتھ قائم ہے اور اس وجہ سے اس کا جدا ہونا ممکن تو درصورت جدائی فقط مادہ سرور ہی شراب میں باقی رہ جائے گا اور ظاہر ہے کہ شراب کو جو کوئی پیتا ہے وہ بوجہ سرور پیتا ہے۔ بوجہ بیہوشی نہیں پیتا سو کلام اللہ میں لذت کا ثبوت ہے جو مایہ سرور ہے اور نشہ کی نفی ہے جو وجہ ممانعت تھی چنانچہ لفظ لا لغو فیھا ولا تاثیم.

اس پر شاہد ہے پھر دنیا میں نشہ کی چیزوں کی اسی وجہ سے ممانعت تھی کہ نشہ کے وقت احکام خداوندی ادا نہیں ہو سکتے سو یہ اندیشہ زندگانی دنیا تک ہی ہے بعد مرگ تمام احکام ساقط ہو جاتے ہیں بہشت میں ہر کوئی فرائض وواجبات وغیرہ سے فارغ البال ہوگا۔ وہاں اگر شراب حلال ہو جائے تو کیا حرج ہے۔

برتن میں مکھی پڑنے سے اس کو اس میں غوطہ دے کر نکالنے کی وجہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه ثم لیطرحه فان فی احد جناحیه شفاء وفی الاخر داء.

ترجمہ: جب کہ تمہارے کسی برتن میں مکھی گر پڑے تو مکھی کو اس میں ڈبا کر پھر اسکو پھینک دو کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اس پر کو مقدم کرتی ہے جس میں

بیماری ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حیوان کے اندر اس کی طبیعت کو تدبیر بدن کیلئے پیدا کیا ہے وہ طبیعت اکثر اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف کی طرف دور کر دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اطباء جانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور مکھی اکثر اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے اور اسکی طبیعت اسی مادہ فاسد کو اسکے عضو خسیس یعنی پر کی طرف پھینکتی رہتی ہے اور خدا کی حکمت یہ ہے کہ جس چیز میں زہر رکھا ہے تو اس میں تریاقیہ مادہ بھی رکھا ہے۔ الغرض ہر جانور کے زہر کا تریاق اسی جانور کے بدن میں خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ چنانچہ سانپ کے زہر کا تریاق سانپ کے سر میں ہوتا ہے ایسا ہی اور جانوروں کا ہوتا ہے ورنہ اگر جانوروں میں زہر تو ہو مگر ان میں تریاقی مادہ نہ ہو تو کوئی جانور زندہ نہ رہ سکے۔

پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ

عن ابی هريره رضی الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اذا شرب احدكم فلايتنفس فی الاناء فاذا اراد ان يعود فليخ الاناء ثم ليعد ان كان يريد.

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جب سانس لینا چاہے تو برتن کو منہ سے ہٹا لیوے اور پھر جب پینے کا ارادہ کرے تو برتن منہ سے لگائے۔

دوسری حدیث میں ابن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔

لم يكن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ينفخ فی الشراب.

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں نہ پھونکتے تھے۔

اور ایسا ہی ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

نهى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ان ينفخ فی الاناء.

یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برتن میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ)

سانس کا پانی میں لینا یا پانی میں پھونکنا اسلئے منع ہوا کہ سانس تمام گندے بخارات لیکر باہر آتا ہے اور پانی میں سانس لیا جاوے یا پانی میں پھونکا جائے تو ان متعفن بخارات سے پانی متاثر ہو جاتا ہے جو اندر سے باہر آتے ہیں اور اس طرح سے وہی بخارات اندر چلے جاتے ہیں جن سے حدوث امراض کا خطرہ ہے۔

انسان کے اندر آمدورفت سانس کی گویا الٰہی مشین ہے جس کے ذریعہ سے گندے اور متعفن مادے ہر دم باہر نکلتے ہیں اور تازہ ہوا اس کے اندر آتی رہتی ہے اور اس کے ذریعہ سے انسان کی صحت قائم رہتی ہے۔ الغرض اندر کے گندے اور متعفن بخارات اور مادے جو سانس کے ذریعہ سے باہر آتے ہیں انکو کھانے پینے والی چیزوں میں سانس کے ذریعہ سے ڈالنا ممنوع ہوا کہ اس سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

انسان کیلئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا

انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ اسکی غذا اصلی گوشت ہے اور اہل عقل کے نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کو جتنی چیزیں دی گئی ہیں۔ آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کیلئے ہیں اس لئے ان سے صاف عیاں ہے کہ یہ دیکھنے سننے کی اجازت ہے۔ ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرمالیجئے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ سارے حیوانات یکساں نہیں ہر کسی کے گوشت میں جدا تاثیر ہے۔ لہٰذا جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا۔ جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر ضرورت ناجائز ہوگا کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے۔ اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں۔ اسلئے سور اور شیر وغیرہ درندے بوجہ بد اخلاقی کے قابل ممانعت ہو گئے اور انکا کھانا انسان پر حرام ہو گیا تا کہ انکے کھانے سے مزاج میں بد خلقی نہ پیدا ہو جائے جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی حیوانات کے کھانے سے انکے مزاج کے موافق انسان میں اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

گوشت ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں؟

ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں اور اس بات کو دوبارہ یاد دلاتے ہیں کہ غذا کا اثر جسم پر ویسا ہی ہوتا ہے جیسا غذا کا مزاج ہو۔ گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی کا پیدا ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح حیوانات کے کھانے سے انسانی اوصاف کا تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے مدام (یعنی ہمیشہ ترکاریاں اور غلے گیہوں، جَو وغیرہ کھانے سے۔۱۲) بقولی وغلہ جات کے کھانے سے انسان میں نرمی وحلم ورحم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور گوشت کھانے سے اس میں شجاعت وجسارت وقوت غضبیہ کو تحریک ہوتی ہے چونکہ انسان جامع جلال وجمال ہے لہٰذا اس کے لئے بقول اور گوشت دونوں قسم کی غذائیں حلال ہوئیں اگر انسان سے قوت غضبیہ بالکل مفقود ہو جائے تو انسانی صفت سے محروم رہ جائے اور اس کے بہت سے امور خلل پذیر ہو جائیں کہیں گرمی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں سردی کی حاجت کبھی تلخ ادویہ مفید ہوتی ہیں اور گاہے شیریں سے حاجت برآری ہوتی ہے۔ جہاں تلخ ادویہ کے ساتھ معالجہ کرنا ہو وہاں شیریں اشیاء کا استعمال کرنا سراسر نقصان دہ غیر مفید ہوگا۔ کبھی غصے وغضب سے ہی کام نکلتا ہے اور نرمی سے بگڑتا ہے اور گاہے نرمی ورفق وحلم سے معاملہ سنورتا ہے اور غصہ وغضب سے خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح اغذیہ کو سمجھ لو اور مرچ جیسی تیز اور نیم جیسی تلخ اشیاء اور قند جیسی شیریں چیزوں کا انسان کیلئے پیدا ہونا اس جانب مشیر ہے کہ انسان کو مدام ایک ہی چیز کا استعمال کرنا مضر ہے۔ گاہے تلخ اور گاہے شیریں، گاہے غلہ ومیوہ جات وسبزی اور گاہے گوشت گاہے رحم اور گاہے غضب کا برتاؤ کرے اور اسی طریق سے عدالت قائم ہو سکتی ہے۔

انسان میں قوت غضبیہ وحلم وغیرہ کی حکمت

انسان کی فطرت پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مختلف قویٰ اس غرض سے

دیئے گئے ہیں تا کہ وہ مختلف وقتوں میں حسب تقاضائے محل اور موقع قویٰ کو استعمال کرے گا انسان میں منجملہ اور خلقوں کے ایک خلق بکری کی فطرت سے مشابہ ہے اور دوسرا خلق شیر کی صفت سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بکری بننے کے محل میں بکری بن جائے اور شیر بننے کے محل میں وہ شیر بن جائے اور خدا تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت ہر محل میں بکری ہی بنا رہے اور نہ یہ کہ ہر جگہ وہ شیر ہی بنا رہے اور جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ ہر وقت انسان سوتا ہی رہے یا ہر وقت جاگتا ہی رہے یا ہر دم کھاتا ہی رہے یا ہمیشہ کھانے سے منہ بند رکھے۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں میں سے صرف ایک قوت پر زور ڈال دے اور دوسری قوتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکو ملی ہیں ان کو لغو سمجھے اگر خدا نے انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور درگزر اور صبر کی رکھی ہے تو اسی خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے۔ پس کیا مناسب ہے کہ ایک خداداد قوت کو تو حد سے زیادہ استعمال کیا جائے اور دوسری قوت کو اپنے میں سے کاٹ کر پھینک دیا جائے اس کو خدا پر اعتراض آتا ہے۔ گویا اس نے بعض قوتیں انسان کو ایسی دی ہیں جو استعمال کے لائق نہیں۔ کیونکہ یہ مختلف قوتیں اسی نے تو انسان میں پیدا کی ہیں۔

پس یاد رہے کہ انسان میں کوئی بھی قوت بُری نہیں ہے بلکہ انکی بداستعمالی بری ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

جزاء سیئة مثلها فمن عفی و اصلح فاجره علی الله.

یعنی اگر کوئی تمہیں دکھ پہنچاوے مثلاً دانت توڑ دے یا آنکھ پھوڑ دے تو اسکی سزا اسی قدر بدی ہے جو اس نے کی لیکن اگر تم ایسی صورت میں گناہ معاف کر دو کہ اس معافی کا کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو اور اس سے کوئی اصلاح ہو سکے۔

یعنی مثلاً مجرم آئندہ اس عادت سے باز آجائے تو اس صورت میں معاف کرنا ہی بہتر ہے اور اس معاف کرنے کا خدا سے اجر ملے گا۔

اس آیت میں دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے اور عفو اور انتقام کو مصلحت وقت سے وابستہ کر دیا گیا ہے سو یہی حکیمانہ مسلک ہے جس پر نظام عالم کا چل رہا ہے۔ رعایت محل اور وقت سے گرم اور سرد دونوں کا استعمال کرنا یہی عقلمندی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہم ایک ہی قسم کی غذا پر ہمیشہ زور نہیں ڈال سکتے بلکہ حسب موقع گرم اور سرد غذائیں بدلتے رہتے ہیں اور جاڑے اور گرمی کے وقتوں میں کپڑے بھی مناسب حال بدلتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح ہماری اخلاقی حالت بھی حسب موقع تبدیلی کو چاہتی ہے ایک وقت نرمی اور تواضع کا موقع ہوتا ہے وہاں رعب دکھلانا سفلہ پن سمجھا جاتا ہے غرض ہر ایک وقت اور ہر ایک مقام ایک بات کو چاہتا ہے پس جو شخص رعایت مصالح اوقات نہیں کرتا وہ حیوان ہے نہ انسان اور وہ وحشی ہے نہ مہذب قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ کسی جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو۔ حقیقی نیکی کس بات میں ہے بخشنے میں یا سزا دینے میں پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔

بوقت ذبح جانور پر تکبیر پڑھنے کا راز

ہر تاثیر کے لئے ایک مؤثر چاہیے اور ایک قابل آفتاب کی تاثیر سے جو آئینہ منور ہو جاتا ہے اور آتشیں شیشہ میں شعاعیں آ جاتی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں آفتاب مؤثر ہے اور آئینہ اور آتشیں شیشہ متاثر اور قابل۔ اگر ادھر آفتاب نہ ہو یہ نورانیت جو آئینہ میں آ جاتی ہے اور یہ سوزش جو آتشیں شیشہ میں پیدا ہو جاتی ہے ظہور نہ کرے اور اگر ادھر آئینہ اور آتشیں شیشہ نہ ہو تب بھی یہ نورانیت اور یہ سوزش ظاہر نہ ہو۔

اسی طرح تکبیر وغیرہ ذکر اللہ موثر ہیں اور حیوانات معینہ قابل اور متاثر اگر موثر کی

جانب بالکل خالی ہو یا بجائے ذکر اللہ کچھ اور ہو جب بھی حلت متصور نہیں اب تکبیر کے مؤثر ہونے کی وجہ سمجھو کہ جب حکمت الٰہی نے انسان کے لئے ان حیوانات کو جو زندگی میں اس کے مثل ہیں مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی تو واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالنے کے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہو اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام ان پر ذکر کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام

ترجمہ: یعنی خدا تعالیٰ کا نام لیں اس چیز پر جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی چار پایوں میں سے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ غلہ، پھل وغیرہ نباتات کا بنی آدم کے لئے ہونا تو ظاہر تھا۔ کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کو زندگی محال تھی البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لئے ہونا اس وجہ سے مخفی تھا کہ مثل بنی آدم کے دست و پا و چشم و گوش وغیرہ اعضاء وقویٰ ان کے حق میں بھی آلات انتفاع ہیں پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم سنگ بنی آدم نظر آتے ہیں البتہ نباتات میں پیدا کرنے کے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذاء ذبح جو اعلیٰ درجہ کی ایذا ہے کیونکہ قتل ہے لاریب اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک ہے جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جائے تو خدا تعالیٰ کی مملوکات ومخلوقات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا اسلئے اس کی اجازت کی ضرورت پڑی۔

مگر ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اس وقت متصور ہے جب تصرف کرنیوالا مالک کو مالک سمجھتا ہو اور اگر کسی اور کو سوائے مالک کے مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت بحکم غیرت مالک ممانعت ضرور ہے علی ہذا القیاس انعام کی توقع اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حقوق مالکیت اسی کو ادا کئے جائیں اور اگر بالفرض مالک کے حقوق کسی اور کو ادا کئے جائیں تو اس وقت انعام کی جگہ الٹا مستحق سزا ہوگا اس لئے

بغرض رفع اشتباہ ذبح کے وقت مالکیت اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے مذہب میں وقت ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بالجملہ وقت ذبح خدا کا نام لینا موافق عقل ضروری ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کی حرمت کی وجہ

اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ ذبیحہ کا کھانا خدا کی اجازت پر مبنی ہوگا مگر یہ ٹھہرے تو پھر اعلان اجازت خداوندی ضروری ہے تا کہ یہ وہم صورت حال ذبح سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی ذات کا محتاج نہیں یا بدوں اجازت خدا کے عمدہ عمدہ مملوکات میں خاطر خواہ تصرف کرسکتا ہے جس سے اسکا ظالم ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے پھر اس پر اس اعلان میں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ خدا کا نام سن کر حیوانات کو بوجہ اعتقاد خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کی جان دینی سہل ہو جائے۔

القصہ خداوند عالم مالک الملک ہے اور حیوانات اسکی متاع۔

اسلئے ان کا حلال ہونا اگر وقت ذبح خدا کا نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو اگر حرام کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گراں نہیں ہوتا کہ اسکی اجازت سے اس کی مملوکات میں تصرف کیا جائے پھر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا اور اگر اجازت کے سوائے یہ بھی پیش آجائے کہ تصرف کرنے والا اس شئی کو کسی اور کے نام کہتا پھر اور اسی کے نام سے اس میں تصرف کرے تو گوارا ہونا کجا الٹی سزائے بغاوت اسکے لئے تجویز کی جائے گی اور وہ چیز اس سے چھین لی جائے گی۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسے ذبیحہ کو جس پر غیر خدا کا نام بوقت ذبح لیا جائے یا غیر خدا کا سمجھ کر برائے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کہتے ہیں اس تقریر سے تو وقت ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے کی خرابی موجہ ہوگئی۔

حرمت شراب وقمار بازی کی وجہ

چونکہ لوگوں کی معاش اور خانگی تدابیر اور سیاست (یعنی شہروں کا انتظام ۱۲) مدن بغیر عقل وتمیز کے مکمل نہیں ہوسکتی اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہلچل پڑجاتی ہے اس سے جنگ وجدال اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں اور طبائع انسان میں جو بیہودہ خواہشیں ہیں وہ بھی عقلوں کو مغلوب کرلیتی ہیں پھر ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان ہوجاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کردیتے ہیں اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہوجائیں۔ اسی روک ٹوک کے لئے شراب کو حرام کیا گیا۔

شراب میں بہت سی خرابیوں کا اندیشہ ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے۔ شراب کی وجہ سے خدا کی جانب خالص توجہ نہیں ہوسکتی تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب درہم برہم ہوجاتے ہیں اسلئے شارع نے شراب کو نجاسات میں داخل کیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ شراب ناپاک اور شیطان کا فعل ہے رجس من عمل الشیطان اس لئے خدا نے اس کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے حکمت الٰہی کا یہی اقتضا ہوا کہ اس کو پیشاب اور پاخانہ کے برابر کردیا جائے تا کہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متمثل ہو جائے اور اس سے خود بخود ان کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہوجائے اور اس کی حرمت کے اور بھی وجوہ ہیں جو فسادوں کے جامع ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصد کم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون.

ترجمہ: شیطان چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بغض شراب اور جوئے سے اور روکے تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے پھر اب تم باز بھی آؤ گے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: **ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام**

یعنی جو چیز بہت نشہ آور ہو وہ تھوڑی بھی حرام ہے۔

قمار بازی یعنی جوا اس لئے حرام ہے کہ اس سے مال ناحق ضائع ہوتا ہے اور

جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور تدابیر مطلوبہ متروک ہو جاتی ہیں اور معاونت جس پر کہ تمدنی زندگی کا دارومدار ہے اس سے انسان اعراض کرتا ہے اگر ہمارے اس بیان کی تصدیق نہ ہوتو پھر غور کرو کہ کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی اور آسودہ حال نہ دیکھا ہوگا ایسا ہی شراب پینے والے کا حال ہے ان کے مضار و فساد بیشمار ہیں۔

اور جس گھر یا قوم و ملک میں شراب کی کثرت ہوگی وہاں مصائب کی کثرت ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ ممالک یورپ میں کثرت شراب نوشی کے باعث مصائب جرم کی بھی یومافیوما ترقی ہو رہی ہے دور نہ جاؤ یورپ میں بلجیم ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آبادی (1/3)3 ملین سے زائد نہیں ہے لیکن ایک لاکھ نو ہزار شراب خانے ملک میں موجو ہیں یعنی ہر پینتیس شخصوں کے لئے جن میں عورتیں اور لڑکے بھی شامل ہیں ایک شراب خانہ ہے گذشتہ نصف صدی میں بلجیم کی آبادی میں فی صدی پچاس کی ترقی ہوئی لیکن شراب خانہ فی صد دو سو اٹھاون (۲۵۸) زیادہ ہوئے۔

اہل بلجیم ایک سال میں ۵۵ گیلن شراب پیتے ہیں اور مجموعی مقدار دو کروڑ دس لاکھ چالیس ہزار پونڈ شراب میں صرف کرتے ہیں یعنی روزانہ ستاون ہزار چھ سو پونڈ کی شراب خرچ ہوتی ہے فی کس (۱/۳) ۳ پونڈ اور فی خاندان پندرہ پونڈ سالانہ کا حساب بالاوسط ہے اس شراب خوری و اسراف کا نتیجہ یہ ہے کہ تعداد جرائم بہت بڑھی ہوئی ہے مجرموں میں فی صدی اسی خودکشی کرتے ہیں ۷۴ قید خانہ رہتے ہیں ۷۹ فقر و فاقہ میں بسر کرتے ہیں اور ۷۵ فی صدی مجنون اور پاگل ہیں۔ حقیقت میں اسلام نے شراب کو حرام کر کے نوع انسانی پر غیر معمولی احسان کیا ہے۔

اسلام میں مسکرات کی ممانعت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس پاک مذہب کو شہوانیت سے کس قدر نفرت ہے ہم اس جگہ یہ سوال نہیں کرتے کہ اگر خلاف اسلام کوئی مذہب نفسانیت کی راہ نہیں بتاتا تو کیوں اس میں شراب جیسی بری چیز کی کوئی ممانعت نہیں۔ کیونکہ یہ مضمون اس وقت زیر بحث نہیں۔

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شراب شہوانی خیالات کو ابھارنے والی ہے جیسا کہ کل دنیا تسلیم کر رہی ہے تو کیا کسی مذہب کا شراب سے منع کرنا اور شراب خوری کو قطعاً روک دینا اس امر کی یقینی اور قطعی، شہادت نہیں ہے کہ وہ شہوانی خیالات سے چھڑانے والا اور راست بازی اور روح ودل کی پاکیزگی کی طرف بلانے والا ہے اگر اسلام ایک نفسانی مذہب تھا۔ اور اسکی غرض بھی تھی کہ شہوانی خواہشات کو پورا کرنے کے ذریعے بتادے اور انکی راہ کھول دیوے تو پھر اس نے شراب کو کیوں منع کیا اور شراب خوری کو کیوں جڑ سے کاٹا۔

ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے جب ہم بعض نام کے مسلمانوں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اسلام کے اصول ایک ابتدائی سوسائٹی کیلئے تجویز کئے گئے تھے جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ گویا یہ اصول ایک وحشی قوم کیلئے تجویز کئے گئے تھے اور آجکل مہذب اقوام کے لئے وہ موزوں نہیں بہر حال ان مہذبوں سے جو آجکل شراب خوری سے تباہ ہو رہے ہیں یہ وحشی قوم ہی اچھی رہی۔

افسوس ہے کہ لوگ واقعات کی بناء پر نتائج پیدا نہیں کرتے بلکہ جو ایک خیال دل میں بیٹھ گیا ہے اسی کی پیروی کرتے ہیں کوئی پاکیزگی اس پاکیزگی کے برابر نہیں جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے مگر اس حقیقی پاکیزگی کو نفسانیت کہا جاتا ہے حالانکہ اس شہوانیت کو جس کی طرف شراب خوری انسانوں کو لے جارہی ہے پاکیزگی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے شراب ہی وہ چیز ہے جو انسان کے نفسانی جذبات کو جوش میں لاتی ہے اسی شراب خوری کی علت کو اسلام نے جڑ سے کاٹ کر انسانوں کو حیوانی جذبات سے آزاد کر دیا ہے۔ ابھی تک دنیا اس حقیقی نور سے بے خبر ہے مگر وہ زمانہ بہت قریب آیا جاتا ہے کہ جب دنیا کی آنکھیں اس نور کے دیکھنے کے لئے کھولی جائیں گی اور جب اسلام کے اصول دنیا کو معلوم ہوں گے تب سمجھ میں آئے گا کہ وہ پاکیزگی ان لوگوں کے وہم وگمان سے بھی برتر ہے جو اسلام سکھاتا ہے۔

حرمت سود کی وجہ

سود کی ایک کثیر الوقوع صورت یہ ہے کہ مقروض نے جتنا قرض لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام اور باطل ہے کیونکہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرض اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفاء نہ کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں جھگڑوں اور عام خصومتوں کا گمان غالب ہے اور جب کہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی اسلئے اس پیشے کو حرام ٹھہرایا گیا۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه واله وسلم اکل الربوا وموکله وشاهدیه وکاتبه. (مسلم وترمذی شریف)

ترجمہ۔ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا نے بیاج لینے والے اور دینے والے اور سود کا معاہدہ لکھنے والے اور سود کے گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے اور خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو سود رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے اور سود لینے اور دینے سے باز نہیں آتے ہو تو تم کو خدا اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

اور دینے کی ممانعت اسلئے ہے کہ اگر سود دینے والے ہی نہ ہوں یعنی سود پر قرض کوئی نہ لے تو پھر سود خور بھی کوئی نہ رہے گا بلکہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی ہو جائے۔ پس اعتبار خاص سے یہ زیادہ تر گناہ ان لوگوں کا ہے جو سود کے دینے کے معاہدہ پر قرض لیتے اور پھر سود کھانے والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جن قوموں کا پیشہ سود خوری کا تھا

وہ بالآخر ذلیل و مطرود ہوگئیں۔ منجملہ ان کے قوم یہود ہے کہ چپہ بھر ان کی کہیں سلطنت نہیں ہے جس ملک میں جاتے ہیں ایسے اسباب مہیا ہوجاتے ہیں کہ ذلیل ہو کر انکو نکلنا پڑتا ہے اس کی جڑ یہی ہے کہ یہ سودخور قوم ہے جب لوگ سمجھتے ہیں کہ انکے پیچھے سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا تو اپنے بادشاہوں کے پاس چغلیاں کھاتے ہیں اور پھر انہیں حکم ہوتا ہے کہ اس ملک سے نکل جاؤ۔

نیز سودخوروں کے اخلاق بہت برے ہوتے ہیں۔ ایک شخص حکایت کرتے تھے کہ میں نے ایک فقیر کیلئے ایک سودخور سے سفارش کی تو وہ کہنے لگا کہ پانچ روپے میں دیدوں گا مگر میرے پاس رہتے تو سو برس میں سود در سود ۱۴ لاکھ ہوجاتا۔

لکھنؤ میں ایک سلطنت تھی وہ بھی محض سود سے تباہ ہوئی۔ پہلے انکے مبلغات پرامیسری نوٹوں کے بدلہ میں گئے پھر وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور آخر وہ وقت آیا کہ یہ سلطنت برباد ہوگئی بعض نابکار لوگ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا حالانکہ بارہ سو برس کا (بارہ سو برس میں نے اس لئے کہا کہ تیرھویں صدی میں مسلمانوں نے سود لینا دینا شروع کردیا) تجربہ بتاتا ہے کہ بغیر سود کے سب کام چل سکتے ہیں اور بعض صورتیں سود کی اور بھی ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں انکی تحریر کی علت ذرا غامض (یعنی اس کا سمجھنا مشکل ہے) ہے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

حرمت سود پر دلائل تو یہ قرآن شریف کی وہ آیات جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے

دوسری آیت جس میں سودخوری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پُرزور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ

فَلَكُمْ رُءُ وْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ٥ وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥

یعنی اے مسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کیلئے ہوشیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تم کو پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگ دست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ اور زیادہ بہتر ہے کہ اسکو خود ہی معاف کر دو۔

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ

کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اس لئے مشروع ہے کہ اس فعل سے انسان جملہ امراض متعدیہ سے محفوظ و مصوٗن رہتا ہے کیونکہ اجرام موذیہ جو کہ مورث امراض متعدیہ ہوتے ہیں وہ ہاتھ دھونے سے اتر جاتے ہیں اور انسان کے اندر نہیں داخل ہوتے۔

❁❁❁

کتاب الجنایات والحدود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم. امابعد:

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے محض بنی آدم کی خاطر با آرام و پُر امن زندگی بسر کرنے کیلئے کچھ ایسے قوانین اور احکام مقرر فرمائے جو بنی آدم کے پیش نظر رہنے سے وہ ایک دوسرے پر ظلم وتعدی نہ کرسکیں اور جو کوئی ان قوانین کا نقض کرے اس کی سزا دہی کے مشاہدہ سے باقیوں کیلئے عبرت ہو۔

زانی محصن وغیر محصن کی سزا میں فرق کی وجہ

محصن کی حد سنگساری اور غیر محصن کی حد درے لگانا ہے اور محصن وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں۔ آزاد مسلمان عاقل بالغ۔ اس نے کسی عورت سے صحیح نکاح کیا ہو اس سے ہمبستر بھی ہوا ہو اور وہ عورت بھی انہیں صفات سے موصوف ہو اور رجم میں ان شرائط کا ہونا اسلئے مقرر ہوا کہ رجم سزائے شدید ہے اور ان صفات میں نعمت مزید ہے جو کہ ظاہر ہے تو جلائل (یعنی بڑی نعمتوں) نعم کے ساتھ جرم کا ارتکاب عقوبت شدیدہ کا موجب ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہ امور خاص طور پر زنا سے مانع ہیں۔ چنانچہ عقل کا مانع ہونا کون نہیں جانتا۔ اسی طرح بلوغ سے عقل کا کمال ہوتا ہے اسلام خود فواحش (یعنی بیحیائی کے کاموں سے روکنے والا ہے) سے زاجر ہے۔

آزاد آدمی نکاح پر اپنے اختیار سے قادر ہے اور نکاح صحیح کے بعد وطی پر قادر ہے

اور وطی سے سیری ہو جاتی ہے اور حلال سے سیر ہو جانا حرام سے خود مانع ہے جو مرغوب ہو اور یہ صفات رغبت کی مکمل ہیں۔ کیونکہ مجنونہ کی صحبت سے نفرت ظاہر ہے اور نابالغہ کو چونکہ خود رغبت کم ہوتی ہے اسلئے اس کی طرف مرد کو بھی کم رغبت ہوتی ہے اور مملوکہ کی صحبت میں اسلئے بے رغبتی ہوتی ہے کہ اندیشہ اولاد کے غلام ہونے کا ہوتا ہے اور کافر عورت سے بھی بوجہ اختلاف دین کے رغبت کم ہوتی ہے اور جانبین میں ان صفات کے ہونے سے نعمت اور رغبت منکوحہ کامل ہے اور دونوں بالغ قوی ہیں ارتکاب جرم سے پھر بھی ارتکاب کرنا موجب ہوگا عقوبت شدیدہ کا اور وہ رجم ہے اور ان صفات کے نہ ہونے سے موانع اتنے قوی نہیں گو موانع اس وقت ہیں۔ کیا اسلام اور عقل و بلوغ مانع نہیں ہیں موانع کے ہونے کے سبب تو عقوبت مشروع ہوگئی اور ان کے اس درجہ قوی نہ ہونے سے وہ عقوبت خفیف ہوئی اور وہ درے لگنا ہے۔ (من الھدایہ ملخصا)

چوری کی سزا میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا کی سزا میں شرمگاہ نہ کاٹنے کی وجہ

چور کی سزا میں چور کا ہاتھ کاٹنا اور زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ نہ کاٹنا خدا تعالیٰ کی نہایت حکمت و مصلحت پر مبنی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت اور اسکی مخلوق کی مصلحت میں جائز نہیں ہے کہ ہر مجرم کا وہی عضو کاٹا جائے جس سے اس نے گناہ کیا ہو کیونکہ اس طرح ہر ایک بدنظر کی آنکھ نکالی جاتی اور بری بات کے سننے والے کے کان کاٹے جاتے اور ہر بدزبانی کرنے والے کی زبان کاٹنی پڑتی اور ہر ایک ظلم سے طمانچہ مارنے والے کے ہاتھ کاٹے جاتے۔ اور اس طرح کی سزا میں جو زیادتی و تجاوز کرنا پڑتا وہ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں عدم لحاظ مراتب ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات عالیہ اور اسکے افعال حمیدہ اس امر کو نہیں چاہتے کیونکہ حد مقرر کرنا محض امن ہی کیلئے نہیں ہے ورنہ اگر اس امر کا ارادہ ہوتا تو مجرم کو قتل

کرنا بھی لازم ہوتا حد مقرر کرنے سے مقصود خود مرتکب کو گناہ پر توبیخ وزجر کرنا اور سزا دینا اور آئندہ کے لئے عبرت دلانا منظور ہے اور دوسرے آدمی ایک کی سزا سے عبرت پکڑیں اور نیز یہ بھی کہ مجرم عذاب وسزا سے خالص توبہ کی طرف رجوع کرے اور یہ بھی کہ حد کی سزا سے انسان کو عذاب آخرت یاد آجائے اور مصالح بنی آدم کو سمجھ کر بھی آئندہ بدیوں سے باز آجائے اور یہ مصالح قطع اعضاء کو مقتضی نہیں مطلق سزا کو مقتضی ہیں پھر یہ بات کہ چور کیلئے قطع ید کیوں تجویز کیا سو اس میں ایک اور بات ہے۔ وہ یہ کہ چور چوری پوشیدہ طور پر کرتا ہے۔ جیسا کہ سرقہ کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کی طرف چوری سے دیکھتا ہے جب کہ وہ اسکو خفیہ نظر سے دیکھتا ہو اور نہ چاہتا ہو کہ اس کو کوئی معلوم کرے۔ سو چوری کا کرنیوالا پوشیدہ اور خائف رہتا ہے کہ مبادا اس سے کوئی واقف ہو تو ماخوذ ہو جائے اور جب وہ کوئی چیز اٹھاتا ہے تو اپنے آپکو چھڑانے کیلئے بھاگنا اختیار کرتا ہے اور اس بھاگنے میں قوت ہاتھوں اور پاؤں سے ہوتی ہے کیونکہ دونوں ہاتھ انسان کیلئے ایسے ہیں کہ جیسا پرندہ کیلئے اڑنے کے دو بازو ہوتے ہیں۔ اور پاؤں کا دخل بھاگنے میں ظاہر ہے پس چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا اس کی بازوئے قوت کو کوتاہ کرنے اور دوبارہ چوری کرے تو اسکو بآسانی پکڑنے کیلئے ہے۔ جب پہلی دفعہ چوری کرے تو اس کا ایک بازو کاٹا جائے تا کہ اسکی دوڑ دھوپ میں کمزوری واقع ہو جائے۔

پھر دوسری دفعہ چوری کرے تو اسکا ایک پاؤں قطع کیا جائے تا کہ اسے بھاگنے میں زیادہ کمزوری ہو جائے اور کوئی بھی اسکو بھاگنے نہ دے۔ اور اس کے بعد تیسری چوتھی بار میں چوری کرنا اس کا نادر ہے اسطرح پھر قطع سزا میں تجویز نہیں کیا گیا۔ اگر نادراً ایسا کرے تو محبوس کیا جائے تا کہ لوگ اس کے دکھ سے آرام پائیں۔

اور زانی کی شرمگاہ سزا میں اس لئے نہیں قطع کی جاتی کہ زانی تو سارے بدن کے ساتھ زنا کرتا ہے اور تمام بدن سے لذت لیتا اور قضائے شہوت کرتا ہے اور زنا کا

فعل اکثر زانیہ کی مرضی ورضا پر بھی ہوتا ہے وہ اس امر سے نہیں ڈرتا جس سے چور ڈرتا ہے یعنی طلب کرنے اور ڈھونڈنے سے۔ اس لئے زنا میں غیر محصن کے سارے بدن کو درے لگانے اور محصن کو تمام بدن کے سنگسار کرنے کی سزا دی جاتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے چونکہ زنا سے نسب مل جاتے ہیں اور نسب مل جانے سے تعارف وشناخت اور دین کے زندہ کرنے کی امداد باطل ہو جاتی ہے اور اس میں ہلاکت کشت وتباہی نسل انسانی لازم آتی ہے پس زنا اکثر امور میں قتل سے' مشابہت رکھتا ہے لہذا اس کی بعض صورتوں میں قصاص سے توبیخ وتنبیہ کی گئی تاکہ ایسا فعل کرنے سے اور لوگ رک جائیں اور دنیا میں امن واصلاح ہو کیونکہ اصلاح سے انسان عبادات الٰہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اور عبادات الٰہی نعمائے اخروی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

نیز زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے میں اسکو آئندہ نسل سے محروم ٹھہرانا لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کی حکمت ومصلحت کے برخلاف ہے کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگوں کی اولاد وذریت انکی عورات بکثرت پیدا ہو اور قطع شرمگاہ سے قطع نسل لازم آتا ہے لہٰذا یہ امر مشروع نہ ہوا۔ نیز زانی کی شرمگاہ قطع کرنے میں بے ستری بھی ہے اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سارے بدن سے جرم زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر سارے جسم کو چھوڑ کر ایک عضو کو سزا دینا خلاف عدل تھا لہٰذا عدل اس امر کا مقتضی ہوا کہ زانی کے سارے جسم کو سزا دی جائے۔

شراب خوری' زنا لواطت اور سرقہ میں کفارہ مقرر نہ ہونے کی وجہ

حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ماکان من المعاصی محرم الجنس کالظلم والفواحش فان الشارع لم یشرع له کفارة لهذا لاکفارة فی الزناوشرب الخمروقذف المحصنات والسرقة ولیس ذلک تخفیفا من مرتکبها بل لان الکفارة لانعمل فی هذا الجنس من معاصی وانما عملها فیما

كان مباحافي الاصل وحرم لعارض كالوطى فى الصيام والاحرام.

ترجمہ۔ جو گناہ حرام کی جنس سے ہوں مثلاً ظلم اور امور فاحشہ انکے لئے شارع نے کوئی کفارہ مقرر ومشروع نہیں فرمایا اس لئے زنا شراب خوری محصنہ عورتوں کو تہمت لگانے اور چوری کرنے میں کوئی کفارہ مشروع نہیں ہوا اور ان گناہوں کا کفارہ و مشروع نہ ہونا ان کے ارتکاب کرنے والوں سے تخفیف نہیں ہے بلکہ ان میں کفارہ اسلئے مشروع نہیں ہوا کہ اس جنس کے گناہوں میں کفارہ اثر نہیں کرتا کفارہ کا اثر وہاں ہے کہ جو امر دراصل مباح ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائے مثلاً ماہ رمضان و حالت احرام میں جماع کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے مگر اور عنوان صدر کے گناہ فی نفسہ کبائر اور بڑے سخت گناہ ہیں اس لئے ان میں سزا ہی ہے کفارہ نہیں۔

حالت حیض میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اور عورت کی دبر میں جماع کرنے سے عدم کفارہ کا راز

عن ابن مسعود رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فى الذى ياتى امرأة وهى حائض قال يتصدق بدينار اوبنصف دينار.

ترجمہ: اس شخص کے حق میں جو اپنی عورت سے حالت حیض میں جماع کرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک دینار یا آدھا دینار بطور کفارہ صدقہ دیدے۔ (ابن ماجہ)

ہم قبل ازیں اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ امور جو دراصل مباح ہیں مگر کسی عارضی امر سے حرام ہو جائیں ان کا ارتکاب ایسی عارضی حالت میں موجب کفارہ ہے۔

سو حالت حیض میں جماع کا حرام ہونا عارض حیض سے ہے لہٰذا اس میں کفارہ مقرر ہوا اور یہ امر موافق قیاس ہے اور دبر میں عورت سے جماع کرنے میں کفارہ اس لئے مقرر نہیں ہوا کہ یہ امر کبھی مباح نہیں ہوا۔

پس کفارات میں شارع کا یہی طریق ہے کہ جو امور مباح ہیں اور کسی عارضی

امر سے حرام ہو جائیں ان میں کفارات نہیں اور جو امر مدام حرام ہیں ان میں حدود وتعزیرات ہیں۔ اور یہ امر نہایت مطابق حکمت ومصلحت کے ہے۔

قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے کی وجہ

قتل میں دو گواہ پر اکتفا کرنا اور زنا میں چار گواہ مانگنا نہایت حکمت ومصلحت الٰہی پرمبنی ہے کیونکہ شارع کا مقصود قصاص وحد زنا میں احتیاط کرنا ہے سو قتل میں تو وہ احتیاط یہ ہوئی کہ اگر قتل میں چار گواہ مطلوب ہوتے تو خونریزیاں بکثرت ہوتیں اور لوگ قتل میں زیادہ دلیر ہوتے اور اکثر مقتولوں کے قاتل قصاص سے بچ کر زیادہ خونریزی کا باعث ہوتے اور زنا میں وہ احتیاط یہ ہوئی کہ زنا میں چار گواہ مطلوب ہونے میں اس امر کی زیادہ پردہ پوشی ہے پس زنا کے متعلق ایسے چار گواہ مطلوب ہوئے جو فعل زنا وچشم دید واقعہ زنا ایسے طور سے بیان کریں جس میں احتمال وگمان کا شائبہ نہ ہو ایسا ہی اقرار زنا میں چار بار سے کم اقرار پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں بھی اس امر کی پردہ پوشی میں مبالغہ ہے جس کا اظہار کرنا خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

چنانچہ اس امر شنیع وقبیح کی مومنوں میں اشاعت کرنے والے کے لئے خدا تعالیٰ دنیا وآخرت میں عذاب الیم کا ہونا قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔

شراب کا ایک قطرہ پینے سے وجوب حد اور کئی سیر بول پینے وگندگی کھانے سے عدم وجوب کی وجہ

(۱) یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں سے اور مطابق عقول سلیمہ اور موافق مصالح عامہ کے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں بول پینے وگندگی کھانے سے جبلی وطبعی نفرت وکراہت رکھی ہے اور یہ طبعی نفرت ہی انسان کو ایسے امور پر اقدام کرنے سے روکنے میں کافی ووافی ہے لہٰذا اس میں حد کی ضرورت نہ ہوئی اور شراب پینے کے لئے طبیعتوں کے زیادہ تر خواہشمند ہونے سے ان کے لئے

سخت سزا کا مقرر کرنا مناسب ہوا تا کہ کم اور بیش ہر مقدار کے شراب پینے سے رک جائیں یہی وجہ ہے کہ تھوڑی سی شراب پینے سے بھی اگر چہ وہ نشہ آور نہ ہو حد مقرر ہوئی کیونکہ تھوڑی سی شراب پینا بہت کی طرف داعی ہے۔

(۲) شراب پینے سے جو فساد وضرر لازم ومتعدی ہوتے ہیں وہ بول پینے و گندگی کھانے کی بہ نسبت کئی چند زیادہ ہے کیونکہ بول پینے یا گندگی کھانے کی مضرت اسی شخص تک محدود رہتی ہے جو پیتا یا کھاتا ہے اور وہ بھی اتنی شدید نہیں جس قدر شراب میں بوجہ زوال عقل شدید ہے۔

حکمت حدود و کفارات

حدود و کفارے اس لئے بھی مقرر ہوئے کہ گناہوں پر زجر وتوبیخ لوگوں کو ہوتی رہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لیذوق وبال امرہ۔ ترجمہ۔ یعنی تا کہ اپنے کیے کا مزہ چکھے اگر حدود مقرر نہ ہوتے تو سرکش لوگ شرارتوں سے باز نہ آتے اور سرکشی میں بڑھتے۔ کفارات بھی اسی امر کیلئے ٹھہرائے گئے ہیں اور کچھ مصالح حدود کے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

وجہ قصاص

قصاص قتل و جنگ و فساد کو باز رکھنے کیلئے قرار دیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولکم فی القصاص حیوۃ یااولی الالباب

ترجمہ۔ یعنی اے عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

حرمت قتل کی وجہ

اگر باہمی لڑائیاں لوگوں میں رہیں تو آبادیاں اور شہر خراب اور ویران ہو جائیں اور تمام امور معاش میں خلل پڑ جائے اور تمدنی زندگی میں خطرناک تباہیاں و بربادیاں ظاہر ہوں اس واسطے قتل حرام ہوا۔ پس قتل اگر تجویز ہوگا تو کسی بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز ہوگا اور قتل کے علاوہ بھی دوسرے اسباب بھی ہلاکت کیلئے

اختیار کئے جاتے ہیں وہ بھی مثل قتل ہی کے حرام ہیں۔ مثلاً کبھی لوگوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ وفکر ہوتا ہے اس لئے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں یہ بھی قتل کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے تو بچنا مشکل ہے سو ایسے امور بھی خرابی تمدن کے سبب اور پبلک میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔

حرمت سرقہ کی وجہ

معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے یہ قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اس میں مویشی چرائیں کھیتی باڑی زراعت تجارت سے معاش پیدا کریں اس وجہ سے لازم ہوگا کہ چوری اور غصب سے پرہیز کریں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ ان سے تمدن میں خلل آتا ہے اور یہ امن عام میں اختلال کی صورت ہے اس لئے یہ امور خدا تعالیٰ کو پسند نہیں۔

حرمت زنا کی وجہ

فاسق و فاجر کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ تدابیر نافعہ کے تو معتقد ہیں لیکن ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہوجاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کراتی ہیں وہ خود خوب جانتے ہیں کہ ہم گناہ گار ہیں اور لوگوں کی بہو بیٹیوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی انکی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصہ سے کانپنے لگیں وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے اور ایسے اثروں کا ہونا انتظام تمدن کیلئے سخت مضر ہے لیکن باوجود اس جاننے کے خواہشات نفسانیہ ان کو اندھا کر دیتی ہیں اور راز اس وجدانی اثر کا یہ ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل مردوں کو ہوتا ہے اس واسطے بالہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو اس میں دوسرا شخص کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے اور زنا کی اصل یہی مزاحمت ہے اسلئے یہ خیال اور یہ اثر ہر شخص کا فطری اور وجدانی ہوگیا ہے پس ایک

سبب تو حرمت زنا کا یہ امر فطری ہے اور دوسرا سبب ایک مصلحت عقلی ہے وہ یہ کہ زنا سے خلط نسب ہو جاتا ہے اور نیز وہ قتل اور فساد کا منبع ہے اس لئے بھی یہ طریق نہایت قبیح اور برا ہے اسی لئے خدا تعالیٰ اس کے منع کرنے میں فرماتا ہے۔

ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا.

ترجمہ۔ یعنی ان اسباب کے نزدیک بھی نہ جاؤ جن سے زنا تک نوبت پہنچے کیونکہ زنا بے حیائی کا کام اور برا طریق ہے۔........ کیونکہ اگر یہ راہ نکلے تو مفاسد مذکورہ جو کہ عظیم ہیں لازم آئیں اور اسباب کے نزدیک نہ جانے کا یہ مطلب ہے کہ بیگانہ عورت کو نہ دیکھو اور نہ اس کے حسن ومحاسن کی باتیں سنو جن کو دیکھ کر یا سن کر تمہارے خیالات زنا کی طرف برانگیختہ ہوں اور جن سے زنا تک نوبت پہنچے۔

حرمت لواطت کی وجہ

ایسی عادت سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے اس طریق سے گویا انسان نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف طریقے سے قضائے حاجت کرتا ہے اس وجہ سے ان افعال کا برا اور مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن ان کے جواز کا اقرار نہیں کرتے اگر ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کی جائے تو شرم وحیا سے مرجانا گوارا کرتے ہیں ہاں جو منبع فطرت سے جدا ہو گئے ہوں تو ان کو پھر کسی کی حیا باقی نہیں رہتی اور برملا وہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔

حد، تعزیر، کفارہ میں کیا فرق ہے

حد عربی لفظ ہے اس کے معنی باز رکھنے اور اندازہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں کسی گناہ کی سزا دینے کا جو اندازہ خدا نے اس طرح مقرر و معین کر دیا کہ اس میں کسی کی رائے سے کمی وبیشی نہیں ہو سکتی اس کو حد کہتے ہیں مثلاً محصن زانی کو سنگسار کرنا اور غیر محصن کو درے لگانا اور چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ۔

اور تعذیر وہ ہے کہ جس گناہ کی سزا میں خدا تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ اسکی سزا حسب حال زمان و مکان حکام کی رائے پر چھوڑی گئی ہے۔ البتہ اس کیلئے کچھ کلیات بتلا دیئے ہیں کہ انکی مخالفت جائز نہیں لغت میں تعزیر کے معنی ادب دینا تعظیم کرنا آئے ہیں سو یہ امر بھی خدا تعالیٰ کے احکام کی عزت و تعظیم کیلئے قائم کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں احکام الٰہی کی عزت و شوکت قائم رہے اور انکی ہتک عزت نہ ہو اور یہ دونوں افعال غیر مباحہ کی سزا میں مقرر ہوئے ہیں۔

اور کفارہ وہ ہے جو ایسے امور میں بطور بدلہ و تاوان کے مقرر ہو جو اصل میں مباح ہوں مگر کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائیں مثلاً ماہ رمضان اور حالت احرام میں جماع کرنا کہ اول کا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے پے در پے دو ماہ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا دے اور ثانی کا کفارہ قربانی دینا ہے اعلام الموقعین میں لکھا ہے۔

واماالتعزیرففی کل معصیة لاحدفیها ولاکفارة فان المعاصی ثلثة انواع نوع فیه الحد ولاکفارة فیه ونوع فیه الکفارة ولاحدفیه ونوع لاحدفیه ولاکفارة فالاول کالسرقة والزنا والقذف والثانی کالوطی فی نهار رمضان والوطی فی الاحرام والثالث قبلة الاجنبیة والخلوة بهاودخول الحمام بغیر میزرواکل المیتة والدم ولحم الخنزیر ونحو ذلک فاما النوع الاول فالحد فیه مغن عن التعزیروا ما الثانی فهل یجب مع الکفارة فیه تعزیر ام الاعلی قولین واماالثالث ففیه التعزیر قولاواحدا.

ترجمہ۔ تعزیر ان گناہوں میں مشروع ہے جن میں کوئی حد اور کفارہ نہیں ہے کیونکہ گناہ کی تین اقسام ہیں۔ ایک وہ قسم ہے جن میں حد مقرر ہے اور کفارہ ان میں مقرر نہیں ہے اور ایک وہ قسم ہے جن میں کفارہ ہے اور حد مقرر نہیں ہے اور ایک وہ قسم ہے جن میں نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ کفارہ ہے پہلی قسم جیسے چوری زنا۔ تہمت لگانا۔ ان میں حد مقرر ہے اور دوسری قسم یعنی وہ جن میں صرف کفارہ مقرر ہے حد نہیں جیسے ماہ

رمضان کے دن میں یا حالت احرام میں جماع کرنا اور تیسری قسم یعنی وہ جن میں نہ کوئی حد ہے اور نہ کفارہ ہے صرف تعزیر ہے جیسے اجنبی عورت کا بوسہ لینا اور اسکے ساتھ علیحدہ مکان میں بیٹھنا اور حمام میں بغیر ازار کے داخل ہونا اور مردار و گوشت خوک کھانا وغیرہ سو پہلی نوع میں حد ہی تعزیر کی جگہ کافی ہے۔ اور دوسری میں آیا کفارہ کے ساتھ تعزیر بھی واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ اور تیسری میں محض تعزیر ہے بلا اختلاف۔

وجہ حرمت وعدہ شکنی

عہد شکنی اس لئے حرام ہے کہ جس انسان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے وعدہ شکنی سے اسکو ضرور تکلیف پہنچتی ہے اس کو وعدہ کنند پر اعتبار و انتظار سا رہتا ہے جب وعدہ کنندہ دیدہ و دانستہ کسی کو ضرر و تکلیف پہنچانے کی غرض سے ناحق وعدہ توڑتا ہے تو حظیرۃ القدس سے اس پر لعنت الٰہی برستی اور ملائکہ رحمت کی توجہ اس سے برگشتہ ہو جاتی ہے اور ملال و حزن کی صورتیں اس کے دامنگیر ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوفوا بالعقود کا امر فرمایا ہے تاکہ انسان نقض عہد کی وجہ سے مستحق لعنت نہ بنیں۔

داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کی وجہ

داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے چھوٹے بڑے کی تمیز ہو سکتی ہے اور مردوں کیلئے ایک قسم کا جمال اور انکی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری ہوا اور اس کا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الٰہی کی تغیر بھی پائی جاتی ہے۔ داڑھی ترشوانے کی وجہ سے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیلوں میں شمار ہو جاتے ہیں تمام انبیاء صلحاء داڑھی رکھتے آئے ہیں۔

اگر داڑھی منڈوانے میں کوئی مصلحت اور فائدہ ہوتا تو وہ سب سے پہلے منڈواتے کیونکہ ایسے لوگ تمام دنیا کیلئے بہتری و بھلائی کا نمونہ بن کر آیا کرتے ہیں اور مونچھیں کٹوانے کی وجہ یہ ہے کہ جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ کچھ

کھاتا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ بھی مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خالفوا المشركين قصوا الشوارب واعفوا اللحى

یعنی مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

عقوق والدین کی حرام ہونے کی وجہ

والدین اولاد کی تربیت میں ایسے ایسے شدائد جھیلتے اور انکی پرورش میں محنتیں اور مشقتیں اپنی جانوں پر برداشت کرتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں اس لئے والدین کی خدمت گزاری کرنا لازمی طریقہ قرار دیا گیا۔

شطرنج بازی، کبوتر، بٹیر بازی پینگ بازی تاش بازی وغیرہ کی حرمت کی وجہ

بعض لوگ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول ہوجاتے ہیں یہ ایسی چیزیں ہیں جسکی وجہ سے دنیا و آخرت کی ضروریات سے بے فکری ہو جاتی ہے اور اوقات ضائع ہوجاتے ہیں جیسے شطرنج اور کبوتر بازی اور بٹیر بازی اور دیگر جانوروں کا لڑانا وغیرہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوجاتا ہے تو پھر اس کو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات پیشاب روکے بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے نہیں ہلتا پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام ہوجائے تو یہ لوگ تمام شہر پر بوجھ پڑ جائیں اور اپنی اور اپنی جان کی انکو خبر نہ رہے۔ اسی لئے ان مشاغل سے منع کر دیا گیا چنانچہ ایک بار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو ایک کبوتر کے پیچھے جاتے دیکھا تو فرمایا کہ ایک شیطان ہے جو کہ ایک شیطان کے پیچھے جاتا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ شطرنج کے بارہ میں روایات موجود ہیں اور ایسے ہی مفاسد جن جن امور میں ہوں وہ سب بھی اس حکم میں شریک ہوں گے۔

مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کے ممنوع ہونے کی وجہ

(۱) سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اگر دستور جاری ہو جائے کہ سونا مرد اور عورت سب کو عام ہو جائے تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے کہ اس میں مردوں کو صرف انگشتری کی اجازت دینے سے یہ مفسد لازم نہیں آتا۔ رہی یہ بات کہ عورتوں کو کیوں اجازت ہوئی۔ سو اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تا کہ ان کے خاوندوں کو رغبت ہو۔ یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور ہے اس لئے ضروری ہوا کہ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ زینت کی اجازت دی جائے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اظہار اس فرق کے فرمایا ہے:

احل الذهب والحرير لاناث امتي و حرم علي ذكورها

یعنی سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا ہے اور مردوں پر حرام کیا گیا ہے۔........ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا تم میں سے جو شخص آگ کا انگارا چاہے وہ اسکو اپنے ہاتھ میں لے اور حریر کے متعلق فرمایا۔

من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه يوم القيٰمة

یعنی جس نے دنیا میں حریر پہنا تو وہ قیامت کے دن اسکو نہ پہنے گا۔

یہ تو پہننے سے متعلق تھا باقی اور طرق استعمال میں مرد اور عورت اور چاندی اور سونا سب برابر ہیں۔ چنانچہ سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پینا آپ نے فرمایا۔

لاتشربوا في انية الذهب والفضة ولا تاكلوا في صحافها فانها لهم في الدنيا ولكم في الاخرة.

ترجمہ: سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ انکی رکابی میں کھاؤ کیونکہ ان کیلئے تو وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

(۲) عورتوں کے لباس وتشبیہ سے مردوں کو متمیز کرنا ضروری تھا لہٰذا سونا و چاندی اور ریشم پہننا بالعموم عورتوں کیلئے مخصوص ہوا اور باستثناء انگشتری سیم مردوں کیلئے حرام ہوا اسی امر کی طرف حضرت ابن قیم اشارہ فرماتے ہیں۔

بتحريم الذهب والحرير على الرجال حرم الله

ذريعة التشبيه بالنساء الملعون فاعله.

یعنی سونا اور ریشم کو مردوں پر حرام کر دینے سے عورتوں کی مشابہت کرنے کے ذریعہ کو حرام فرما دیا ہے جس کے فاعل پر لعنت وارد ہوئی ہے۔

(۳) خدا کو نہایت عیش پسندی ناپسند ہے حریر کا لباس پہننا اور سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ انسان کو اسفل السافلین (یعنی نہایت پستی) میں گرا دیتے ہیں اور فکروں کو تاریک خیالات کی طرف کر دیتے ہیں۔ غرض یہ تو معلوم ہوا کہ نہایت درجہ کی عیش پسندی خراب امر ہے لیکن وہ کوئی باقاعدہ منضبط امر نہیں جسکے مواقع ظاہری نشانوں سے ایسے متمیز ہوں جن کی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سے باز پرس کر سکیں چنانچہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی۔ بعض لوگوں کے سامان عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوتی ہے اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اس وجہ سے شرع نے جب عیش پسندی کی خوبیاں بیان کیں تو ان اشیاء کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کیلئے منتفع ہوا کرتے ہیں اور ان سے لوگوں میں عیش حاصل کرنے کی عادت شائع ہو گئی ہے اور شرع نے عجمی اور رومی لوگوں کو ان اشیاء پر متفق پایا تھا اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان تمام امور کو قرار دے کر ان کو حرام کر دیا اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں انکی عادت ہے ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا اس لئے حریر اور سونے چاندی کے برتن محرم ابواب سے شمار کئے گئے

اوران پر وعید بھی ارشاد فرمائی گئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لاتاکلوا فی انیة الذهب والفضة ولاتشربوا فی صحافها

فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الاخرة.

اور فرمایا نہ کھاؤ سونے اور چاندی کے برتنوں میں اور نہ پیو چاندی سونے کے پیالوں میں کیونکہ یہ برتن مخالفین اسلام کیلئے دنیا میں ہیں اور تم کو آخرت میں ملیں گے۔

جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پیتا ہے اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ جنبش کرے گی اور یہ حرکت کھانے پینے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ساری وجوہ نفع کو شامل ہے لہٰذا حلال نہیں ہے کہ چاندی اور سونے کے برتن کے ساتھ غسل یا وضو کرے یا ان سے تیل ملے یا سرمہ دانی بنائے۔ اور اس تقریر سے غیر اہل اسلام کیساتھ لباس وغیرہ تشبہ کرنے کی ممانعت معلوم ہوگئی ہوگی۔ کہ مقصود تبعید ہے انکے اوضاع و اطوار سے اسکی بہت صاف نظیر مردوں کا زنانہ لباس پہننے سے طبعاً منقبض ہونا ہے۔

تصویر رکھنے کی ممانعت کی وجہ

اس میں بُت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے (حجۃ اللہ) یعنی جب اسکی عام عادت ہو جائے گی اور عام میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور دیکھنے والے مختلف فہم کے ہوتے ہیں تو ضرور کسی نہ کسی وقت اس میں مفسدہ پیدا ہوگا جیسا پہلے ہو چکا کہ خاص بنانے والوں نے پرستش نہیں کی محض بزرگوں کی یادگار بنائی تھی پھر آخر اس کی نوبت پہنچی اس وقت دیکھ لیجئے کہ باوجود علوم قدیمہ وعلوم جدیدہ کی روشنی پھیلنے کے ایک بڑے معزز بیرسٹر صاحب کی حکایت سنی ہے کہ صبح اٹھ کر اپنے پیر کی تصویر کو نہایت ادب و تعظیم سے تسلیم بجالا کر پھر کوئی اور کام کرتے ہیں جب انگریزی خوانوں کے ایک اعلیٰ طبقہ میں ایسے افراد موجود ہیں تو بالکل عامی آدمی پر کیا اعتماد رہا اس لئے تصویر رکھنے کو عقلاً بھی ضرور حرام کہنا چاہیے۔

❀❀❀

کتابُ الفرائض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذى فرض نصيبا من الميراث لكل احد من الرجال والنساء ليصون الناس من الاعتداء على حقوق الاقرباء و الصلوة والسلام على رسوله خاتم الانبياء وعلى الذين اتبعوا الهدى و طريق الاستواء. اما بعد

جائیداد میں حقداروں کے حصے مقرر ہونے کی وجہ

اسلام نے میت کی جائیداد میں حقداروں کے حصے اسلئے معین ومقرر کئے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں اگر میت کے اقرباء اور والیوں میں سے کل جائیداد کا ایک ہی شخص کو اختیار کلی دیا جائے اور دوسرے اقرباء کے حصے اس میں مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائیداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑا دیتے ہیں اور اپنے زائد اغراض وعیش کے سوائے دوسرے حقداروں کی غور و پرداخت اور انکے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے اور جائیداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ سارے ترکہ کو اپنے عیش و عشرت میں خورد برد کر دیتے ہیں لہٰذا خداتعالیٰ نے ان ظالمانہ کارروائیوں کو روکنے اور ان کے انسداد کیلئے جائیداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین فرما دیئے تا کہ ایک ہی شخص دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنی اغراض میں خورد برد نہ کر سکے بلکہ حصوں کے مطابق جائیداد سب اہل حقوق لیکر اپنے اپنے حصہ

سے آزادی کے ساتھ منتفع ہوں اور اسی کے قریب قریب اس رسم میں خرابی ہے جو بعض جگہ جاری ہے کہ ولد اکبر مالک باقی دوسرے اہل حق گزارہ خوار۔

چنانچہ ان لوگوں کے ظالمانہ تصرفات کارات دن مشاہدہ ہورہا ہے جس کا کچھ علاج ایسا نہیں جو سہولت سے ہر گزارہ خوار اس کا استعمال کرسکے۔ چنانچہ میراث کے حصے مقرر ہونے کی فلاسفی خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اقربائے میت کے حقوق ضائع ہوکر خورد برد نہ ہوجائیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ط نَصِيبًا مَّفْرُوضًا. الی قوله تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ. (سورہ نساء)

اس جگہ یتامیٰ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ بسا اوقات میت کے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے رہ جاتے ہیں اور بڑے بیٹے یا میت کے دوسرے اقربا سارے مال کو خورد برد کردیتے ہیں لہٰذا ایسا کرنے میں سخت وعید وارد ہوئی پھر حصص کی تفصیل کیلئے مذکورہ بالا آیات کے آگے یوصیکم اللہ کی عبارت شروع ہوتی ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔ یہ تو مصلحت اہل جائیداد کی تھی۔ باقی خود جائیداد کی بھی اس میں مصلحت ہے وہ یہ کہ کسی بڑی سے بڑی جائیداد میں بھی متعدد حصہ داروں کے حقوق اور حصے معین و مشخص ہونا اس کے لئے حفاظت واستحکام کا موجب ہے کیونکہ ہر ایک حصہ دار اپنے معین حقوق کی وجہ سے اس مشترکہ جائیداد کی بہتری و بہبودی کے لیے سعی کرے گا۔ پس جس جائیداد کے حقدار زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کیلئے استحکام کا سبب ہے۔ یہ تو مشترک رہنے کی صورت میں ہے۔

اور اگر تقسیم کرلیں تو ہر شخص اپنے نفع کے لیے اس کی ترقی کیلئے ایسا خاص

اہتمام کرے گا کہ درصورت ایک شخص کے اصل مالک اور دوسروں کے گزارہ خوار ہونے کے ایسا اہتمام ممکن نہ تھا کیونکہ ایسے امر میں کون سعی کرتا ہے جس سے زیادہ منتفع دوسرے لوگ ہوں یہ تو فی نفسہ خواص ہیں ہر شخص کے مالک مستقل ہونے کے باقی اگر کوئی اپنا حصہ بالکل اڑانے لگے اور اس مصلحت سے کوئی شخص قانون میراث کو خلاف حکمت سمجھے۔ اس اڑانے کا ذمہ دار اس شخص کی بدتدبیری وقلت تدبر ہے اس کا اگر اعتبار کیا جائے تو میراث ہی کی کیا تخصیص ہے جس شخص کو اپنے مکسوبہ اموال میں بھی ایسا کرتے دیکھو بس اس سے چھین کر اس سے بڑے بھائی کے حوالہ کردو پھر یہ فطری امر ہے کہ اپنی چیز اپنے ہاتھ سے اڑانا اس قدر زیادہ نہیں جتنا اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ میں ہونے کے وقت ان دوسروں کا دست نگر ہونا اور باقی اگر کسی کا ذوق ہی باطل ہو گیا ہو تو اس سے خطاب ہی نہیں۔

حقیقت تقسیم میراث

منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ اس کا مدار تین امور پر ہے ایک تو میت کے بعد اس کی جگہ اسکی عزت اور مرتبہ میں اور جو باتیں اس قسم کی ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے کہ اسکے بعد اس کا کوئی قائم مقام رہے۔

دوسرا خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قسم کی ہیں تیسرا قرابت جو ان دونوں باتوں پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اس تیسری کا اعتبار مقدم ہے۔ اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے۔ جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ وراثت کے مستحق ہیں مگر وضع طبعی کے اعتبار سے کہ جس پر قرناً بعد قرن عالم کی بنا ہے بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو اس کے مال

میں اختیار دیدیا جائے تو یقیناً اس کے دل پر اولاد کی غمخواری باپ کی غمخواری پر غالب ہو گی اس واسطے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں اور پھر قائم مقام ہونے کا احتمال بھائی میں ہے اور پھر جو اس کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم اور اس کے نسب کے ہیں۔ باقی رہی خدمت اور شفقت تو اس کا اول مظنہ قرابت قریبہ والی عورت ہے اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس امر میں اس کی مستحق ہیں اور جوان کے مانند نسب کے عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کے قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ کہ یہ بھی قائم مقامی سے خالی نہیں پھر جس عورت سے علاقہ زوجیت کا ہے وہ خادم ہوتی ہے پھر ماں شریک بھائی بہن ان عورتوں میں بنا ء میراث صرف خدمت وشفقت یا مع القرابت ہے باقی عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں البتہ بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی پائے جاتے ہیں لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں۔

اور اس امر کا مظنہ اول بہت قریب کی قرابت جیسے ماں اور بیٹی پھر بہن اور امر اول یعنی میت کی قائم مقامی کامل طور پر تو باپ اور بیٹے میں پایا جاتا ہے اور ان کے بعد بھائی پھر چچا میں اور امر ثانی یعنی شفقت سب سے زیادہ باپ میں اور بیٹے میں پایا جاتا ہے پھر عینی اور اخیافی بھائی میں پایا جاتا ہے اور اس کا بھی مظنہ قرابت قریبہ ہے اس وجہ سے جو چچا کے لئے حکم ہے وہی پھوپھی کیلئے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آسکتی جس طرح چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں بھی ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے اور منجملہ اصول میراث یہ ہے کہ جب مرد و عورت ایک ہی درجہ کے ہوں تو مرد کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ عزت کی حمایت کے لئے مرد ہی مخصوص ہیں اور اسکی یہ وجہ بھی ہے کہ مردوں پر نفقے بہت ہوتے ہیں۔

پس زیادہ تر یہی مستحق ہیں کہ ان کو وہ مال دیا جائے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے

خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں کے ذمہ ہوتی ہیں اور منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس ترکہ کی تقسیم ان سب پر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجہ مختلف ہیں تو اسکی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام اور ایک جہت میں داخل ہیں اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہو کر بعید کو میراث سے محروم کر دیتا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ان کے اسماء و جہات مختلف ہوں کہ اقرب حاجب ہوگا ابعد کا حاجب ہو کر ابعد کو محروم تو نہیں کرتا لیکن حصہ اس کا کم کر دیتا ہے۔ منجملہ ان اصول کے یہ ہے کہ سہام جن سے حصوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزاء ایسے ظاہر ہونا چاہئیں کہ محاسب و غیر محاسب سب اول وہلہ میں ان کی تمیز کر سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول مبارک میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے: **انا امة امية لانكتب ولانحسب**۔ یعنی ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں کیونکہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری ہے کہ ایک تو اس کے حساب کرنے میں تعمق و غور کی حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی و بیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جائے لہٰذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کئے ہیں ایک تو ثلثین اور ثلث اور سدس اور دوسرے نصف ربع ثمن کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی دو اول کے عدد یعنی دو اور تین اور ان دونوں میں تین مرتبہ پائے جاتے ہیں کہ ان تینوں میں اوپر کو جاتے ہوئے تو نسبت ضعف (یعنی دوگنے کی نسبت) کی ہے اور نیچے اترتے ہوئے نسبت نصف کی ہے اور اس میں کمی بیشی کا بالکل ظاہر و محسوس ہونا بالکل اقرب ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دوچند ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

ترجمہ۔ یعنی سکھاتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں (میراث بانٹنا) کہ مرد کے لئے برابر دو عورتوں کے حصہ ہے۔ پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں پس ان کی میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اس کے لئے نصف ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دوچند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ.

ترجمہ: یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی وفضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے مال خرچ کئے ہیں اپنی عورتوں کی حاجتوں میں۔

اکیلی بیٹی کو نصف حصہ میراث ملنے کی وجہ

اکیلی بیٹی کیلئے نصف ترکہ مقرر ہوا کیونکہ جب اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو اس کو سارا مال ملتا ہے پس مقتضائے تضعیف ابن جو کہ للذکر مثل حظ الانثیین سے مفہوم ہے اکیلی بیٹی نصف میراث کی مستحق ہے

دو اور دو سے زیادہ بیٹیوں کو دو ثلث ملنے کی وجہ

دو کو دو ثلث اس لئے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہوتا تو اس بیٹی کو ثلث ملتا اس لئے دوسری لڑکی کے ہونے سے بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونی چاہئے۔ یہی تقریر دوسری بیٹی کے حق میں جاری ہے اور چونکہ بنات کا حصہ ثلثین سے زیادہ ہے ہی نہیں اگر زیادہ بھی ہوں گی تو بھی اسی ثلثین میں سب شریک ہوں گی۔

میت کی اولاد نہ ہو تو اسکے والدین میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ مقرر ہونے کی وجہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

تَرَکَ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ کَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ. (سورۃ النساء)

ترجمہ۔ یعنی میت کے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے اس مال میں سے جو میت چھوڑ کر مرے بشرطیکہ اس میت کے اولاد ہو پس اگر میت کے اولاد نہیں ہے اور والدین وارث ہوں تو میت کی والدہ کا تیسرا حصہ میراث میں سے ہے اور اگر میت کے بھائی موجود نہیں تو میت کی والدہ کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔

یہ بات تم کو واضح ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد میراث کی زیادہ تر مستحق ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے تا کہ زیادت استحقاق ظاہر ہو اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے زیادہ اس لئے نہیں مقرر کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اسکی معاونت کے اعتبار سے باپ کی فضیلت عصبہ ہونے کی ایک مرتبہ اعتبار کی جا چکی ہے تو اسی فضیلت کا دوبارہ حق تضعیف میں اعتبار نہ ہوگا۔

میت کے اولاد نہ ہو تو سارا ترکہ والدین کو ملنے کی وجہ

جس صورت میں میت کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ تر کوئی حقدار نہیں ہے لہٰذا سب ترکہ والدین کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی اور اس مسئلہ میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تضعیف نہیں فضیلت عقوبت ہے۔

میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملنے کی وجہ

اگر ماں اور بھائی بہن وارث ہوں اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ یہ اخوت والے عصبہ نہیں ہیں اور دور جا کر عصبات موجودہ میں تو چونکہ عصبیت اور شفقت و محبت باہم برابر نہیں اسلئے نصف ان کو اور نصف ان کو ملے گا اور پھر وہ نصف جو شفقت کا حصہ ہے ماں پر اور اسکی اولاد پر تقسیم ہوگا اور چونکہ ماں کا چھٹے حصے سے کبھی کم نہیں ہوتا اسلئے اتنا تو ماں کو دیں گے اور باقی ان اولاد کو جو کہ میت کے بھائی

ہیں دلا دیا جائے گا، اور اگر یہ اخوت والے عصبات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ وحمایت دونوں جمع ہو گئیں اور بسا اوقات ان کے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند پر اگر ماں کو چھٹے حصے سے زائد دیدیں تو اوروں پر تنگی ہوگی۔

ترکہ زوجہ سے بشرط عدم اولاد خاوند کو نصف اور بشرط اولاد چوتھائی حصہ ملنے کی وجہ اور ترکہ خاوند سے زوجہ کو چوتھائی حصہ اور بشرط اولاد آٹھواں حصہ ملنے کی وجہ:

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْم بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ أَوْدَيْنٍ.

ترجمہ: یعنی تم کو تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف حصہ ملے گا بشرطیکہ ان کے اولاد نہ ہو پس اگر ان کے اولاد ہو تو تم کو تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا ان کی وصیت وادائے قرض کے بعد۔

اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْم بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْدَيْنٍ

ترجمہ: یعنی تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو چوتھائی حصہ ہے پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا بعد اس وصیت کے جو تم نے کی ہے اور بعد ادائے قرض کے۔

خاوند کو ترکہ اس لئے ملتا ہے کہ اسکی بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے پس بالکل مال کو اس کے قبضہ سے نکالنے میں اسکی ضرر رسانی ہے اور بیوی خاوند سے اپنی خدمت اور ہمدردی اور محبت کا صلہ لیتی ہے لہٰذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ..... یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ ان کے باہم توارث میں سے اولاد پر بھی تنگی نہ ہو اس لئے یہ حصص مناسب و متفاوت مقرر کئے گئے۔

(**تنبیہ**) ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس حصہ کی وہ مالک ہوتی ہے ورثا اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے۔ ایسے ہی سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ لوگ جو بیوہ اور مطلقہ سے بطور ملک دیا ہوا زیور واپس لے لیتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن.

ترجمہ: یعنی تم کو حلال نہیں ہے کہ مطلقہ و بیوہ عورتوں سے دیا ہوا کچھ مال واپس لو۔

الا بشرط خلع

اس میں عورت مال ہی دے کر فارغ خطی خاوند سے حاصل کرتی ہے۔

لاولد میت کے وارثوں کو کم و بیش حصے ملنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ

ترجمہ: یعنی اگر وہ شخص جس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو یعنی اسکی اولاد اور باپ نہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر زیادہ ہوں تو سب ثلث میں شریک ہوں گے..... اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ط اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

لَهَا وَلَدٌ ط فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ط وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ط

ترجمہ: یعنی تجھ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں لاولد میت کے ترکہ کے متعلق تو کہہ دے کہ خدا تعالیٰ تم کو لاولد میت کے ترکہ کے متعلق یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو اور اسکی بہن ہو تو اس کی ایک بہن کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ مرد اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ملے گا اور اگر میت کے بھائی اور بہن مخلوط ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ملے گا۔

یہ آیت بالاجماع باپ شریک کی اولاد میں ہے اور کلالہ کے تقسیم حصص کی حقیقت بھائی اور بہن کے حصوں کی فلاسفی میں ظاہر کی گئی ہے اس سرخی میں میت کے ماں اور بھائی بہن ہوں گے۔

میت کے چچا اور اسکی اولاد کے مستحق وراثت ہونے اور اس کی خالہ کے میراث سے محروم ہونے کی وجہ

میت کے چچا کی اولاد کا مستحق وراثت ہونا اور اسکی خالہ جو کہ اسکی ماں کی طرف سے ہوتی ہے اسکے میراث میت سے محروم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ چچا کی اولاد میں میت کی پشتی وطرفداری وحمایت وامداد وموالات زندگی میں زیادہ ہوتی ہے اور والدہ کے رشتہ دار اجنبیوں کی طرح ہیں وہ تو اپنے باپوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لہٰذا وہ منزلہ بیٹیوں کے اقربا کے ہوتے ہیں۔

عذاب وثواب قبر پر اعتراضات اور حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ان پر فلسفیانہ جوابات

حضرت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مندرجہ ذیل اعتراضات عذاب وثواب

قبر کے متعلق پیش کئے گئے کہ ملحد وزندیق منکران عذاب وثواب قبر کو ہم کیا جواب دیں جو کہتے ہیں کہ قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا یا بہشت کے باغوں میں سے باغ کیونکر ہوسکتی اور کیونکر کشادہ اور تنگ ہوسکتی ہے جب کہ میت نہ اس میں بیٹھ سکتی ہے اور نہ کھڑی ہوسکتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قبر کھودتے ہیں تو اس میں نہ تو اندھے اور گونگے فرشتے دیکھتے ہیں جو مردوں کو لوہے کے گرزوں اور ہتھوڑوں سے مارتے ہوں اور نہ وہاں سانپ اور اژدھے دیکھتے ہیں اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ ہم محسوس کرتے ہیں اور اگر میت کے احوال میں سے کوئی حال قبر کھود کر معلوم کریں تو ہم میت کو اسی ایک حالت غیر متغیرہ پر پاتے ہیں اور ہم اگر اس کی آنکھ پر سیماب اور اس کے سینے پر رائی کا دانا رکھیں تو ہم اس کو اسی ایک ہی حالت غیر متغیرہ پر پاتے ہیں اور مردہ پر تا حد نظر قبر کس طرح فراخ یا تنگ ہوسکتی ہے حالانکہ ہم اس کو اسی ایک حالت پر رکھتے ہیں اور قبر کی کشادگی کو اسی حد پر پاتے ہیں جس حد پر کہ ہم نے اس کو کھودا تھا نہ زیادہ ہوتی ہے اور نہ تنگ ہوتی ہے اور قبر کی حد میں تنگی کس طرح ممکن ہوسکتی ہے اور فرشتے اور وہ صورت جو مردہ کے ساتھ اُسے پکڑیں یا اس کو ڈرائیں قبر میں کس طرح سما سکتے ہیں کہ ہر ایک بات جو عقل ومشاہدہ کے برخلاف ہو وہ کہنے والے کی قطعی خطا ہے وہ کہتے ہیں مصلوب (جس کو پھانسی دی گئی ہو۔۱۲) کو ہم مدت دراز سے لکڑی پر آویزاں دیکھتے ہیں وہاں پر نہ اس سے منکر ونکیر کا سوال ہوتا ہے نہ وہ حرکت کرتا ہے اور نہ اس کے جسم پر آگ دہکتی ہوئی دیکھی جاتی ہے اور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو اور پرندوں نے نوچ لیا ہو اور اس کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں اور سانپوں کے شکموں اور ہواؤں کے طبقوں میں الگ الگ ہو جاتے ہیں اس کے ٹکڑوں کے باوجود الگ الگ ہونے کے کس طرح سوال وجواب ہونا ممکن ہوسکتا ہے اور جس کے جسم کے ٹکڑوں کی یہ حالت ہو جائے اس کے ساتھ دو فرشتوں منکر ونکیر کا سوال و جواب کرنا کس طرح ممکن ہے اور ایسے شخص پر قبر بہشت کے باغوں میں سے باغ یا

دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا کس طرح ہونا ممکن ہے اور کس طرح قبر اس پر تنگ ہوسکتی ہے یہاں تک کہ مردہ کی پسلیاں قبر کے ملنے سے ادھر کی ادھر ہو جائیں۔

جوابات: واضح ہو کہ ہم پہلے چند باتیں بطور تمہید ذکر کرتے ہیں جن سے جوابات واضح ہو جائیں گے۔

(۱) رسولوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی جسکو عقلیں محال جانیں اور وہ اس کے محال ہونے پر قطعی حکم دے سکیں بلکہ رسولوں کی خبر دینا دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ جس پر عقل اور فطرت گواہی دے دوسرے وہ جن کو محض عقلیں دریافت نہ کر سکیں مثلاً غیب کی باتیں جو رسولوں نے برزخ اور قیامت اور عذاب کے متعلق مفصل بیان فرمائی ہیں۔ باقی ہر حال میں رسولوں کی خبر میں از روئے عقول سلیمہ محال نہیں ہوتی ہیں (اور اگر وہ ظاہراً عقلاً محال ہو اور سند صحیح سے نسبت بھی اس کی ثابت ہو تو اس موقع پر دوسرے قواعد شرعیہ کے موافق تاویل واجب ہوگی پس قبر کے واقعات، دوسری قسم کی خبر ہے جو عقلاً تو محال نہیں مگر وہاں تک عقل کی خود رسائی نہیں وہ وحی کی محتاج ہے۔

باقی جو شخص اس کو محال سمجھتا ہے وہ محض اس شخص کا ایک خیال اور وہم ہے جس کو صاحب خیال اپنے فہم غلط میں معقول صریح جانتا ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد کو بدون افراط و تفریط کے سمجھا جائے اور آپ کے کلام سے وہ مراد نہ سمجھی جائے جس کا آپ نے ارادہ نہ کیا ہو جو شخص آپ کی مراد و مطلوب سے اور طرف پھر گیا اور اس کے اقرار واقعی معنی سمجھنے میں غفلت اور کوتاہی کی تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا اور خدا اور رسول کے کلام میں لوگوں کی غلط فہمیاں واقع ہونے سے اسلام میں بہت سے گمراہ اور بدعتی فرقے پیدا ہو گئے ہیں مثلاً قدریہ ملحد، خارجی، معتزلہ، جہمیہ، رافضی وغیرہ یہاں تک کہ دین اسلام اکثر ایسے ہی لوگوں نے چھوڑ دیا ہے اس کی طرف بہت کم التفات کرتے ہیں، امر تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کیلئے ٹھہرائے ہیں دنیا برزخ اور دار قرار اور ہر ایک مقام کیلئے

علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لئے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہو کر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے۔

جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہری قسم پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جن کو روح مدرک کرتی ہے اور وہ سب واقعات بھی اس عالم میں ہیں پس انکا محسوس ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں۔ الا ماشاء اللہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت ولطف واحسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر وباہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ اس کی روح پر جاری ہوتا ہے اور اس میں بدن اسکے تابع ہوتا ہے ایسا ہی عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کیلئے دکھ اور سکھ کا طریق جاری ہے بلکہ اس خواب سے بھی بڑھ کر ہوگا کیونکہ اس عالم برزخ میں روح کا تجرد اور ظاہر ہونا بہت کامل ہوتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر بھی یہ رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔

اب رہا تیسرا مقام یعنی آخرت سو جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس دن سکھ اور دکھ کا حکم روح اور جسم دونوں پر غالب اور ظاہر وباہر ہوگا مذکورہ بالا مضامین سے تم پر ہویدا ہوا ہوگا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر اور اس

سکھ اور دکھ ثواب اور عذاب اور تنگی اور کشادگی دوزخ کے گڑھا ہونے یا بہشت کے باغ ہونے کی خبر دی ہے وہ مطابق عقل کے ہے مناقض نہیں اور اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ اگر کسی پر یہ بات سمجھنی مشکل ہو تو اسکی غلط فہمی اور اسکی قلت علم کا باعث ہے۔

انسان کو قبر میں عذاب وثواب ملنے کا نمونہ

اس سے عجیب تر یہ بات ہے کہ دو شخص ایک ہی بستر پر سوئے ہوں اور ایک کی روح کو سکھ وچین ہوگا اور جب جاگے تو سکھ وراحت وآرام کے آثار اس کے بدن پر ظاہر ہوں گے اور ایک کی روح کو دکھ ہوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو دکھ وعذاب کا اثر اس کے بدن پر ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کے حال سے اطلاع نہیں ہوتی اسی پر عالم برزخ کے عذاب و ثواب کا استدلال کرلو اور دلائل سے یہی ثابت ہے کہ اسلامی اصول کی رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہوجاتے ہیں مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کیلئے ایک جسم ملتا ہے اور وہ جسم اس جسم کی قسم سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے باریک تاریکی جیسے اعمال کی صورت ہو وہ جسم تیار ہوتا ہے گو اس عالم برزخ میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں اور اگرچہ یہ راز ایک دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں ہے۔

انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم کے علاوہ پاتا ہے اور عالم مکاشفات میں اسکی بہت مثالیں ہیں جن کو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ملا وہ اس قسم کے جسم کو جو کہ اعمال سے تیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ غرض یہ جسم جو کہ اعمال کی کیفیت سے بنتا ہے عالم برزخ میں نیک وبد کی جزا کا محل ہوجاتا ہے اصحاب مکاشفہ کو عین بیداری میں مردوں سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے بہرحال مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک نیا جسم ملتا ہے خواہ نورانی ہو خواہ ظلمانی لیکن خدا تعالیٰ نے ان امور آخرت کو بواسطہ عقل مکلفوں کے دریافت کرنے

اور پانے سے در پردہ اور پوشیدہ رکھا ہے اور یہ بات خدا تعالٰی کی کمال حکمت پر دال ہے تاکہ مومن ایمان بالغیب کے ساتھ منکرین سے متمیز ہو جائیں۔

چنانچہ فرشتے قریب الموت آدمی پر اترتے ہیں اور اس کے نزدیک آ کر بیٹھتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتا ہے اور اس کے پاس اس کیلئے کفن اور خوشبو بہشت میں سے یا بدبو دوزخ میں سے ہوتی ہے اور وہ حاضرین کے سلام اور دعا پر آمین کہتے ہیں اور بسا اوقات بعض قریب الموت آدمی کہتے ہیں ''خوش آمدید'' اور مردہ کے سوا حاضرین میں سے ان فرشتوں کو کوئی بھی نہیں دیکھتا اس بارہ میں آثار بے شمار ہیں۔

امور آخرت میں سے یہ پہلا امر ہے جو اس دنیا میں ہمارے درمیان واقع ہوتا ہے اور باوجود اس دنیا میں واقع ہونے کے ہم کو دکھائی نہیں دیتا حالانکہ یہ سب کچھ اسی دنیا میں واقع ہوتا ہے پھر فرشتہ روح کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو قبض کر لیتا ہے اور روح سے بات چیت کرتا ہے اور حاضرین نہ فرشتے کو دیکھتے ہیں نہ اس کی آواز سنتے ہیں پھر روح نکلتی ہے اور اس کا نور آفتاب کی شعاعوں کی طرح اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ ہوتی ہے اور حاضرین اس سب میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھتے اور نہ خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں پھر وہ فرشتہ روح کو لیکر ملائکہ کے گروہ میں جا ملتا ہے اور حاضرین یعنی آدمی اسکو دیکھ نہیں سکتے پھر روح ایک خاص اعتبار سے واپس آ کر مردہ کا نہلانا اور اس کا اٹھانا دیکھتی ہے اور کہتی ہے مجھے آگے لے چلو یا کہتی ہے مجھے کہاں لئے جاتے ہو مجھے کہاں لئے جاتے ہو اور لوگ اسکی کوئی بات بھی نہیں سن سکتے۔

لحد قبر میں مردہ کے پاس فرشتہ پہنچنے کی صورت

اسی طرح جب مردہ کو لحد میں رکھا جاتا ہے اور اسکی قبر پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو مردہ کے پاس جانے سے روک نہیں سکتی بلکہ اگر پتھر بھی کندہ کیا جائے اور مردہ کو اس میں رکھ کر اس پتھر کو قلعی سے سربمہر کر دیا جائے تو بھی مردہ کے پاس فرشتے کے پہنچنے سے یہ امر مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ اجسام کثیفہ ارواح لطیفہ کے خرق کو مانع

نہیں ہوتے بلکہ ان اجسام کثیفہ سے تو جن بھی گزر جاتے ہیں خدا تعالیٰ نے پتھر اور مٹی کو فرشتوں کیلئے ایسا کیا ہے جیسا فضاء پرندوں کیلئے ہے جس میں وہ اڑتے پھرتے ہیں اور قبر کی فراخی و کشادگی بالذات روح کیلئے ہوتی ہے اور بدن کو روح کی متابعت میں کشادگی مل جاتی ہے ورنہ جسم تو بہت تھوڑی جگہ میں سمایا ہوتا ہے۔

ضغطۃ القبر

اسی طرح قبر کا مردہ کو کھانا حق ہے مردہ کی پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں اس میں کچھ شک نہیں اور اس بات کو عقل رد نہیں کر سکتی باقی یہ بات کہ اگر کوئی شخص مردہ کی قبر کھود کر اسکو دیکھے تو اس کی پسلیاں اسی پہلی حالت پر ہوتی ہیں ادھر کی ادھر دکھائی نہیں دیتیں سو خدا قادر مطلق کو کوئی بات اس سے روک نہیں سکتی کہ یہ سب روحانی طور پر واقع ہوتا ہو۔

قبر کے فرشتوں اور آتش جہنم و نعمائے جنت کے نہ دکھائی دینے کی وجہ

قبر کی آگ اور سبزی نہ دنیا کی آگ کی قسم میں سے ہوتی ہے اور نہ دنیا کی کھیتی و سبزہ کے مانند ہے جو دیکھ کر معلوم ہو سکے وہ آخرت کی آگ اور آخرت کی سبزی کی قسم سے ہوتی ہے اور اس کو اہل دنیا معلوم نہیں کر سکتے اور یہ امر اس لئے ہوا کہ پردہ بالغیب کی حکمت قائم رہے پس اس بنا پر ممکن ہے کہ دو شخصوں کو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو دفن کیا جائے اور انکے اعمال متفرق نہ ہوں تو ان میں سے ایک دوزخ کے گڑھے میں جلتا ہو اور اسکے پاس والے پر حرارت دوزخ کی نہ پہنچ سکتی ہو بلکہ یہ دوسرا بہشت کے باغ میں ہوتا ہو اور اسکے پاس والے دوزخی کو اسکے آرام و چین سے حصہ نہ پہنچ سکتا ہو یہ بات بھی طلسمات الٰہی میں سے ہے اور خدا تعالیٰ ان باتوں پر قادر ہے کیونکہ جب اس نے انسان کو ایسے ایسے ہنر سکھائے ہیں کہ وہ اپنی ایک چیز میدان میں رکھ کر اس پر بعض کو اطلاع دیتا اور دکھاتا ہے بعض کی اس سے چشم بند کر دیتا ہے تو

پھر خدا تعالیٰ جو خالق الکل ہے اور قادر مطلق ہے اس کے آگے ایسے امور کس طرح ناممکن معتبر ہو سکتے ہیں اور یہ ایمان بالغیب کی حکمت چونکہ بہائم اور مویشیوں کے حق میں نہیں ہے لہٰذا وہ مردہ کی پکار فریاد سنتے ہیں اور محسوس و معلوم کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

پس عالم برزخ کا قیاس دنیا کے امور و مشاہدات پر کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانا اور خداوند تعالیٰ قادر مطلق کو ایسے امور سے عاجز جاننا یا ٹھہرانا ہے اور یہ پرلے درجے کی جہالت و گمراہی و ظلم ہے کیونکہ وہ قادر ہے کہ جس بات کو جس پر چاہے کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اس کو پوشیدہ رکھے وہ قادر ہے کہ لوگوں کو ایک چیز تنگ دکھائی دے اور حالانکہ وہ بہت کشادہ اور خوشبودار اور بہت بڑی اور نورانی اور روشن ہو اور لوگ اسکو دیکھ نہ سکیں اور اسی طرح بالعکس۔

عالم برزخ کے بعد ایک دوسرا عالم حشر برپا ہونیکی وجہ

انسان کے مرنے کے وقت عالم برزخ میں جزاء و سزا شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی برزخی دوزخ میں اور بہشتی برزخی بہشت میں جاتے ہیں مگر اس کے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا دن ہے کہ خدا تعالیٰ کی بڑی حکمت نے اس دن کو ظاہر کرنے کا تقاضا کیا ہے کیونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا تا کہ وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر وہ سب کو ہلاک کرے گا تا کہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر ایک میدان میں جمع کرے گا تا کہ وہ اپنی قادریت کے ساتھ پہچانا جائے (پھر اس روز حسی جنت اور حسی دوزخ میں قرار ہوگا)۔

پس موت جائے بازگشت اور جائے بعثت اول ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کیلئے دو بعثتیں ٹھہرائی ہیں اور ان دونوں میں بنی آدم کو نیکی بدی کا بدلہ دیا جائے گا پہلی بعثت میں تو روح اور جسم کی جدائی ہے اور اس پہلے دار الجزاء یعنی برزخ کی طرف چلایا جاتا ہے۔

اور دوسری بعثت وہ ہے جس میں خدا تعالیٰ روح کو جسم سے ملائے گا اور قبروں سے

اٹھا کر بہشت یا دوزخ کی طرف چلا دے گا خدا تعالیٰ نے ان دونوں قیامتوں کا ذکر قرآن کریم میں مشرح بیان فرمایا ہے جن میں ایک بڑی دوسری چھوٹی قیامت ہے اور وہ ذکر سورہ مومن وغیرہ سورتوں میں آیا ہے چنانچہ یہ آیت اس میں مشتمل صریح کے ہے۔

النار یعرضون علیها غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعة
ادخلوا ال فرعون اشد العذاب.

جواب اس سوال کا کہ قبر کے سوال وجواب محدود ہیں یا غیر محدود

سوال: اگر قبر کے سوال من ربک وغیرہ محدود ہیں تو وہ خوب یاد کر لئے جائیں اور وہاں پاس ہو جائیں یا کہ غیر محدود ہیں۔

جواب: ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک ایمانی کیفیت ہے جو دنیاوی امتحانوں کی طرح نہیں کہ آدمی مکائد ومکر وغیرہ سے پاس ہو سکے بلکہ وہاں جس رنگ سے دل رنگین ہوگا اسی کا اظہار ہوگا اور اسی کے موافق قبر میں رنج یا راحت کا سامان مہیا ہوگا۔

جواب اس سوال کا کہ فرشتگان قبر کے سوالات کس زبان میں ہوں گے؟

ہمیں عربی فارسی اردو انگریزی سنسکرت سب زبانیں خدا نے بتائی ہیں پھر کیا خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کسی زبان سے قاصر رہ سکتا ہے وہ ہر زبان بول سکتا ہے۔

قبور سے تعلق ارواح کا دفع استبعاد

ارواح کا تعلق قبور سے بھی ہوتا ہے اور اس میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اور اس کیلئے عقل اس کو دریافت نہ کر سکے ہم خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں وہ یہ کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور کی حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے اور بعض خواص آنکھ کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض حقائق کا پتہ صرف

کان لگاتے ہیں اور بعض ایسے امور ہیں کہ حس مشترک کے ذریعہ سے اس کا سراغ ملتا ہے اور کتنے ہی حقائق ہیں کہ وہ مرکز قویٰ یعنی دل سے معلوم ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حقائق معلوم کرنے کیلئے مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں۔ مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو اگر کانوں پر رکھیں تو وہ اس کا مزہ معلوم نہ کر سکیں گے اور نہ اس کے رنگ کو بتا سکیں گے ایسا ہی اگر اسکو آنکھوں کے سامنے کریں گے تب بھی اس کے ذائقہ کے متعلق کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کیلئے مختلف قویٰ اور طاقتیں ہیں اب آنکھ سے اگر کسی چیز کا ذائقہ معلوم کرنا ہو اور وہ آنکھ کے سامنے پیش ہو اور ذائقہ کا اس سے ادراک نہ ہو تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ نہیں یا کوئی آواز نکلتی ہو مگر ہم کان بند کر کے زبان سے وہ کام لینا چاہیں تو کب ممکن ہو سکتا ہے آج کل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکہ ہوا ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے کسی حقیقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں روزمرہ کاموں میں دیکھا جاتا ہے کہ یہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ جداگانہ خدمتیں مقرر ہیں سقہ پانی لاتا ہے دھوبی کپڑے دھوتا ہے۔ غرضیکہ تقسیم محنت کا سلسلہ ہم خود انسان کے نظام میں پاتے ہیں اس اصل کو یاد رکھو کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام ہیں۔ انسان مختلف قویٰ لے کر آیا ہے اور مختلف خدمتیں جدا جدا قوت کے سپرد ہیں۔ نادان فلسفی ہر ایک بات کا فیصلہ اپنی عقل خاص سے چاہتا ہے حالانکہ یہ طریقہ محض غلط ہے تاریخی امور تاریخ ہی سے ثابت ہوں گے اور خواص الاشیاء کا تجربہ بدون تجربہ صحیح کے کیونکر لگ سکتا ہے امور قیاسیہ کا پتہ عقل دے گی اس طرح متفرق طور پر الگ الگ ذرائع ہیں انسان دھوکہ میں مبتلا ہو کر حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے سے اسی وقت محروم رہ جاتا ہے جب کہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف امور کی تکمیل کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے ذرا سی فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آ جاتی ہے اور روزمرہ ہم ان باتوں کو دیکھتے ہیں۔

پس جس طرح روح کے جسم سے مفارقت کرنے یا تعلق پکڑنے کا فیصلہ عقل سے

نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا ہوتا تو فلسفی اور حکماء اس باب میں ضلالت میں مبتلا نہ ہوتے اسی طرح پر قبور کے ساتھ جو تعلق ارواح کا ہوتا ہے یہ ایک امر واقعی تو ہے مگر اس کا پتہ دینا اس آنکھ کا کام نہیں یہ کشفی آنکھ کا کام ہے اگر عقل محض سے اس کا پتہ لگانا چاہو تو کوئی عقل سے اس کا ہی پتہ لگالے کہ روح کا وجود بھی ہے یا نہیں ہزار ہا اختلاف اس مسئلہ پر موجود ہیں اور ہزار ہا فلاسفر دہر میں ایسے موجود ہیں جو اسی کے منکر ہیں اگر نری عقل کا یہ کام تھا تو اس میں اختلاف کا کیا سبب کیونکہ جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ زید کی آنکھ تو ایک چیز کو دیکھتی ہے اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اس چیز کو نہ دیکھئے۔

پس جب نری عقل روح کا وجود بھی یقینی طور پر نہیں بتا سکتی تو اس کی کیفیت اور تعلقات کا علم تو کیا بتائے گی۔ یہ تفاسیر روح کے وجود اور اس کے تعلق وغیرہ کے چشمہ نبوت سے لے کر کچھ لکھا ہے پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس چشم سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے۔ جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات سے دیکھ سکتا ہے ہم ایک اور بات کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور ایک مصری کی ڈلی رکھی۔ اب عقل محض ان پر کیا فتویٰ دے سکے گی ہاں اگر انکو چکھیں گے تو دو جداگانہ مزوں سے معلوم ہو جائے کہ یہ نمک ہے اور وہ مصری ہے پس اگر کسی میں حس لسان ہے نہیں تو نمکین اور شیریں کا وہ فیصلہ کرے گا پس جس طرح آفتاب کے چڑھنے میں ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آسکتا اور ایک مسلوب العقل کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہوسکتا۔ پس اس کے انکار سے محض اس لئے کہ وہ دیکھ نہیں سکتا اس کا انکار جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی باتوں کا پتہ عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا اللہ تعالیٰ نے اسی لئے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں اگر ایک ہی حاسہ سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ

جن میں بعض قویٰ کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے بعض زبان کے متعلق ہیں اور بعض ناک سے۔ اسی طرح مختلف قسم کی حسیں انسان رکھتا ہے سوقبور کے ساتھ تعلق ارواح کے دیکھنے کیلئے کشفی حس کی ضرورت ہے اگر کوئی فاقد (جس کو کشف نہ ہوتا ہو۔۱۲) الکشف اس تعلق کی نسبت یہ کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو غلط کہتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء وصلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ ہوگزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں گو اسکے تعلقات کی کیفیت وجہ مخفی طور پر ہم معلوم کرسکیں یا نہ کرسکیں مگر نفس تعلق سے انکار نہیں ہوسکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کئے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ کرسکے جیسے کان اگرچہ دیکھ نہ سکیں تو انکا کیا قصور ہے وہ اور قوت کا کام ہے۔

غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے انسان میت سے کلام کرسکتا ہے ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کیلئے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

اس طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بالاتر از فہم رہتا ہے۔ اسکی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین وسجین کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کرسکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے۔ کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا جس پر فلسفہ انبیاء کا قائم ہے لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً

عقل کی بدہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا یہ بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جسے اہل دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں عقلیں دریافت نہیں کرسکتیں ہاں اہل کشف صوفی واولیاءاللہ لوگ دیدۂ باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں اہل باطن بسا اوقات کشف قبور کے ذریعہ سے مردوں کو قبروں میں معذب یا مثاب دیکھتے ہیں۔

حقیقت پل صراط آخرت

عالم آخرت میں ہر ایک سعید اور شقی کو مشکل کر کے دکھلایا جائے گا کہ وہ دنیا میں سلامتی کی راہوں میں چلایا اس نے ہلاکت اور جہنم کی راہیں اختیار کیں سو اس دن وہ سلامتی کی راہ جو کہ صراط مستقیم اور نہایت باریک راہ ہے اور جس سے تجاوز کرنا اور ادھر ادھر ہونا درحقیقت جہنم میں گرنا ہے تمثل کے طور پر نظر آئے گی اور جو لوگ دنیا میں صراط مستقیم پر چل نہیں سکتے وہ اس صراط پر بھی چل نہیں سکیں گے کیونکہ وہ صراط در حقیقت دنیا کی روحانی صراط کا ہی ایک نمونہ ہے اور جیسا کہ ابھی روحانی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے صراط کے دائیں بائیں درحقیقت جہنم ہے اگر ہم صراط کو چھوڑ کر داہنے طرف ہوئے تب بھی جہنم میں گرے اور اگر بائیں طرف ہوئے تب بھی گرے اور اگر سیدھے صراط مستقیم پر چلے تب جہنم سے بچ گئے۔

یہ یصورت جسمانی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آئے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ درحقیقت ایک پل صراط ہے جو پل کی شکل پر دوزخ پر بچھایا گیا ہے جس کے داہنے بائیں دوزخ ہے تب ہم مامور کئے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں صراط پر چلتے رہے ہیں اور اپنے داہنے بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس صراط سے کوئی خوف نہیں اور نہ جہنم کی بھاپ ہم تک پہنچے گی اور نہ کوئی فزع اور خوف ہمارے دل پر طاری ہوگا بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گزر جائیں گے۔ کیونکہ پہلے دنیا میں اس سے گزر چکے ہیں۔

صراط اخروی کی فلاسفی حضرت ابن عربی کے الفاظ میں:

قداتی فی صفة الصراط انه ادق من الشعر واحد من الصیف و کذ الشریعة فی الدنیا لا یعلم وجه الحق فی المسئلة عند الله ولا من هو المصیب من المجتهدین بعینه فحکمها بالشرع احد من السیف وادق من الشعر فی الدنیا فا لشرع هنا هو الصراط المستقیم ولا یزال فی کل رکعة من الصلاة یقول العبد اهدنا الصراط المستقیم فهواحد من السیف وادق من الشعر فظهوره فی الاخرة محسوس بیّن واوضح من ظهوره فی الدنیا الالمن دعا الی الله علی بصیرة کالرسول واتباعه فالحقهم الله بدرجاته الانبیاء فی الدعاء الی الله علی بصیرة ای علی علم وکشف وقدور فی خبران الصراط یظهر یوم القیامة لابصار علی قدر نورالما ابن علیه فیکون وقیقافی حق قوم وعریضافی حق اٰخرین یصدق هذا الخبر قوله تعالیٰ نورهم یسعی بین ایدیهم وبایمانهم والسعی مشی وماطریق الا الصراط انما قال بایمانهم لان المومن فی الاخرة لاشمال له کما ان اهل النار لایمین لهم هذا بعض احوال مایکون علی الصراط واماالکالیب والخطاطیف والخسک هی من صوراعمال بنی ادم تمسکهم علی الصراط فلاینتهون الی الجنة ولایقعون فی النار حتی تدرکهم الشفاعة والعنایة الالهیة فمن تجاوزهنا تجاوز الله عنه هناک ومن الظرمسعرا انظره الله ومن عفا الله عنه ومن استقصی حقه هنا من عباده استقصی الله حقه منه هناک ومن شدد علی هذه الامة شددالله علیه والما هی اعمالکم ترد علیکم فاستلزموا مکارم الاخلاق فان غدالعاملکم بما عاملتم به عباده کان ماکان وکان ماکانوا.

ترجمہ: پل صراط اخروی کی صفت میں آتا ہے کہ وہ بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے اور ایسا ہی دنیا میں علم شریعت کا حال ہے کہ اکثر مسائل میں براہ راست جو عنداللہ مقبول و پسندیدہ ہو قطعاً معلوم نہیں ہوتا پس دنیا میں مسائل کا حکم شرع میں تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے۔ اور ایسا ہی دُنیا میں علم شریعت کا حال ہے کہ اکثر مسائل میں راہِ راست جو عنداللہ مقبول و پسندیدہ ہو معلوم نہیں ہوتا۔ پس دُنیا میں مسائل کا حکم شرع میں تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے۔ پس شریعت یہاں صراط مستقیم ہے اسی لئے بندہ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے۔ **اھدنا الصراط المستقیم**، پس وہ تلوار سے تیز تر اور بال سے باریک تر ہے اور آخرت میں دنیا کی بہ نسبت اس کا ظاہر ہونا واضح تر ہوگا مگر جنہوں نے علی وجہ البصیرت خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کی مثل رسولوں اور ان کے اتباع کے ان کو خدا تعالیٰ انبیاء کے درجہ کے ساتھ ملحق کر دے گا اور احادیث میں آیا ہے صراط قیامت میں گزرنے والوں کے نور کے موافق ظاہر ہوگا پس وہ ایک کے حق میں باریک ظاہر ہوگا اور دوسرے گروہ کے حق میں کشادہ اور اس خبر کی تصدیق خدا تعالیٰ کے اس کلام سے ہوتی ہے کہ مومنوں کا نور ان کے آگے اور داہنے طرف دوڑتا ہوا نظر آئے گا اور وہاں صراط کے بغیر کوئی راہ نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کے کلام میں جو آیا ہے کہ انکا نور داہنے طرف دوڑتا ہوگا یہ اسلئے ہے کہ آخرت میں مومن کا کوئی بایاں نہ ہوگا۔ جیسا کہ دوزخیوں کیلئے داہنا نہ ہوگا۔ یہ تو صراط اخروی کے بعض احوال ہیں مگر زنبور اور اچکنے والے اور گوکھرو کے کانٹے یہ تو بنی آدم کے عملوں کی صورتیں ہوں گی جو انکو پل صراط پر بند کرلیں گی پس ابھی نہ بہشت میں جائیں گے اور نہ دوزخ میں گریں گے یہاں تک کہ انکو شفاعت اور عنایت الٰہی پہنچ جائے گی پس جس نے یہاں پر درگذر کیا خدا تعالیٰ اسکو معاف کرے گا اور جو کوئی بندوں سے اپنا حق کاوش کر کے لے گا تو خدا تعالیٰ وہاں اس سے اپنا حق کاوش کر کے لے گا اور جو کوئی اس امت پر سختی کرے گا خدا تعالیٰ اس پر سختی کرے گا۔ صرف تمہارے

اعمال ہیں جو تم پر وارد ہوں گے۔ پس اچھے اخلاق کو لازم پکڑو کیونکہ خدا تعالیٰ کل تم سے وہی معاملہ کرے گا جو تم بندوں کے ساتھ کرو گے۔

حقیقت صراط مستقیم بہ موجب تحریر حضرت امام غزالی رحمہ اللہ

امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے فرشتوں کی مشابہت پیدا کرے جن میں اوصاف متضادہ جیسے انسان میں ہیں نہیں ہیں اور انسان ان اوصاف سے علیحدہ ہو جانے کے مشابہ ہو گو کہ حقیقت میں علیحدہ ہو جانا نہ ہو اور وہ توسط ہے جیسے کہ سویا ہوا پانی کہ نہ گرم ہے اور نہ سرد اور عود کا رنگ کہ سفید اور نہ سیاہ پس کنجوسی اور فضول خرچی انسان کی دو صفتیں ہیں اور سخاوت اس میں توسط کا درجہ رکھتی ہے جس میں نہ کنجوسی ہے اور نہ فضول خرچی۔

پس صراط مستقیم وہ توسط حقیقی ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور جو شخص کہ ان صفات متضادہ کے دونوں سروں سے نہایت درجہ دور ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان دونوں سروں سے بیچا بیچ میں ہوگا مثلاً ایک لوہے کے حلقہ کو آگ میں لال کر کے زمین پر رکھیں اور پھر اسکے اندر وسط میں ایک چیونٹی کو ڈال دیں تو وہ اس کی گرمی سے بھاگے گی اور جو جگہ سب سے دور ہوگی وہاں ٹھہرے گی پس بجز مرکز کے اس کو اور کوئی جگہ نہ ملے گی اور وہی مرکز حقیقی ہے کیونکہ اسکو ہر طرف سے نہایت درجہ کا بعد ہے اور اس مرکز یا نقطہ کا مطلق عرض نہیں ہے پس صراط مستقیم وہی وسط دونوں سروں سے اور اس وسط کا مطلق عرض نہیں ہے اسلئے وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہے پھر جب خدا تعالیٰ قیامت میں اس صراط مستقیم کو متمثل کر دے گا تو جو کوئی اس دنیا میں صراط مستقیم پر ہوگا یعنی اس نے صفات متضادہ انسانی کے استعمال میں حتی المقدور توسط اختیار کیا ہوگا اور کسی جانب مائل نہ ہوا ہوگا وہ صراط آخرت پر بھی سیدھا چلا جائے گا۔

حضرت ملا جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "اسلامی شریعت آخرت میں بہ شکل صراط مستقیم دوزخ پر متمثل ہو کر دکھائی دے گی پس جو شخص جادہ شریعت

اسلام پر یہاں سیدھا چلا اور کجرو نہ ہوا اس کو وہاں بھی اس پر چلنا آسان ہوگا۔ اور جو یہاں ہی ٹیڑھا رہا اور اس صراط مستقیم پر نہ چلا اس کے لئے وہاں بھی چلنا دشوار ہوگا۔

حقیقت قیامت

حقیقت قیامت کا مضمون مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کا انتخاب ہے جو یہاں درج کیا جاتا ہے واضح ہو کہ جو اشیاء مختلف الاغراض چیزوں سے مرکب ہوا کرتی ہیں جیسے کھیتی کہ اس کا غلہ آدمیوں کے لئے اور بھس گھاس جانوروں کیلئے ایسی چیزوں کو انجام کار توڑ پھوڑ کر جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیتے ہیں اور انکے مناسب ان کو کام میں لاتے ہیں مثلاً کھیتی کو ایک روز کاٹ چھانٹ کر توڑ پھوڑ کر بھس اور غلہ کو جدا جدا کر کے بھس کو کوپوں میں اکٹھا کر دیتے ہیں اور غلہ کو کوٹھیوں کھاتیوں برتنوں میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اس کو وقتاً فوقتاً جانوروں کو کھلاتے رہتے ہیں اور غلہ کو بقدر ضرورت آپ کھاتے رہتے ہیں پھر اپنے کھانے میں بھی یہ تفریق ہے کہ چھان پچھوڑ کر اچھے اچھے غلہ کو اپنے لئے رکھتے ہیں اور ناقص کو خدام اور شاگرد پیشوں اور جانوروں کو کھلاتے ہیں۔

مگر غور سے دیکھا تو اس عالم اجسام کو بھی مختلف الاغراض اجزاء سے بنایا ہوا پایا چنانچہ اس کے ہر رکن اور ہر ہر طبقہ سے نمایاں ہے کہ یہ اور کام کا اور وہ اور کام کا اس میں کچھ اور خاصیت ہے اس میں کچھ اور خاصیت ہے زمین میں اور ہی خوبیاں ہیں اور پانی میں اور کچھ فائدے ہیں۔ مومن اور کام کے' کافر اور کام کے' فقراء اور کام کے' ذکی اور غبی میں فرق ہے' سخی اور بخیل میں تفاوت مرد و عورت میں افتراق غرض جس چیز کو دیکھئے اس کا رنگ و بو کچھ اور ہی ہے۔

ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

اس میں بھی یہی ہونا چاہیے کہ ایک روز توڑ پھوڑ کر سب کو جدا جدا کر دیں یہاں تک کہ نیکوں کو انکے ٹھکانے میں اور بدوں کو ان کے جیل خانہ میں پہنچا دیں سو اس

اپنے موقع میں پہنچ جانے کا نام جزاوسزا یوم القیامت ہے۔

اور سنئے مجموعۂ عالم کو دیکھئے تو ایسے ہے جیسے آدمی یا کسی جانور کا جسم جیسے چشم و گوش و دست و پاوغیرہ اعضاء جدا جدا کام کے ہیں ایسے ہی اس مجموعہ عالم میں زمین و آسمان وغیرہ ارکان جدا جدا مصرف کے ہیں جیسے اس جسم خاکی میں عناصر اربعہ کی جدا جدا خاصیت ہے ایسے ہی اس عالم ناپائدار میں علویات اور سفلیات کی جدا جدا طبیعت اور خواہشات نفسانی کی جدا جدا تاثیر ہے جسم خاکی میں اگر کسی خلط کے غلبہ کے باعث مزاج اصلی میں تغیر آجاتا ہے تو اس کا نام مرض ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ سے اگر روح کو مفارقت جسم سے کرنی پڑے تو اس کا نام موت ہے۔

ایسے ہی اس عالم ناپائدار میں کسی رکن یا خواہش کے غلبہ کے باعث اگر ترکیب اصلی میں فرق آجائے اور کوئی کیفیت تازہ ظہور میں آئے تو اس کا نام علامت قیامت ہے اور اسکی وجہ سے اس روح اعظم کو جو مقابلہ روح انسانی اس مجموعہ کیلئے ہونا چاہئے چنانچہ نظام عالم اور اس کے حسن انتظام سے ظاہر ہے۔ اس مجموعہ سے اگر مفارقت کا اتفاق ہو جائے تو اسکا نام قیامت ہے مگر یہ ہے تو جیسے بعد مرگ تفرق اجزاء جسم انسانی وحیوانی ضرور ہے یہاں بھی بعد مفارقت مذکورہ تفریق اجزاء عالم ضرور چاہیے سو جیسے بعد اجزاء جسم انسانی ہر جزو کے اپنے اپنے کرہ کے ساتھ اتصال لازم ہے ایسے ہی بعد تفرق اجزاء عالم ہر جزو کو اپنے اپنے طبقہ میں جانا لازم ہے سو نیکوں کا طبقہ جنت میں جانا اور بدوں کا طبقہ دوزخ میں جانا وہی جزاوسزا ہے۔

اور سنئے باورچی سے کھانا پکواتے ہیں اور درزی سے کپڑا سلواتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تب کہیں اس کو مزدوری عنایت کرتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مزدوری اس کام کے عوض دیتے ہیں اگر وہ کام حسب دل خواہ دیکھا تو اس کو اس کی اجرت حوالہ کی ورنہ الٹا تاوان بربادی جامہ وجنس کا اس سے تقاضا کرتے ہیں مگر چونکہ یہ بات بعد ہی میں بن پڑتی ہے اس لئے مزدوری بھی بعد ہی میں ملتی ہے اور اگر وہ کام

ایسا ہو کہ ایک آدمی نہیں کر سکتا اور ایک دن میں نہیں ہو سکتا تو بہت سے آدمی بہت سے دنوں میں اس کو پورا کرتے ہیں تو مزدوری کے وصول میں اور بھی دیر لگتی ہے۔

بالخصوص جبکہ وہ کام ٹھیکہ پر کرایا جائے یہ تو مزدوری کا حال تھا اور اگر انعام و سزا کا قصہ ہو تو پھر تاخیر میں کچھ حرج ہی نہیں کیونکہ حق غیر کا نہ دینا ظلم ہے اور حق غیر معاملات میں بیع اور اجارہ کی صورت میں اپنے ذمہ ثابت ہوتا ہے انعام اور سزا میں اپنے ذمہ کوئی بات ثابت نہیں ہوتی جو تاخیر میں ظلم کا احتمال ہو۔

باقی یہ بات خود عیاں ہے کہ جیسے ادائے حق غیر میں تاخیر بری ہو ہی نہیں سکتی۔ رہا انعام وہ کوئی حق واجب نہیں ہوتا جو اس کی تاخیر بری ہو۔ ہاں حقوق العباد کے دلوانے میں شاید تاخیر معلوم ہو اس کا جواب یہ ہے کہ حکام دنیا کو جو کچھ خدا کی طرف سے عدل و انصاف کی تاکید ہے اس پر سب اہل مذہب اور تمام اہل حق شاہد ہیں دنیا میں جو کچھ وصول ہو سکے اسکے دلانے میں تو خدا کی طرف سے تعجیل ضروری ہو چکی۔ بایں ہمہ آخرت کا قصہ جدا رہا مگر چونکہ خدا بندوں کے حق میں فقط حاکم ہی نہیں والدین سے زیادہ شفیق اور مہربان ہے تو اگر انکے وقت ضرورت کیلئے ان کے حقوق کو رہنے دے تو اس وقت لیکر انکے حوالے کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ قبل از وقت اسکو کھو بیٹھیں سو وقت کمال ضرورت تو وہی وقت ہے جب کہ عالم اسباب سراسر خواب اور برباد ہو جائے کوئی حیلہ وسیلہ اور سبب اور ذریعہ کمائی کا باقی نہ رہے اس وقت نہ کوئی حیلہ ہوگا نہ کوئی سامان فقط خدا کی رحمت یا ظاہر میں اپنے حقوق ہوں گے۔

اور سنئے نشوونما اگر کار قوت نامیہ کا کام ہے تو تصویر یعنی مناسب حال نامیات (یعنی وہ اجسام جن میں بڑھنے کی صلاحیت ہے۔۱۲) صورت و شکل کا بنا دینا قوت مصورہ کا کام ہے مگر چونکہ غذا کا انجام ایک صورت ہوتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوت مصورہ منجملہ خدام قوت نامیہ ہے جیسے حیوانات میں قوت نامیہ منجملہ خدام حیات ہے ادھر عالم کو دیکھا تو فانی صورت سے نہیں اور جس صورت کو دیکھا وہ ایک وصف اور

ایک معنی کو آغوش میں لئے ہوئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر وصف اور ہر معنی ایک صورت قابل ظہور عالم شہادت جسے عالم محسوسات کہئے رکھتا ہے چنانچہ خاک کو دیکھا وہ حقیقت میں صورت یبوست (خشکی) ہے اور پانی کو دیکھا تو وہ صورت معانی مجتمعہ ہے اس لئے اس میں بھی بہت سی صورتوں سے ترکیب ہے یعنی روح انسانی مثلاً قوت باصرہ قوت سامعہ وغیرہ قویٰ کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ سب اوصاف اور معانی ہیں ان کے مقابل میں جو شکل عطا ہوئی تو بہت سے اعضاء مختلفہ کی ترکیب کے بعد پیدا ہوئی ہے جس کا حاصل وہ سورتِ مرکبہ ہے مگر پھر دیکھا تو وہ معانی اور اوصاف جو معانی اور اوصاف متشکلہ کے بعد مستحکم ہوئے ہیں۔ ہنوز مرتبہ ظہور تک نہیں پہنچے اور خلعت صورت ہنوز ان کو عطا نہیں ہوا اس لئے بحکم قوت نامیہ عالم یہ ضرور ہے کہ جیسے کبوتر مرغ وغیرہ طیور کی مجامعت اور شہوت سے جو منجملہ معانی اور اوصاف میں بیضہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس بیضہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور انجام کار کہاں سے کہاں نوبت پہنچتی ہے اور یہ سب نشو ونما اور تصویر یعنی قوت نام مصورہ کی کار پردازی ہوتی ہے ایسے ہی وہ معانی غیر متشکلہ ظہور میں آئیں اور صورت دکھلائیں کیونکہ یہ یقینی ہے کہ یہ عالم بالضرور اصل قوت نامیہ کی کار پردازی کا ظہور ہے اس لئے قوت مصورہ بالضرور منجملہ خدام قوت نامیہ ہے سو حیوانات اور نباتات میں اگر کچھ قوت نامیہ کا ظہور ہے تو وہ ایسا ہے جیسا نور آفتاب زمینوں اور ذروں اور روشندانوں میں ظہور کرتا ہے غرض جیسے یہاں جو کچھ ہے وہ اصل کا پرتو ہے جس کو آفتاب کہئے۔ ایسے ہی عالم میں جہاں کہیں قوت نامیہ ہے وہ اس اصل کا ظہور ہے جس کو قوت نامیہ عالم کہئے مگر جب بعض معانی اور اوصاف کو دیکھا کہ ہنوز متشکل نہیں ہوئے چنانچہ تمام افعال اختیاری اور انکی بھلائی اور برائی وغیرہ کو ہنوز یہ خلعت عطا نہیں ہوا تو یوں معلوم ہوا کہ ہنوز یہ عالم مثل بیضہ کبوتر ہے۔ تفصیل اسکی یوں ہے کہ بندہ اگرچہ خود شہوت طرفین اور مجامعت فریقین کی ایک صورت ہے اور منجملہ معانی اوصاف ہے مگر اسکے اندر جو مکنونہ (پوشیدہ۔۱۲)

معانی ہیں انکو ہنوز صورت نہیں ملی سو جب بیضہ کا بچہ بن گیا تو یہ معلوم ہوا کہ اس میں کس قدر قوتیں مکنون تھیں جن کا ظہور اب ہوا ہے ورنہ پہلے سے اتنا تو جانتے تھے کہ یہ بیضہ دونوں نر و مادہ کی تمام قوتوں کا اجمال ہے اسلئے وقت تفصیل یہ ضروری ہے کہ حاصل ترکیب و حاصل اجتماع جملہ قوائے طرفین کے موافق اس کو صورت عنایت ہو مگر جو قصہ یہاں ہے وہی قصہ بہ نسبت عالم اجسام نظر آتا ہے یہ قوت عملیہ عالم بالا کا اجمال ہے یہی وجہ ہے کہ ہنوز تمام معانی کی صورتیں نہیں ملیں۔

الحاصل علم خداوندی اور تمام سامان قدرت خداوندی کا اس عالم کو اجمال کہئے اور کیونکر نہ کہئے تفصیل ہوتی تو تمام معانی متشکل ہوتے یہ ضرور ہے کہ جیسے بزور قوت نامیہ وقوت مصورہ مادۂ بیضوی کی صورت منقلب ہو کر صورت بیضہ پاش پاش ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی بزور قوت نامیہ وقوت مصورہ یہ شکل عالم پاش پاش ہو کر مادۂ عالم کو اور شکل عطا ہو۔

اور سنئے حکام دنیا کا یہ دستور ہے کہ جس شہر یا قصبہ والے باغی ہو جاتے ہیں اور راہ پر نہیں آتے تو انکو سزائے سخت پہنچاتے ہیں یعنی ان کو قتل کرتے ہیں یا دائم الحبس (عمر قید) کرتے ہیں اور اس شہر کو جلا پھونک کر خاک سیاہ کر دیتے ہیں اور عمارات کو توڑ پھوڑ مسمار کر کے اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ جرم بغاوت سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اسکے مناسب یہ ہے کہ وہ سزا دی جائے جس سے بڑھ کر کوئی سزا نہ ہو مگر غور سے دیکھیں تو بنی آدم رعیت خداوندی اور یہ زمین و آسمان ان کے رہنے کا مکان۔ کیونکہ انہیں کیلئے بنایا گیا ہے پھر ان کا یہ حال کہ بالاتفاق تمام عالم میں تمرد اور سرکشی روز افزوں ہے اگر راہ پر چند روز کیلئے آ گئے تو وہ ایسا ہے جیسا چراغ مردہ سنبھال لے لیتا ہے اس لئے یوں یقین ہے کہ ایک نہ ایک روز یہ بغاوت عالمگیر ہو جائے اور کیوں نہ ہو جائے بغاوت خواہش پر ہے اور وہ عارضی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ ہمیشہ اطاعت کیلئے کتابیں اور پیغمبر بھیجے گئے ثواب وعذاب کے وعدے کئے گئے تمرد اور سرکشی کیلئے ان میں سے کچھ نہیں ہوا اس لئے یہ ضرور ہے کہ ایک روز کفر عالم

میں چھا جائے اور تمام عالم باغی ہو جائے اس وقت بمقتضائے قہاری خداوندی یہ ضرور ہے کہ اس عالم کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیں اور تمام بنی آدم کو گرفتار کر کے ان کو ان کی شان کے مناسب جزا و سزا دیں۔ (قاسم رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی)

حقیقت مکافات اعمال یعنی انسان کو نیکی پر اجر و ثواب اور بدی کرنے پر عذاب ملنے کی وجہ

(۱)......انسان کیلئے دو جاذب موجود ہیں یعنی کھینچنے والے ایک جاذب خیر ہے جو نیکی کی طرف اس کو کھینچتا ہے دوسرا جاذب شر ہے جو بدی کی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ یہ امر مشہور ہے اور محسوس ہے کہ بسا اوقات انسان کے دل میں بدی کے خیالات پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا بدی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچ رہا ہے پھر بعض اوقات نیکی کے خیالات اس کے دل میں پڑتے ہیں اور اس وقت وہ ایسا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اس کو نیکی کی طرف کھینچ رہا ہے اور بسا اوقات ایک شخص بدی کر کے پھر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے برا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا ہے اور مارتا ہے اور پھر نادم ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ یہ کام میں نے بہت بیجا کیا اور اس سے کوئی نیک سلوک کرتا ہے یا معافی چاہتا ہے یہ دونوں قسم کی قوتیں ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہیں اور شریعت اسلام نے نیکی کی قوت کو ملکی اور بدی کی قوت کو شیطان سے موسوم کیا ہے اور جو نیکی کا القاء کرتا ہے اس کا نام فرشتہ رکھا ہے اور جو بدی کا القاء کرتا ہے اس کا نام شیطان اور ابلیس قرار دیا ہے۔

یہ دونوں قوتیں انسان میں موجود ہیں اور ان دونوں کی حالتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے اور انکے پیدا کرنے میں خدا تعالیٰ کی حکمت یہ ہے تا کہ انسان اپنے نیک اعمال سے اجر پانے کا مستحق ٹھہر سکے کیونکہ اگر انسان کی فطرت ایسی واقع ہوتی کہ وہ

بہر حال نیک کام کرنے کے لیے مجبور ہوتا اور بد کام کرنے سے طبعاً متنفر ہوتا تو پھر اس حالت میں نیک کام کا ایک ذرہ بھی اسکو ثواب نہ ہوتا کیونکہ وہ اس کی فطرت کا خاصہ ہوتا لیکن اس حالت میں کہ اس کی فطرت دو کششوں کے درمیان ہے اور وہ نیکی کی کشش کی اطاعت کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے اور یہی حال بدی کے بدلہ ملنے کا ہے یعنی جس قوت کا مطیع ہوتا ہے اس کے مطابق بدلہ پاتا ہے۔

ان کان خیرا فجزاء ہ خیروان کان شرافجزاء ہ شر.

(۲)......انسان کی عملی اور اعتقادی غلطیاں ہی دراصل عذاب کی جڑ ہیں اور وہی درحقیقت خدا تعالیٰ کے غضب سے آگ کی صورت پر متمثل ہو جائیں گی (مگر چونکہ حق تعالیٰ کو ہر ایک کا انجام معلوم ہے اس لئے اس نے پہلے سے سب سامان مہیا کر رکھا ہے اور جس طرح پتھر پر سخت ضرب لگنے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح غضب الٰہی کی ضرب انہیں بداعتقادیوں اور بدعملیوں سے آگ کے شعلے نکالے گی اور وہی آگ بداعتقادوں اور بدکاروں کو کھا جائے گی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بجلی کی آگ کے ساتھ خود انسان کی اندرونی آگ شامل ہو جاتی ہے تب دونوں مل کر اس کو بھسم کر دیتی ہیں اسی طرح پر غضب الٰہی کی آگ بداعتقادی اور بدعملی کی آگ سے بھڑکتی ہے سو جو لوگ ایسے طور کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ نہ تو سچی خداشناسی کی وجہ سے انکے اعتقاد درست ہیں اور نہ وہ بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں بلکہ ایک جھوٹے خیال پر بھروسہ کر کے دلیری سے گناہ کرتے ہیں انکو علم ہی نہیں کہ دراصل ہر انسان کے اندر دوزخ کا شعلہ اور اندر ہی نجات کا چشمہ ہے دوزخ کا چشمہ فرو ہو جانے سے خود نجات کا چشمہ جوش مارتا ہے لیکن یہ علوم حاصل نہیں ہوسکتے جب تک انسان حقیقی طور پر اسلام میں داخل نہ ہو اور اس کے پاک علم سے فیض نہ اٹھاوے جو کہ آسمانی علوم کو لیکر آیا ہے

(۳)......جزاوسزائے انسانی کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ صورت نوعیہ کا اقتضاء ہے جیسا کہ چارپائے جب گھاس چرتے ہیں اور درندے جب گوشت کھاتے ہیں تو

ان کا مزاج صحیح وسالم رہتا ہے اور جب چار پائے گھاس کے بجائے گوشت کا استعمال کرتے اور درندے بجائے گوشت کے گھاس کھاتے ہیں تو ان کا اصلی مزاج بگڑ جاتا ہے یہی حال آدمی کا ہے جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ جن کی روح میں بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیازمندی کا اثر ہوتا ہے تو اس انسان میں پاکیزگی اور فیاضی وعدالت کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور اسکی ملکی وروحانی مزاج درست ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جن کی روح ان امور کے برخلاف ہوتی ہے تو اس کی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے اور جب وہ اس جہان سے انتقال کرتا ہے تو اسی حالت کے موافق اس سے معاملہ ہوتا ہے۔

حقیقت بہشت ودوزخ

اس میں کلام نہیں کہ ہر قسم کی چیزوں کا لذت دار ہوں یا بے لذت ہوں لذت اور تکلیف دونوں ہی سے خمیر ہے۔ تو اس صورت میں اس کے اجزاء کا شیرازہ بھی جدا جدا کر کے اپنی اپنی جگہ پہنچائیں گے مگر یہ تقسیم رنج وراحت بھی اسی تقسیم نیکی وبدی میں داخل ہے کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج برائی کی۔

تو ان کی اصل کے بھی دو مقام ہوں گے جن کو بہشت ودوزخ کہہ کے تعبیر کیا ہے اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا میں ہر قسم کی لذتیں اگرچہ عورتوں سے صحبت کرنا ہی کیوں نہ ہو بہشت میں پائی جائیں۔ ہاں زیادہ ہو تو کچھ عجب نہیں اور علیٰ ہذا القیاس دوزخ میں دنیا کی ہر قسم کی تکلیفیں موجود ہوں۔

البتہ اگر ان سے زیادہ بھی ہوں تو کچھ دور نہیں۔ دوسرے وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں گو یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کے ہمرنگ ہوں پھر یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کو وہاں کی لذتوں اور کلفتوں سے کچھ نسبت نہ ہوگی کیونکہ یہاں کی لذتیں نہ خالص لذتیں ہیں نہ یہاں کی تکلیفیں خاص تکلیفیں ہیں اور اس تقریر سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں خالص لذتیں اور خالص تکلیفیں ہوں۔ بہرحال بہشت ودوزخ جن جن مکانوں کو کہتے ہیں انکا ہونا بجا ودرست ہے۔

جواب اس سوال کا کہ دوزخ وبہشت کا مقام کہاں ہے

یہ سوال ازروئے عقل قابل استماع نہیں موجود ہونے کیلئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم ہی ہوا کرے خود اس زمین میں ہزارہا مقامات اور اشیاء ایسی ہیں کہ ہم کو معلوم نہیں پس اگر زمین وآسمان کے اندر ہو اور ہم کو معلوم نہ ہو تو کیا محال ہے۔ اور اگر زمین وآسمان کے باہر تو کیا ممتنع ہے عقلاً تو دونوں امر ممکن ہیں مگر نصوص سے باہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب اس سوال کا کہ نعمائے جنت دنیاوی نعمتوں کی طرح ہوں گی:

اس سوال کے جواب میں خدا تعالیٰ کا کلام پاک یوں وارد ہے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين

ترجمہ: یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اسکے لئے مخفی ہیں۔.....اور ان نعمتوں کے بارے میں حدیث نبوی میں یہ بھی لکھا ہے:

اعددت لعبادی الصالحین مالا عين رات

ولااذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر.

یعنی نیک بندوں کیلئے میں نے وہ نعمتیں آخرت میں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل پر اس کا خیال گزرا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا چنانچہ آیت اول کی شرح میں ہمارے سیدنا ومولانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت اور اس کی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں گزریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گزرتی ہیں پس جب کہ خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ان

چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہو تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا ہی کا دودھ ہوگا جو گایوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے۔ کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا۔

قیامت میں ہاتھ پاؤں کے بولنے سے دفع تعجب

اس نئے آلہ گراموفون کا ایجاد ہونا اس استبعاد کے دفع کے لئے کافی ہے۔

التماس۔ یہاں تک لکھنے کے بعد بعض متفرق تحریرات مختلف مضامین پر پہلے سے اپنے پاس رکھی یاد آئیں جن میں خاص خاص امور پر عقلی گفتگو کی گئی ہے تو ان تحریرات کو بھی بطور ضمائم اس مجموعہ کا جزو بنا دینا مناسب معلوم ہوا۔

ضمیمہ نمبر 1

منقول از پرچہ علی گڑھ منتھلی بابت ماہ اپریل ۱۹۰۵ء جلد سوم صفحہ ۱۴۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا مسلمانان عالم کیلئے سال شمسی موزوں ہوسکتا ہے؟

فی الحقیقت جس قدر سائنٹیفک (سائنسی) معلومات کو ترقی ہوتی جائے گی اور جس قدر کہ حقائق عالم کا انکشاف زیادہ ہوگا اسی قدر اسلامی اصولوں کی صداقت کے متعلق تائید حاصل ہوتی جائے گی۔ بظاہر شمسی سال میں تعین اوقات کی ایسی خوبی موجود ہے کہ اس کا دنیاوی امور کے لئے مفید ہونا بلا حجت تسلیم کیا جاسکتا ہے اور چونکہ کرہ زمین کی مداری حرکت کو جو ۳۶۵ دن اور چند گھنٹوں اور منٹوں میں اور اپنے مرکز

کے گرد ختم کر لیتی ہے پورے بارہ حصوں یا بالفاظ دیگر مہینوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے اور پھر گھنٹوں کی کسرات کو ہر چوتھے سال اور منٹوں کی کسرات ہر چوتھی صدی میں سال کبیسہ بنا کر پورا کر لیتے ہیں اس لئے جو موسم ہر ملک میں جس مہینے کے لئے مختص ہے اس میں تفاوت نہیں ہوتا اور ہمیشہ مہینوں کے نام ہی بتلا دیئے ہیں کہ آیا ان ایام میں دور دورہ گرمی یا جاڑہ کا ہے یا عمل و دخل بہار اور خزاں کا برخلاف اسکے قمری میں مہینوں کے ساتھ ساتھ نہ تعین موسم ہے نہ باقاعدہ سالانہ اوقات کی تقسیم کیونکہ آج اگر ماہ صفر المظفر میں موسم گرما کا آغاز ہے تو اس سے نویں سال اس نام کے قمری مہینے میں کڑکڑاتا جاڑا پڑتا ہوگا کیونکہ نو سال بعد بجائے اپریل کے صفر کا مہینہ جنوری سے مطابقت پائے گا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ چاند زمین کے گرد ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۲۸ سیکنڈ میں اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ چاند قرص آفتاب کے محاذی آکر جب دوسری مرتبہ اسی نقطہ پر واپس آتا ہے تو اس کو ۲۹ روز ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۲۸ سیکنڈ صرف کرنا ہوتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ رویت ہلال کبھی ۲۹ روز اور کبھی ۳۰ روز میں ہوتی ہے اور اسی کا نام قمری مہینہ ہے ان کے اعتبار سے قمری سال تقریباً ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے اور اس لئے سال شمسی سے بقدر دس یوم تخمینی کم ہے یہی کمی ہر چوتھے سال یعنی تین برس کے ختم ہونے پر ہندوستان میں ایک لوند کا مہینہ اضافہ کر دینے سے پوری کر لی جاتی ہے حالانکہ اسلامی سال قمری میں کبھی کمی بیشی نہیں کی جاتی اور اس لئے ہمیشہ ہر سال دس اور کبھی گیارہ روز کی کمی سے مہینوں اور موسموں میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ ظاہری نقص اسلامی سال قمری کا درحقیقت عیب ہے یا ثواب بظاہر اس میں کوئی شک نہیں کہ سال شمسی میں تغیر اور تبدل موسم وقت معینہ پر ہونے پر زراعت اور تجارت میں کافی امداد ملتی ہے اور وقت پر کاشت وغیرہ کا انتظام کر لیا جاتا ہے لیکن دراصل زراعت کے لئے مہینوں کا جاننا کوئی ضروری شرط نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار موسم کے تغیر پر منحصر ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جولائی کا مہینہ آجانا

اس لئے کافی نہیں ہوسکتا کہ کاشتکار لوگ تخم ریزی شروع کردیں بلکہ اس کے لئے بارش کا ہونا لازمی ہے چنانچہ ادھر بارش شروع ہوئی قلبہ (ہل چلانا) رانی کا کام جاری ہوگیا اگرچہ بارش نہ ہوتو جولائی اوراگست سب مئی اور جون کے برابر ہیں۔

اسی طرح ایام بارش ختم ہونے کے بعد جب رُت (موسم) بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور سردی کا آغاز ہر عالم اور جاہل کو یکساں طور پر محسوس ہوتا ہے تو لوگ سرمائی انتظام میں مصروف ہوجاتے ہیں اور کاشتکار لوگ فصل ربیع کے بونے میں ساعی ہوتے ہیں اور ان کو اس امر کے جاننے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی کہ اس مہینے کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں اور ایران میں اس کا کیا نام ہے۔

الحاصل جوخوبی بظاہر ہر سال شمسی میں نظر آتی ہے اس پر کاروبار دنیاوی کا انحصار نہیں ہے بلکہ تغیر موسم پر ہے پھر اس قدر ضرورت بھی صرف ہندوستان میں محسوس ہوتی ہے جہاں تین موسم مقرر ہیں حالانکہ تمام دیگر ممالک میں بارش کے اوقات عموماً غیر معین ہیں کہیں تو بارش ہوتی ہی نہیں اور کسی ملک میں ہوتی ہے تو کوئی دن خالی نہیں ہوجاتا اس لئے ظاہر ہے کہ سال شمسی کا وجود جس قدر کہ انضباط اوقات کے لئے ضروری ہے اس قدر لوازم زندگی کے لئے لابد نہیں اور اگر چند پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے اس کے فوائد مان لئے جائیں تو سب سے مشکل یہ امر پیش آتا ہے کہ تمام عالم کے مہذب اور غیر مہذب عالم اور جاہل ذکور اور اناث کے لئے کون ذریعہ ہے کہ جس سے وہ صحیح حساب تحویلات شمسی کا کریں اور اگر ایک مہینے کی ایام شماری میں غلطی پڑجائے تو کس قدرتی علامت سے وہ اپنی تاریخوں کو صحیح رکھ سکیں غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ جب تک مصنوعی ذرائع مثل جنتری وغیرہ کے نہ حاصل ہوں یا ہر ملک وقوم میں چند منجم اور جوتشی نہ ہوں جن پر جنتری کا مدار ہو اس وقت تک عوام کے لئے کوئی فطرتی اور قدرتی ذریعہ نہیں ہے کہ سال شمسی کا اجرا ہوسکے چنانچہ باوجود علم وفضل کے ہندوستان کے قدیم علماء نے بھی اگرچہ سال شمسی بنایا کیونکہ ہندوستان میں بالخصوص

فصول ثلاثہ کے باعث اس کی ضرورت تھی لیکن ذریعہ حساب لگانے کا چاند ہی کو قرار دیا اور اس کے دور کی کمی ہر تین برس میں ایک مہینہ اضافہ کر کے رفع کر دیا لیکن اسلام نے جو تمام عالم کے لئے یونیورسل ریلیجن (عالمگیر مذہب) ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لوند کے مہینے کو بڑھانے کی ممانعت فرمادی اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس امتناع کی فلاسفی آج جغرافیائی معلومات نے نہایت خوبصورتی سے بتلا دی ہے اور سال قمری سے ہر مسلمانوں کو خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ ہندوستان کے سرسبز میدان میں ہو یا عرب اور صحرائے اعظم افریقہ کے لق ودق ریگستان میں ہلال دیکھ کر اپنے مہینے کا حساب لگانے کا طریقہ ایسا سہل بتلا دیا ہے کہ اس کو اس معاملہ میں نہ پنڈت جی سے پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ جنتری کو الٹ پلٹ کرنے کی بلکہ اکثر اس کو جنتریوں کے مصنوعی حساب کے دعوے پر جو رویت ہلال سے متعلق ہوتے ہیں خندہ زنی کا موقع ملتا ہے اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ لوازمات زندگی میں سے جن کے لئے تعین اوقات کی ضرورت ہے زراعت تجارت اور ملازمت کے علاوہ عبادت بھی ایک لازمہ بشریت ہے جس کو ہر طبقہ اور ملت کے آدمیوں نے انسان کی پہلی ضرورت بتلا دیا ہے اور عبادت کے لئے ہر مذہب میں اوقات معین ہیں اور ان میں روزانہ بھی ہیں اور سالانہ بھی چنانچہ سالانہ اوقات مقررہ میں سے دو اس وجہ کی عبادت ہیں جو ارکان اسلام میں داخل ہیں یعنی روزہ اور حج روزے کیلئے ایک مہینہ مقرر ہے اور حج کے لئے بھی ایک دن خاص کر دیا گیا ہے غالباً اس لئے کہ یونیفارمٹی (موافقت) رہے یا کوئی اور مصلحت مالک حقیقی کے علم میں ہو۔ بہرحال تعین وقت کسی نہ کسی صورت ہر ایک دنیا کے مذہب اور طریق عبادت میں موجود ہے پس جائے غور ہے کہ اگر ماہ صیام کے لئے بلحاظ سال شمسی ٹھنڈے اور چھوٹے دن مثلاً دسمبر یا جنوری منتخب کئے جاتے یا بہتر سے بہتر وہ مہینے لئے جاتے جن میں تمام روئے زمین پر دن رات برابر ہوتے ہیں یعنی مارچ اور ستمبر کے مہینے تو اسلام پر صاف یہ اعتراض وارد ہوتا کہ سہولت کے لئے کیا اچھے دن

چھانٹے ہیں اور اگر کسی لحاظ سے ہمیشہ کے لئے اپریل سے لے کر اگست تک کے کوئی تیس روز پسند کر لئے جاتے تو ان ایام کی ناقابل برداشت سختیوں سے کبھی نہ کبھی اہل مذہب کے دل میں یہ کھٹکا گزرتا کہ دینداری کیسی سخت اور مشکل کر دی گئی ہے کہ روزے کے ایام ہمیشہ کے لئے ایسے وقت میں کر دیئے ہیں کہ آسمان جلتا ہے اور زمین تپتی ہے غرض سال شمسی کے لحاظ سے حج اور ماہ صیام کا تقرر کبھی خالی از اعتراض نہیں ہوسکتا لیکن یہاں تک جو وجوہ سال قمری کی فوقیت کے ہیں وہ معلومات قدیم کی بنا پر ہیں لیکن مجھے یہ دکھلانا ہے کہ جدید جغرافی معلومات نے اس مسئلہ پر کہاں تک روشنی ڈالی ہے چنانچہ اس عالم کے ماہرین بخوبی واقف ہیں کہ خط استواء کے لحاظ سے زمین کی تقسیم نصف کرۂ شمالی اور نصف کرۂ جنوبی میں ہوتی ہے اور چونکہ آفتاب چھ مہینے شمال میں اور چھ مہینے جنوب میں خط استواء کے رہتا ہے اس لئے دونوں کروں میں ایک ہی وقت میں موسم برعکس رہتا ہے یعنی اگر نصف کرہ شمالی میں گرمی ہے تو جنوبی میں جاڑا گویا جون کا مہینہ یورپ ایشیا شمالی امریکہ افریقہ میں سخت گرمی کا ہوتا ہے تو جنوبی افریقہ جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا میں کڑا کے کا جاڑے کا ہوتا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اگر سال شمسی کے حساب سے کوئی مہینہ مقرر ہوتا تو آدھی دنیا ہمیشہ تکلیف میں رہتی اور دوسری نصف آرام میں کیونکہ موسم کے ساتھ طوالت لیل ونہار میں بھی تفاوت ہے یعنی موسم گرما میں آباد حصہ دنیا میں ۱۲ گھنٹے سے لے کر ۲۰ گھنٹے تک کا دن ہوتا ہے اور برخلاف اس کے موسم سرما میں ۱۲ گھنٹے سے لے کر ۴ گھنٹے تک کا دن رہ جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر جون کا مہینہ ماہ صیام ہوتا تو نصف کرہ شمالی کے باشندوں کو علاوہ تپش وحرارت اور تشنگی کی شدت برداشت کرنے کے چودہ اٹھارہ اور بیس گھنٹے تک روزہ رکھنا پڑتا اور کرہ جنوبی میں باوجود سردی کے چھ یا آٹھ گھنٹے تک عیش ولذت سے دنیاوی ترک کا ناکافی ہوتا اور یہی ایک مسئلہ ثابت کر دیتا کہ نعوذ باللہ جس نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے وہ خود کرہ زمین کی ساخت اور اس پر موسموں کی کیفیات اور تغیرات سے

ناواقف ہے اور وہ مذہب جس میں ایسا قاعدہ ہو ایک لوکل یا مختص المقام مذہب ہے کہ یونیورسل یعنی عالمگیر اس اشکال کو سال قمری ہی نے طے کیا ہے اس کے مہینے چھتیس برس تک ہر شمسی موسم کے حصہ میں سے گزرتے ہیں اور اگر ایک زمانہ عبادت گرمیوں میں آتا ہے تو چند سال بعد خزاں میں اور پھر بہار میں۔

چنانچہ ہر ۳۶ سال کی مدت میں نصف کرہ شمالی اور نیز جنوبی میں ماہ صیام اور ہر موسم کے ہر حصے میں گزر کر ایسی عدل کی صورت پیدا کرتا ہے جس سے صاف روشن ہے کہ دین اسلام جس ذات کے نزدیک دین حق ہے وہ ذات پاک ہے جس کو حکیم مطلق اور خداوند برحق کہتے ہیں جو مالک اور صانع ہر شے کا ہے اور جو تمام امور عالم سے بخوبی واقف ہے اور ایسا اصول صرف اس حکیم وعلیم کی آسمانی مدد سے قائم ہوسکتا ہے جو اس زمین کا پیدا کرنے والا اور صانع ہے ورنہ جس زمانہ میں دین اسلام چمکا ہے اس وقت نہ جنوبی امریکہ معلوم تھی نہ ٹرنسوال اور آسٹریلیا کا وجود تھا نہ نصف کرہ شمالی وجنوبی میں اختلاف موسم کی بحث درپیش تھی علی ہذا القیاس ایام حج بھی ایک موسم پر منحصر نہیں ہیں اور رفتہ رفتہ ہر موسم میں آتے رہنے سے حجاج کو ہر موسم میں سفر کرنے کا موقع مل سکتا ہے پس وجوہات متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ مسلمانان عالم کے لئے پورے عدل کے ساتھ قمری سال ہی موزوں ہوسکتا ہے نہ کہ سال شمسی فقط۔

ضمیمہ نمبر 2

منقولہ از مشیر مراد آباد ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء

لاتغلق باب التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها

حدیث صحیحہ میں سے ایک حدیث ہے جس کے بامحاورہ معنی یہ ہیں کہ جب تک آفتاب اپنی جائے غروب سے طلوع نہ کرے گا اس وقت تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا یعنی ہر گنہگار کی توبہ اس وقت تک قبول ہوجائے گی جب تک آفتاب اپنی جائے غروب

سے طلوع نہ کرے گا اور جب ایسا ہو جائے گا۔ تو پھر باب توبہ بند ہو جائے گا اور کسی کی توبہ قبول نہ ہو گی۔ یہ ایک ایسی حدیث ہے کہ نہ تو جس کی صحت میں شک ہو سکتا ہے اور نہ یہ اپنے میں پوشیدہ طور پر کوئی ایسے معنی رکھتی ہے کہ جو کچھ سہولت پیدا کریں اب وہ موقع ہے کہ جس کو بجز ایک کٹر اسلامی آدمی کے ہر ایک تعلیم یافتہ نوجوان اور آزاد طبع شخص چاہے وہ فلسفہ سے کچھ نسبت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور خواہ سائنس کے نام کے سوا اور کچھ بھی نہ جانتا ہو یقیناً یہ کہہ اٹھے گا کہ (معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) جی لاحول ولا یہ کیسی الٹی منطق ہے اور یہ کیسی اسلامی پیشین گوئی ہے اور کس طرح اسلامی فلاسفر اور علماء ریاضی دان اس پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ تو عقل ہی اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ مشاہدہ ہی اس حساب کو درست ثابت کرتا ہے اور ہمارے آریہ بھائی اگر کہیں اس حدیث کو سن پاویں گے تو جھٹ سے قانون قدرت کا اڑنگہ اڑا کر اپنی دہریت الگ الاپنے لگیں گے ادھر مسائل ہیئت کے تھوڑے سے جاننے والے بھی کہنا شروع کر دیں گے کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے کیا معنی بھلا کیا مغرب کسی خاص شہر کا نام ہے روزانہ کا مشاہدہ اور تجربہ تو ہم کو بتلا رہا ہے کہ ہر ملک کا مشرق اور مغرب جداگانہ ہے اور روزانہ ہر ایک جگہ کا نقطہ مشرق و نقطہ مغرب بدلتا رہتا ہے تو پھر وہ کون سا مغرب ہے جس سے قیامت کے دن آفتاب طلوع کرے گا اور اگر ہر روز کا نقطہ مشرق نقطہ مغرب ہو کر طلوع آفتاب ہونے پر قیامت ہونا مانا جائے تو چھ ماہ تک ہر درجہ کے باشندوں کے واسطے جداگانہ قیامتیں ہوتے ہوتے (۱۸۰) روز میں (۱۸۰) قیامتیں ہوں گی بہر حال یہ اور اسی قسم کے صدہا اعتراضات آج کل کے آزادی پسند اصحاب مخبر صادق علیہ التحیات کی اس سچی پیشین گوئی پر کرنے کو تیار ہو جائیں گے اور علوم جدیدہ کے شیدائی تو ممکن ہی نہیں ان مسائل پر جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جائیں بلکہ تحقیقات جدیدہ سے عین الیقین کے درجہ پر نہ پہنچ جائیں اعتبار کریں ان کو وحی آسمانی پر ہی اعتبار نہیں بلکہ ہم لوگوں کو (جو ایسے مسائل کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں) تو آزادی پسند احباب

اوہام پرست یا مذہبی ڈھکوسلوں کا پابند کہتے ہیں اور خواہ ان میں سے بعض حضرات اپنے ہم جنسوں کے خیال عزیز و اقارب و بزرگوں کے لحاظ سے صاف الفاظ میں کبھی مذہبی مسئلہ کی نفی نہ کریں اور اس کی تحقیر و تذلیل پر علی الاعلان آمادہ نہ ہو جائیں مگر بالیقین وہ اپنے دل میں تو ایسے مسائل کو ڈھکوسلا ہی خیال کرتے ہیں ایسی صورت میں سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانہ خود ہی اچھے متکلمین پیدا کرے جو اسلامی مسائل کے ساتھ ہی علوم جدیدہ کے بھی ماہر ہوں اور وہ اسی طرح مسائل اسلامی کا تطابق موجودہ فلسفہ سے کریں جس طرح امام غزالی و امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے قدیم فلسفہ کو مذہب کے مطابق کر کے اس کو مذہب کے تابع کر دیا۔

اوہو! میں اپنے اصل مطلب سے کس قدر دور نکل گیا کیونکہ میرا مدعا طلوع آفتاب از مغرب ممکن بلکہ لازم ثابت کرنا تھا اور یہاں میں کچھ اور ہی بیان کرنے لگا۔ سنئے جناب! اگرچہ مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا بظاہر نہایت کٹھن اور سخت بعید از قیاس ہے جو ظاہراً محض ہماری خوش عقیدتی پر محمول کیا جا سکتا ہے مگر حضرت خواہ اور مسائل میں تحقیقات جدیدہ ہماری مذہبی طور پر مخالفت کرے اور مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے واسطے تیار ہو جائے مگر اس مسئلہ میں تو جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" کے مصداق تحقیقات جدیدہ ہی ہمارا ہاتھ بٹاتی ہیں اور وہ ہی رہنمائی کر کے ہم کو اتنی جرأت دلاتی ہیں کہ ہم طلوع آفتاب از مغرب ممکن ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب محض فرض اور نسبتی نام ہیں نہ کچھ اور کیونکہ جائے طلوع آفتاب کو مشرق اور جائے غروب آفتاب کو مغرب کہتے ہیں اور سال بھر نت نیا مشرق و مغرب ہوتا رہتا ہے جس کی ابتدا اول سرطان سے اور انتہا آخر قوس تک ہوتی ہے یعنی ۲۵ جون سے ۲۵ دسمبر تک (۵۲) دن میں ہر روز نیا مشرق اور نیا مغرب قدرت نے بنایا ہے بہ موجب عرض بلد کے پھر چونکہ آفتاب اپنی شعاؤں سے ۹۰ درجہ مشرق اور ۹۰ درجہ مغرب کو کسرے زائد روشن کرتا ہے اس سبب سے روزانہ نقطہ مشرق بعینہ مغرب ان لوگوں کا ہے جو ہم سے بارہ

ہزار میل دور یورپ میں آباد ہیں یہ اختلاف مشرق و مغرب بموجب طول بلد کے ہے یہ تو اس قادر مطلق کی روزانہ کی قدرت نمائی ہے لیکن جس مغرب سے ہم کو بحث کرنا ہے حقیقتاً یہ وہ مغرب نہیں ہے اور ممکن ہے کہ بعض احباب اس مثال کو نہ مانیں کہ اس سے ہمارا مدعا ثابت نہ ہو لہٰذا اس کو ہم اپنی ہی حالت پر چھوڑتے ہیں اور وہ صحیح مغرب آپ کو بتلاتے ہیں جس کی بات مخبر صادق علیہ التحیات والسلام نے پیشین گوئی فرمائی ہے مجھے ان احباب سے کوئی بحث نہیں جو خلقت عالم ہی کے قائل نہیں ہیں اور جن کا یہ خیال ہے کہ یہ عالم اچانک اور اتفاقیہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ان کے اس خیال باطل کی تردید ایک علیحدہ چیز ہے۔ اور ایسے منکرین دہریوں کی قلعی تحقیقات جدیدہ خود ہی کھولتی جاتی ہے لیکن وہ شخص جو آفتاب کو قدیم بالذات نہیں مانتا بلکہ مخلوق اور حادث جانتا ہے اس کو یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ سب سے اول روز یعنی عین وقت پیدائش آفتاب کسی ایک نقطہ سے طلوع کیا ہو گا پس سب سے پہلے آفتاب نے جس نقطہ سے طلوع کر کے اپنی شعاؤں سے سرزمین کو روشن کیا وہی نقطہ مشرق حقیقی آفتاب کا ہے اور عدل فی القسمۃ کی رو سے چونکہ دن اور رات کو مساوی زمانہ ملنا چاہئے یعنی رات دن میں سے ہر ایک پورے بارہ گھنٹے کا ہونا چاہیے جیسا کہ سال میں دوبار ۲۱ مارچ و ۲۳ ستمبر کو ہوتا ہے اور ان دونوں تاریخوں کو اکثر بلاد معمورہ میں دن رات مساوی طور پر پورے ۱۲۔۱۲ گھنٹے کے بعد جس نقطہ پر آفتاب آیا ہو گا وہی حقیقی مغرب اس کا ہے جس کا علم خداوند عالم کو ہے کہ آفتاب کا اصلی مغرب میں ہے اب قابل ملاحظہ یہ امر ہے حدیث مقدس میں بھی من مغربھا ارشاد ہوا یعنی اپنی جائے غروب سے نہ کہ یوں فرمایا گیا ہو کہ من مغربکم یعنی تمہارے مغرب سے اس اپنے مغرب اور تمہارے مغرب نے صاف کر دیا کہ حقیقتاً ہمارا مغرب تو محض فرضی اور نسبتی ہے اس وجہ سے کہ اس عالم علم لدنی علیہ التحیات والثنا کے علم میں یہ امر اس وقت موجود تھا کہ ہر طبقہ کے رہنے والے مسلمانوں کا مغرب جداگانہ ہے لہٰذا مغرب کی اضافت اسی آفتاب کی

طرف فرمائی گئی جس سے مراد اصلی یہ ہے کہ جس روز آفتاب کو موجود کر کے خلاق عالم نے پہلا مطلع اور مشرق بنایا تھا اسی اعتبار سے پہلا مغرب جس نقطہ پر ہے بروز قیامت آفتاب اسی نقطہ سے طلوع کرے گا اور دنیا الٹ پلٹ ہو کر مشرق کا مغرب اور مغرب کا مشرق ہو جانا بھی ہوسکتا ہے یوم تبدل الارض غیر الارض (اسی روز کے بعد یہ زمین دوسری زمین سے بدلی جائے گی) یہ تو بات ثابت ہوگئی کہ حقیقی مشرق و مغرب آفتاب کا ایک خدا کے علم میں ہے لیکن یہ بات ابھی باقی ہے کہ طلوع آفتاب مغرب سے کیونکر ہوگا اور یہی ذرا ٹیڑھی کھیر ہے جس کا یقین سخت مشکل ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ تحقیقات جدیدہ نے اس معمہ کو بھی حل کر دیا اور آج سے ساڑھے چار سو برس قبل سے اس کا پتہ چلنا ہم کو شروع ہو گیا ہے کیونکہ تحقیقات جدیدہ نے ساڑھے چار سو سال ہوئے کہ ہم کو ایک ایسا پتھر دستیاب کرا دیا جس سے ہم نے قطب نما بنایا اور اسی پتھر کے ذریعہ سے خط شمالی قائم ہو گیا بعدہ اسی خط پر دوسرے خط مارنے سے چاروں سمتیں صحیح طور پر قائم ہوئیں اسی کا صدقہ تھا جس کے ذریعہ سے کولمبس نے علم جہاز رانی میں یہ ترقی دکھلائی۔ اب آپ اگر لندن و پیرس کی رصد گاہوں میں چل کر موجودہ زمانہ کے ہیئت دانوں سے دریافت فرمائیے تو وہ آپ کو حال کی تحقیق اور اس وقت کے مشاہدہ و تجربہ سے بتلا دیں گے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مشرق کو ہٹی جاتی ہے۔ تحقیقات جدیدہ کی برکت سے یہ بات آج ہم کو معلوم ہوئی ہے کہ قطب نما کی سوئی شمال کی جانب سے مشرق کو ہٹ رہی ہے یعنی نقطہ شمال جو آج سے ساڑھے چار سو سال قبل تھا وہی شمال نقطہ چھ صدیوں بعد نقطہ مغرب بن جائے گا جب ایسا ہوگا تو لازمی امر ہے کہ نقطہ مغرب نقطہ جنوب اور نقطہ جنوب نقطہ مشرق بن جائے۔ پس یہی مطلب اس حدیث مقدس کا ہے کہ خدائے قادر منطقۃ البروج کو معتدل النہار پر منطبق کر کے پچھم کو پورب بنا دے گا آج ساڑھے چار سو سال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نقطہ شمال مغرب کو ہٹا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے کا علم صرف اس علام الغیوب کو ہی ہے کہ مشرق

حقیقی آفتاب کا کونسا نقطہ ہے اور اسکو اب کتنا زمانہ حقیقی مغرب والے نقطہ پر پہنچنے میں باقی ہے۔ اگر لندن و پیرس کی رصدگاہیں اور وہاں کے ہیئت دان ہم کو یہ نہ بتلاتے کہ قطب نما کی سوئی شمال سے مغرب کی جانب آہستہ آہستہ رواں ہے تو کبھی یہ معمہ حل نہ ہوتا اور ہمارے زمانہ کے مذہب سے لاپرواہ نوجوان کسی طرح اعتبار نہ لاتے کہ یہ حدیث مقدس صحیح ہے ادھر آریہ حضرات قہقہہ اڑاتے کہ وہ اچھی تعلیم اسلام کی ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ اس جدید تحقیقات نے جو مخالفین مذہب کا بڑا زبردست آلہ ہے اس مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر دیا۔

نوٹ از احقر

لیکن بعض روایات میں جو اس طلوع کی کیفیت آئی ہے اور یہ کہ پھر بدستور مشرق سے نکلنے لگے گا یہ توجیہ اس پر منطبق نہیں ہوتی یہ روایات میری تفسیر میں نقل کی گئی ہیں مگر تاہم اگر کوئی شخص بدون اس توجیہ کے اس کو نہ سمجھ سکے اور وہ اتنے ہی جزو کو مان لے کہ طلوع شمس مغرب سے ہوگا کہ یہ جزو احادیث کثیرہ میں وارد ہے اور اس کی کیفیت کی روایات کو جو کہ اس درجہ کی نہیں ہے حجت نہ سمجھے تو جزو اول کے انکار سے تو غنیمت ہے ورنہ اصل جواب یہ ہے کہ جس نے ریاضی کے یہ مستمر قاعدے بنائے ہیں وہ ان کو جب چاہے ایک دن کیلئے ہمیشہ کیلئے بدل بھی سکتا ہے اور **لن تجد لسنة الله تبديلا** سے اگر کسی کو شبہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اس تبدیلی کا فاعل غیر اللہ ہے کہ وہ اللہ کی سنت کو نہیں بدل سکتا۔

فقط

ضمیمہ نمبر 3

منقول از مکتوب خبرت بابت ۱۳۳۴ھ ہجری مرقومہ احقر

(یہ ایک رسالہ ہے جس میں اعمال کی پیشی ووزن پر اس شبہ کا کہ وہ عرض ہیں اور وزن کے لئے جوہریت شرط ہے عقلی جواب ہے)

ارضی الاقوال فی عرض الاعمال من مقال العارف الجلال .

یعنی خلاصہ مضمون اشعار ذیل واقعہ دفتر دوم سرخی قسم غلام درصدق ووفائے یار خوداغ جن کا زیادہ حصہ مشتمل ہے بحث نقل اعمال دنیویہ باے صورہا الخاصۃ الاخرویہ پر

شاہ گفت اکنوں ازآن خود بگو چند گوئی آن این وآن او
توچہ داری وچہ حاصل کردہ ازتگ دریاچہ درآوردۂ
روز مرگ ایں حسن توباطل شود نورجاں داری کہ یاردل شود
درلحد کیں چشم راخاک آگند ہست آنچہ گوررا روشن کند
نوردل ازجان بود اے یارغار مستعارآں راںداں اے مست یار
آں زماں کیں دست پائت بردرد پرو بالت ہست تاجان برپرد
آں زمانہ کیں جان حیوانی نماند جاں باقی بایدت برجان نشاند
شرط من جاء بالحسن نے کردن است بل حسن راسوئے حضرت بردن است
جوہرے داری ازانسان یاخری ایں عرضہا کہ فناشدچوں بری
ایں غرضہائے نماز وروزہ را چونکہ لایبقی زمانین انتفا
نقل نتواں کرد مرا عراض را لیک ازجوہر برندا امراض را

تامبدل گشت جو ہرزین عرض چوں زپرہیزی کہ زائدشد مرض
گشت پرہیز عرض جو ہربجہد شددہان تلخ از پرہیز شہد
از زراعت خاکہاشد سنبلہ دار وئے موکردمورا سلسلہ
آں نکاح زن عرض بدشد فنا جوہر فرزند حاصل شد زما
جفت کردن اسپ و اشتر را عرض جوہر کرد بزائیدن غرض
ہست آں بستان نشاندن ہم عرض گشت جوہر میوہ اش ایک غرض
ہم عرض داں کیمیا بردن بکار جوہری زاں کیمیا گرشد بیار
صیقلی کردن عرض باشد شہا زیں عرض جوہرہمی زاید صفا
پس مگوکہ من عملہا کردہ ام دخل آں اعراض راہنما مرم
ایں صفت کردن عرض باشد خمش سایہ بزراپے قربان مکش
گفت شاہابے قنوط عیب گرتو فرمائی عرض رانقل نیست
بادشاہا جزکہ یاس بندہ نیست ہرعرض کاں رفت باز آئندہ نیست
گرنبودے مرعرض رانقل وحشر فعل بودی باطل واقوال قشر
ایں عرضہا نقل شدلون دگر حشر ہر فانی بودکون دگر
نقل ہر چیزے بود ہم لائقش لائق گلہ بود سائقش
وقت محشر ہر عرض راصورتیست صورت ہر یک عرض رانوبتے است
بنگر اندر خانہ وکاشانہا در مہندس بود چوں افسانہا
کاں فلاں خانہ کہ مادیدیم خوش بود موزوں صفہُ وسقف ودرش
از مہندس آں عرض واندیشہا آلت آور دوستون ازبیشہا
چیست اصل ومایہ ہر پیشہ جز خیال وجز عرض واندیشہء
جملہ اجزائے جہاں رابے غرض درنگر حاصل نہ شد جزاز عرض
اول فکر آمد آخر درعمل نسبت عالم خیال داں در ازل

میوہا در فکر دل اول بود | در عمل ظاہر بآخر می شود
چوں عمل کردی شجر بنشاندی | اندر آخر حرف اول خواندی
گرچہ شاخ و برگ و بیخش اول است | آں ہمہ از بہر میوہ مرسل است
پس سرے کہ مغز آں افلاک بود | اندر آخر خواجہ لولاک بود
نقل اعراض ست ایں بحث و مقال | نقل اعراض است ایں شیر و شغال
جملہ عالم خود عرض بودند تا | اندریں معنی بیامد ہل اتی
ایں عرضہا ازچہ زائید از صور | وایں صور ہم ازچہ زائید از فکر
ایں جہاں یک فکرتست از عقل کل | عقل چوں شاہ است و فکر تہا رسل
عالم اول جہان امتحان | عالم ثانی جزائے این و آں
چاکرت شاہا خیانت می کند | آں عرض زنجیرو زندان می شود
بندہ ات چوں خدمت شائستہ کرد | آں عرض نے خلقی شد ور نبرد
ایں عرض با جوہر آں بیضہ است وطیرا | ایں ازاں و آں ازیں زائد بہ سیر

یعنی بادشاہ نے بغرض امتحان اس غلام کے اس سے سوال کیا اور امتحان کا قرینہ یہ ہے کہ آخر قصہ سے کہ بادشاہ نے دونوں غلاموں کے افعال سے استدلال کیا ان کے اخلاق پر اور حسن السیرۃ کو اس کے اخلاق ذمیمہ کے سبب باوجود اس کی قبح صورت کے مخذول کیا اور یہ استدلال اور اسکے مقتضا کا امتثال یہ کام عارف ہی کا ہے پس عارف کا سوال ظاہر ہے کہ امتحان ہی کے سبب ہوگا۔ وصرح بکونہ امتحانا بعض المحشین علی قولہ گفت (عیان الحاشیہ چوں شاہ اختیار او کرد و معلوم کرد کہ او عالم السرست الخ ۱۲) شاہنشہ الخ الواقع بعد الاشعار مذکورۃ متصلا ویدل علیہ قولہ رحمہ اللہ علیہ بنفسہ حق بمن بنمود و قولہ تو نشانے دہ کہ من دانم تمام الواقع بعدہا غیر متصل۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ تو اپنا تو کچھ حال بیان کر کہ تو نے اپنی روح کے حسن کرنے کی کیا کوشش کی ہے اور اس کی ضرورت بطور خطاب کے ایک آیۃ سے بطور تفسیر خاص بیان کی کہ حق تعالیٰ نے

من جاء بالحسنة فرمایا ہے من عمل الحسنة نہیں فرمایا جس سے اقرب یہ ہے کہ یہ حسنہ عمل نہیں بلکہ مصدر عمل یعنی روح انسانی ہے جس کو اعمال سے حسن بنا کر درگاہ حق میں لانا چاہئے کیونکہ آوردن کا متعلق جوہر ہوسکتا ہے نہ کہ عرض کیونکہ العرض لایبقی فی آنین پھر آوردن اس کے متعلق کیسے ہوگا۔

نیز الاعراض لاتسنتقل من محل الی محل اور آوردن ایک نقل ہے البتہ اعراض یعنی اعمال مکمل یعنی جوہر اس روح کے ہوسکتے ہیں واوردلہ امثلۃ من قولہ چوں زپرہیزے الیٰ قولہ صیقلی کردن اس غلام نے جواب دیا کہ تم جو عدم نقل اعراض سے استدلال کرتے ہو یہ استدلال ناتمام ہے جو یہ مقدمہ ہی ثابت نہیں پس نقل ممکن ہے گو عدم انتقال بھی ممکن ہے مگر ان دونوں ممکنوں میں نقل اولیٰ بالقول ہے کیونکہ عدم نقل کا قائل ہونا مصلحت عامہ کے مناسب نہیں کہ وہ جب سنیں گے کہ ہمارے اعمال آخرت میں نہ جائیں گے کم فہمی سے مایوس ہو جائیں گے اور عمل میں سستی کریں گے جس طرح بعض احادیث مبشرہ کو اسی سستی کی مصلحت سے چندے ظاہر نہیں کیا گیا۔
آگے بیان ہے اعراض کے امکان نقل کا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں اصل جواب تو اسی قدر ہے باقی اس کی توضیح ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ نقل اعمال میں عقلی اشکال صرف یہ ہے کہ نقل اعراض یعنی اعمال من الدنیا الی الاخرۃ تبعاً للموضوع تو ظاہر الجواز ہے لیکن جس طرح نصوص سے ثابت ہے کہ مثلاً ان کا وزن کیا جائے گا اور ظاہر ان نصوص سے یہ ہے کہ عامل کا وزن نہ ہوگا۔ پس یہ نقل تبعاً للموضوع نہیں ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں یا تو وہ اعراض اعراض رہیں گے یا مستحیل الی الجواہر ہو جائیں گے دونوں شق باطل ہیں اول اس لئے کہ نقل اعراض بلا موضوع محال ہے دوسرا اس لئے کہ عرض کا جوہر بن جانا محال ہے کما ہو یہ ہے اس میں اشکال عقلی سو اس کا جواب باختیار شق ثانی ہوسکتا ہے اور ہم اس کا استحالہ نہیں مانتے۔ سند منع یہ ہے کہ ہم خود دنیا ہی میں دیکھتے ہیں کہ اختلاف موطن سے

ایک ہی چیز عرض و جوہر ہو سکتی ہے مثلاً صورت عقلیہ جواہر کی کہ ذہن میں عرض ہے کیونکہ موجود فی موضوع ہے اور خارج میں جوہر کیونکہ موجود لافی موضوع ہے اور دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اگر چہ بعض ہی کے نزدیک سہی جو کہ قائل ہیں حصول اشیاء فی الذہن بانفسہا کے۔ اور گو بعض نے عرض و جوہر کی تفسیر میں اذا وجدت فی الخارج کی قید لگا کر اس صورت ذہنیہ پر عرض کے صادق آنے سے انکار کیا ہے مگر اس سے ہمارے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا کیونکہ قول حصول اشیا بانفسہا پر حقیقہ واحدہ ہی کا وجود فی موضوع فی موطن اور وجود لافی موضوع فی موطن تو ثابت ہوا اور یہی اصل مقصود ہے۔ خواہ اس کا نام کچھ ہی رکھ لیا جائے۔

پس جو نسبت ذہن کو خارج کے ساتھ ہے اگر وہی نسبت خارج دُنیا کو خارج آخرت کے ساتھ ہو اور اس کی وجہ سے یہاں جو اشیاء موجود فی موضوع ہیں وہ وہاں موجود لافی موضوع ہو جائیں تو اس میں کیا استحالہ ہے چنانچہ اہل کشف نے اس عالم شہادت پر مقابلہ عالم غیب کے لفظ خیال وغیرہ کا اطلاق کیا بھی ہے ایسی اشیا کا اس عالم غیب میں وجود لافی موضوع ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے **کقوله عليه السلام لماخلق الله الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بک من القطيعة** اور بہت نصوص سے اس عالم کے بعد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کقولہٗ علیہ السلام:

> **ان البقرة وال عمران تاتيان يوم القيامة كانهما غمامتان او غيابتان اوفوقان من طير وكقوله عليه السلام يوتى بالدنيا يوم القيمة فى صورة عجوز شمطاع.**

چنانچہ اسی تمثل خاص کے اعتبار سے اس عالم کا لقب اصطلاح میں عالم مثال رکھا گیا ہے کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ فی الحجۃ البالغہ وسرد فیہ احادیث کثیرہ اور مولانا جلال الدین المحقق الدوانی نے اپنے رسالہ زوراا اور اس کے حواشی میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے عبارتہا۔

تنبیہ

کانک فیماقرع سمعک من هذا المقدمات اطلعت على حقيقة الانطباق بين العوالم على حقيقة العوالم بل انكشف عليك اسرار غامضة فى حقيقة المبداء والمعاد وتيسر عليك مشاهدة الوحدة الحقيقى فى الكثرة من غير شوب ممازجة ولاانفصال وتعلقت به الى حقائق ماابناء عنه لسان النبوة من ظهور الاخلاق والاعمال فى المواطن المعادية بصور الاجساد وكيفيه وزن الاعمال وسرّ حشر الافراد بصور الاخلاق الغالبة عليهم واطلعت على سرقوله تعالىٰ وان جهنم لمحيطة بالكفرين وقوله تعالىٰ ان الذين ياكلون اموال اليتامىٰ ظلما انما ياكلون فى بطونهم نارا ط وقول الخاتم الفاتح عليه وعلى اله افضل الصلوٰة والتحية الذين يشربون فى آنية الذهب والفضة انما يجر جرفى بطونهم نارجهنم وقوله عليه الصلوٰة والسلام ان الجنة قيعان وان غراسها سبحان الله وبحمده الى غيرذلک من غوامض الحكم والاسرار الالٰهية وعلمت ان جميع ذلک على الحقيقة لاعلى المجاز والتاويل كما انتهى اليه نظر بعض الواغلين فى الفحص عن الحقائق بطريق البحث فانه قصور ظاهرا كمالايخفى

شک و تحقیق

لعلک تقول كيف يكون العرض بعينه هوالجوهر وكيف يكون العين والمعنى واحداوالحال ان الحقائق متخالفة بذواتها فنقول لدلوحنا اليک ان الحقيقة غيرالصورة فانها فى حدذاتهاوصرافة عارية عن جميع الصورالتى تنجلى بها لكنها تظهر فى صورة تارة

وفی غیرها اخریٰ والصورتان متغایرتان قطعا لکن الحقیقة المنجلیة فی الصورتین بحسب اختلاف الموطنین شیء واحد.

تشبیہ

ماشبه ذلک بما یقوله اهل الحکمة النظریة ان الجواهر باعتبار وجودها فی الذهن اعراض قامت به محتاجة الیه ثم هی فی الخارج قائمة بانفسها مستغنیة عن غیرها فاذا عتقد ان حقیقة تظهر فی موطن بصورة عرضیة محتاجة وفی اخر بصورة مستغنیة مستقلة فاجعل ذلک تانیسا لک لکسر به صولة بنوطبعک عنه فی بدوالنظر حق یاتیک الیقین وتتصعد الافق المبین انتهی بقدر الضرورة.

پس اس تقریر سے جواب ہوگیا استدلال علی امتناع الاعمال بامتناع نقل الاعراض کا اور اسی سے مستدل کی دوسری دلیل عقلی یعنی عدم بقاء اعراض اور دلیل نقلی یعنی من جاء بالحسنة الآیة کا جواب بھی مستفاد ہوگیا گو بلسان غلام اس سے بوجہ ظہور کے تعرض نہیں کیا گیا عدم بقاء اعراض کا تو جواب یہ ہوا کہ اگر یہ عدم بقامان لیا جائے گو اس پر کوئی دلیل صحیح قوی قائم نہیں ہوئی مگر ماننے کی تقدیر پر وہ عدم بقاء درصورت عرض کے عرض ہونے کے ہے اور اگر بجز وصدور دوسرے عالم میں بصورت جوہریہ منتقل ہوجائے تو پھر بقاء میں کیا امتناع ہے اور استدلال بالآیۃ کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تفسیر مان بھی لی جائے تو جب یہ عمل بھی جوہر بن گیا تو وہ مجیہ اس پر بھی مثل روح حسن کے صادق آتا ہے۔

یہ تقریران اشعار تک کی ہے وقت محشر ہر عرض راصورتے ست......الخ آگے تنویر دعویٰ امکان مذکور کے لئے چند امثلہ اشیاء جوہریہ متصورہ فی الذہن کی ہیں جو ذہن میں فی موضوع اور خارج میں لافی موضوع ہیں اس شعر تک

گرچہ شاخ وبرگ بخیش

اور پھر مضمون مذکور پر ایک نظیر کی تفریع جملہ معترضہ کے ہے گو اس کی مثال نہیں پس سرے کہ مغزالخ آگے شعر نقل اعراض میں یہ بیان کیا ہے غرض موجود فی مرتبۃ العلم جس طرح کبھی خارج میں جوہر ہو جاتا ہے کماذکر۔ اسی طرح کبھی عرض بھی رہتا ہے چنانچہ یہ بحث و مقال کہ پہلے سے ذہن میں تھا اور عرض تھا بعد نقل کے خارج میں بھی عرض ہی رہا اور دوسرے مصرعہ میں پھر ایک نظیر عرض فی مرتبۃ العلم کی جوہریت فی الخارج کی بیان کی۔ نقل اعراض است ایں شیر و شغال۔

اور نظیر اس لئے کہا گیا کہ مراد اس مصرعہ میں وجود فی مرتبۃ العلم الالٰہی ہے اور وہ عرض ہونے سے منزہ ہے لتنزہ عن الامکان اسی طرح اس کے بعد شعر جملہ عالم خود عرض بودند میں اسی مرتبہ علم الٰہی میں تمام عالم کے کالعرض ہونے کو بتلایا۔

پس یہ بھی نظیر ہے آگے شعر ایں عرضہا از چہ زائید میں اختلاف موطن سے جواہر کا عرض ہونا اور عرض کا جواہر ہونا بتلاتے ہیں اس طرح سے اعراض موجودہ فی الدنیا عالم مثال میں صور جوہر یہ تھا وہو معنی قولہ ایں عرضہا از چہ زائید از صور کماذکرۃ قبل عن الشیخ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور صور جوہر یہ موجودہ فی الدنیا علم الٰہی میں کالعرض تھی وہو معنی قولہ دین صور ہم از چہ زائید از فکر اور شعر ایں جہاں یک فکر تست اسی مصرعہ ثانیہ کی شرح ہے اور یہ احکام مذکورہ فی الاشعار القریبہ وجود قبل عالم الدنیا کے متعلق تھے۔ آگے وجود بعد الدنیا کے یہی احکام کہ اس میں سے اعظم عرض کو جوہر ہونا ہے مذکور ہیں۔ اس شعر میں اول الیٰ قولہ بندہ است اور اس کے اعظم ہونے کے سبب یہاں ذکر میں اس کی تخصیص کی گئی آگے تمام مقام کا خلاصہ کہ کبھی جوہر سے عرض اور کبھی عرض سے جوہر ظاہر ہوتا ہے اس شعر میں فرماتے ہیں ایں عرض با جوہر...... الخ۔

تہذیب المقام وتقریب المرام الی عامۃ الافہام

اگر انصاف سے غور کیا جائے تو عرض کا جوہر ہو جانا جس کا کہ تقریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے اس سے زیادہ بعید نہیں ہے کہ جوہر عرض ہو جائے اور حصول الجوہر فی

الاذہان میں شب روز اس کے وقوع کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو پھر آخرت میں اس کا وقوع کیا مستبعد ہے سو یہاں حصول فی الذہن کے وقت جواہر سے لباس مادے کا منخلع ہو کر موجود فی موضوع ہو جاتا ہے وہاں وزن وغیرہ کے وقت عرض پر مادہ ملبوس ہو کر وہ موجود لافی موضوع ہو جائے تو اس میں کیا عجب اور بعد ہے اور راز اس میں یہ کہا جائے گا کہ جوہریت اور عرضیت ذاتیات سے نہیں ہیں منجملہ کیفیات ظہور حقیقت کے ہیں اور حکماء کا مقولات عشرہ کو اجناس عالیہ ماننا نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ بداہت اس کی مسلم ہے خاص کر جب کہ ان کے اکابر خود اس کی تصریح کرتے ہیں کہ عرض عام اور جنس میں اسی طرح خاصہ اور فعل میں فرق کرنا بہت دشوار ہے۔

کمالاح لک شئی من ذلک مما نقلۃ من الزوراء

نیز بعض محشین مثنوی نے اس کی اس طرح تصریح کی ہے۔ تحقیق مقام آن ست کہ جوہریت وعرضیت از ذاتیات حقائق نیست۔

اور مولانا بحر العلوم نے بھی اپنے حواشی میں اس کی تائید کی ہے اور یہ سوال کہ عرض کا جوہر ہونا کسی طرح اس کو عقل قبول نہیں کرتی دوسرے سوال سے معارض ہے کہ جوہر کا عرض ہو جانا باوجود روز وشب کے وقوع کے آج تک عقل اس کی کنہ کو نہیں سمجھ سکی واللہ مجھ کو تو جب اس میں غور کرتا ہوں حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی اس قیام الصورۃ بالذہن واتصاف الذہن بالصورۃ کی کیا حقیقت ہے اور کیا کیفیت ہے اور اس حال ومحل یعنی صورت وذہن میں کیا علاقہ ہو جاتا ہے اور اس حلول سے ذہن میں کیا تاثر ہو جاتا ہے اور حقیقت موجودہ فی الاعیان میں تجرد عن المواد کا کیسے تغیر ہو جاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر شب وروز کے وقوع سے اس حیرت کی طرف التفات نہیں ہوتا گو کیفیت وحقیقت نہ جاننے کا اعتراف سب کو ہے چنانچہ آج تک یہ طے نہ ہو سکا کہ علم کون سے مقولے سے ہے اور اس کا عکس یعنی عرض کا جوہر بننا چونکہ نشاۃ دنیویہ میں ایسے بین طور پر جس میں کسی تاویل وعذر کی گنجائش نہ رہے نہیں دیکھا جاتا اس لئے

حیرت کی طرف التفات ہوتا ہے ورنہ حقیقت کی مجہولیت میں دونوں یکساں ہیں۔

(تقویت مولانا نے ایک مقام پر اس مضمون کو اس سے زیادہ صریح عنوان سے ذکر فرمایا ہے۔(منقولا من جزاء الاعمال)

چوں سجودی یا رکوعی مرد گشت　　شد در آں عالم سجود او بہشت
چونکہ پرایدا از دہانت حمد حق　　مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد و تسبیحت نماند مرغ را　　ہمچو نطفہ مرغ باد است وہوا
چوں زدستت رفت ایثار و زکوٰۃ　　گشت ایں دست آنطرف نخل و نبات
آب صبرت آبجوئے خلد شد　　جوئے شیر خلد مہرتست دود
ذوق طاعت گشت جوی انگبین　　مستی وشوق تو جوی خمر بین
ایں سببہا آں اثرہا نماند　　کس نداند چونش جائے آں نشاند
ایں سببہا چوں بفرمان تو بود　　چار جوہم مرترا فرماں نمود
ہرطرف خواہی روانش می کنی　　آں صفت چوں بدب چنانش میکنی
چوں منی تست کہ درفرمان تست　　نسل تو درا تو مر آئند و چست
می دود درا مرتو فرزند تو　　کہ منم جزوت کہ کردیش گرد
آں صفت درامرتوبوداں جہاں　　ہم درامر تست آں جوہاروں
آں درختاں مرترا فرماں برند　　کاں درختاں از صفاتت بابرند
چوں بامر تست ایں جا ایں صفات　　پس درامر تست آنجا آں جزات
چوں زدستت زخم برمظلوم رست　　آں درختے گشت ازاں زقوم رست
چوں زخشم آتش تو درد لہا زدی　　مایہ نار جہنم آمدی
آتشت اینجا چوں مردم سوز بود　　آنچہ ازوے زاد مرد افروز بود
آتش تو قصد مردم می کند　　نار کزوے زاد برمردم زند
آں سخنہائے چومارو کثردمت　　مار و کژدم گشت وہی گیرودست

توجیہ آخر

اگر باوجود اس قدر بسط ایضاح کے اب بھی کسی کی عقل اس جوہریت اعراض کو قبول نہ کرے تو وہ نقل اعمال کی دوسری توجیہ اس طرح سے سمجھ لے کہ یہ اعمال گو ظاہراً اعراض ہیں مگر واقع میں وہ جواہر ہیں جیسے اور بھی بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کو بہت عقلا نے اعراض سمجھا مگر دوسرے عقلاء نے ان کے جوہر ہونے کا دعویٰ کیا۔ جیسے قدماء میں کیفیت شم میں اختلاف ہے کہ آیا ہوا کیفیت مشموم سے متکیف ہو کر شامہ کی مدرک ہوتی ہے یا مشموم سے کچھ اجزاء منفصل ہو کر شامہ تک پہنچتے ہیں یا اب متاخرین میں بعض فلاسفر نے نور شمس وغیرہ کو جس کو اب تک عرض کہا جاتا تھا۔ جوہر مانا ہے۔

پس اسی طرح ممکن ہے کہ جب آدمی سے کوئی طاعت یا معصیت صادر ہوتی ہو فوراً اس عامل سے کچھ اجزاء جوہریہ غیر مبصرہ للعامہ طیبہ یا خبیثہ حاملة لکیفیة العمل منفصل ہو کر دوسرے کسی عالم میں کسی طریق سے منتقل ہو جاتے ہوں اور وہ وہاں بصور مناسبہ محفوظ رہتے ہوں اور قیامت میں وہی معروض اور موزوں ہو جائیں اور بعض اہل کشف سے جو منقول ہے کہ انہوں نے غسلخانہ میں پانی نکلتا ہوا دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ ان قطرات میں مجھ کو زنا کا نقشہ نظر آتا ہے۔ سو عجب نہیں کہ اس پانی میں ان ہی اجزاء میں سے بعض اجزاء موجود ہوں اور وہ ہیئت زنائیہ ان اجزاء میں حال ہوا اور اسی طرح ان کو مکشوف ہو گئے ہوں اور میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے قولہ تعالیٰ و وجد و اما عملوا حاضرا کی تفسیر میں سنا ہے وہ ہر عمل کی ہیئت بھی قیامت میں نظر آئے گی۔ مثلاً چور چوری کرتا ہوا نظر آئے گا زانی زنا کرتا ہوا سو عجب نہیں کہ وہی اجزاء اس ہیئت سے نظر آئیں اور ان اجزاء کی شکل عامل کی سی ہو اور اہل محشر کے بصر میں خاصیت خردبین کی پیدا ہو جائے کہ وہ اجزاء خوب بڑے بڑے ہو کر اس عامل کے برابر جثہ میں نظر آئے واللہ اعلم اور اس توجیہ کی بنا پر مولانا کے کلام میں ان کو اعراض سے تعبیر کرنا باعتبار زعم اہل ظاہر کے ہوگا۔

(افادہ) چونکہ یہ کیفیت عرض اعمال کی یعنی ان کا صور جوہریہ میں اوفق بظواہر الکتاب والسنۃ ہے اس لئے اس قول کو ارضی الاقوال کہا گیا جیسا رسالہ کا تسمیہ اس پر دال ہے۔ **وللہ الحمد علی ماعلم وافھم.**

ضمیمہ نمبر 4

محاسن اسلام وقرآن کے متعلق غیر قوموں کی شہادتیں

جو اس مصرعہ کے مصداق ہیں الفضل ما شھدت بہ الاعداء

(الف) منقول از اخبار وکیل ۱۸ جون ۱۹۱۳ء

اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت

جرمنی کے مشہور علمی رسالہ ''ذی ہائف'' میں نامور جرمن فاضل اور مستشرق علامہ جواکیم دی یولف نے اسلام کے واجبات اور فرائض حفظ صحت پر ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے جس کی نقل ذیل میں ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ دین اسلام کے اصول وعقائد وقواعد کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی مانند ظاہر ہو جاتی ہے کہ موجودہ مسلمان ان کی پابندی سے کوسوں دور ہیں اور اگر مسلمانوں میں ایسی اولوالعزم روح پردہ غیب سے شہود میں آئے جوان کو از سرنو اسلام کے اصلی اور صحیح مرکز پر لے آئے تو اس میں کلام نہیں کہ ان کی قوت کا طرہ افتخار آسمان تک جا پہنچے اور سیاسی اعتبار سے نہ سہی اخلاقی اجتماعی اور علمی پہلو سے وہ دنیا کی بساط پر ایک نہایت اہم مہرہ بن سکتے ہیں مجھے اس وقت اسلام کی سیاسی اہمیت سے سروکار نہیں بلکہ میں صرف اس کے ایک خاص پہلو پر بحث کرنا چاہتا ہوں جس پر اس وقت تک شاید کسی یورپین نے غور نہیں کیا۔ یہ پہلو ان احکام وقوانین سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن کریم نے حفظان صحت اور تندرستی کے متعلق اپنے ماننے والوں پر فرض کئے ہیں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام کتب سماوی پر قرآن کو اس لحاظ سے خاص

امتیاز حاصل ہے اگر ہم شاندار مگر سادہ واجبات وفرائض حفظان صحت پر نظر کریں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں اور پھر اس کی کیا حکمت ہے تو ہم پر روشن ہو جائے گا کہ اگر یہ صحیفہ آسمانی اور کلام ربانی ساکنان ایشیا کو نہ ملتا تو ایشیاء کا سادابا آفرین خطہ زمین میں یورپ کے حق میں اور بھی بلاخیز ہو گیا ہوتا۔

اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاکبازی کی صاف وصریح ہدایات کو نافذ کر کے جرائم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچادیا ہے غسل اور وضو کے واجبات نہایت دوراندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضاء کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا ناک کے اندرونی گردوغبار وغیرہ کو دور کرنا یہ تمام حفظ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آب رواں کا استعمال ہے جو فی الواقع جراثیم کے وجود سے پاک ہوتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لحم خنزیر میں اور بعضے ممنوع جانوروں کے اندر امراض ہیضہ وثان فالین بخار وغیرہ کا خطرہ دریافت کرلیا تھا حیوانات کے ذبح کرنے کا جو طریقہ شارع اسلام نے تلقین کیا ہے وہ بہت ضروری اور اہم ہے گرمی اور حدت جانوروں کے خون میں مواد فاسد پیدا کرتی اور ہزار ہا ایسی بیماریوں کا باعث ہوتی ہے جو نسل انسانی کے لیے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے ایسے بیمار جانوروں کا خون ان کے جسم میں جراثیم پیدا کر دیتا ہے اس لئے ذبح کرنے کے عمل میں جانور کے خون کا کثرت سے خارج ہونا لازمی ہے۔ غسل اور وضو سے جو صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور حفظ صحت کی ان دو شرطوں کے بعد تیسری اہم اور قابل قدر شرط ورزش جسمانی کی ہے یہ شرط نہایت آسانی کے ساتھ ادائے نماز سے پوری ہوتی ہے۔

نماز میں قیام ورکوع وقعود وسجود کی حرکات اعلیٰ حکمت عملی اور تدبر پر مبنی ہیں۔ اگر اہل یورپ میں اسلامی نماز کا رواج ہوتا تو ہمیں جسمانی ورزش کے لئے نئی نئی ورزشی

حرکتیں ایجاد نہ کرنا پڑتیں ایشیاء کے گرم ملک میں انسانی جسم کے اندر چربی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دیگر اعضاء ایک خاص کشش کے ساتھ پھیلانا اور سمیٹنا نا مناسب فربہی کی مضرتوں کو دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت قوم کی کمی نسل کی نا قابل تلافی نقصان سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک بے نظیر اصول ہے جس کی ہمیں تہہ دل سے قدر کرنی چاہیے یہ ایک ایسا اصول ہے کہ اگر بوقت ضرورت اس کی پیروی کی جائے تو اس سے سلسلہ توالد و تناسل میں خلل انداز ہونے والے امراض پیدا نہیں ہونے پاتے۔ آپ ایشیاء میں عمر رسیدہ دوشیزہ لڑکیاں بہت کم پائیں گے جو زیادہ عمر تک شادی نہ ہونے کے سبب ہسٹریا کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہوں منشیات و مسکرات کو حرام قرار دینا اسلام کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کے بار گراں سے انسان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا اور ہم مدعیان تہذیب و تمدن یعنی اقوام یورپ کو اس بارہ میں مسلمانوں پر حسد کرنا لازم ہے حیات مستعار کو ایک بے حقیقت چیز سمجھنا اور جان کی مطلق پروانہ کرنا جس کے ساتھ ایک قادر مطلق ہستی کا پختہ اعتقاد بھی شامل ہے اور مزید براں حفظ صحت کے قدرتی و فطرتی اصول و قوانین جن میں انسانی فکر و تدبر کو کچھ بھی دخل نہ ہو۔ یہ تمام باتیں جسم انسانی کی تمام طاقتوں اور قوتوں کو مدت دراز تک صحیح و سالم و مضبوط و مستحکم رکھنے کے لئے نہایت موثر اور یقینی وسائل ہیں۔

با ایں ہمہ اگر ایشیاء بعض خصائص میں ہم پر بمراتب فوقیت رکھنے کے باوجود اکثر امور میں ہم اہل یورپ سے بہت پس ماندہ ہے تو اس کے خاص وجوہ ہیں منجملہ ان کے ایک امر میں مختلف قوموں کا باہمی اختلاط بھی ہے جن میں سے اکثر کو اسلام کے ساتھ موہوم سا تعلق ہے اور ایک قصہ یہ بھی ہے کہ خالص عربی النسل مسلمانوں کی سوسائٹی میں دوسرے قوموں کی عورتوں کا عقد نکاح کے ذریعہ سے داخل ہو جانا ان کی ہیئت اجتماعیہ کے فساد کا موجب ہوا ہے اور یہ قانون قدرت ہے کہ کامل چیز وہی ہے جو خالص بھی ہو۔ بہر حال اسلامی تعلیمات کی یہ بڑی فضیلت اور منزلت اظہر من

الشمس ہے۔ بالخصوص اختلاط اجناس واقوام کے لحاظ سے اس کے اصول اور بھی قابل قدر اور لائق تحسین ہیں اس موقع پر یہ سوال قدرۃ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں میں اسلام عملی صورت میں آج کل کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

اور اس کی بگڑتی ہوئی ہیئت نے اپنے پیرووں کو تنزل اور ضلالت وجہالت کے عمیق غارت میں دھکیل دیا ہے تو آخر ان کا انجام کیا ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ہونا چاہئے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو ان قوموں کا جواب مسلمان کہلاتی ہیں کیا حشر ہوسکتا تھا اور ان قوموں پر کیا منحصر ہے ہمیں خود اپنی نسبت یہ سوال کرنا چاہئے کہ اگر اسلامی تہذیب دنیا میں جلوہ فگن نہ ہوتی تو ہماری کیا کیفیت ہوتی احسان مندی کی رو سے ہم پر واجب ہے کہ عربی علوم وفنون نے ہمارے علوم وفنون پر جو حیرت انگیز اثر ڈالا ہے اس کو فراموش نہ کریں اگر عربوں نے فلسفہ ارسطو کا اپنی زبان سے ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربوں کی معرکۃ الآراء تالیفات وتصانیف وطنی زبان میں ترجمہ ہوکر ہم تک نہ آئی ہوتیں تو ہمیں اس فلسفہ کی اصل یونانی کتابوں کے حصول سے بہت مدت پیشتر ہی اس کا علم کیسے ہوتا چند سال قبل کا ہی زمانہ لے لیجئے یورپ کے تشنگان علوم کا چشمہ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دار العلوم تھے اور سچ پوچھو تو آج بھی جب کہ اسلام روبہ تنزل ہے ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ فقط

(ب) منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹ مارچ ۱۹۱۷ء ۹ ج ۲

پیغمبر اسلام سے ایک جرمنی ڈاکٹر کی عقیدت

جرمن کے مشہور ڈاکٹر کوخ نے ایک مضمون اخبار النصیحت میں لکھا تھا جس کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو کہ حدیث شریف کی جو تعلیم ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ کسی مذہب وملت کا پروردہ ہو اس کو قبول کرے گا۔

ڈاکٹر کوخ لکھتا ہے کہ جس جس وقت سے مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کے لئے تیر

بہدف علاج ہونا معلوم ہوا ہے اس وقت سے میں عظیم الشان نبی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاص طور پر قدر و منزلت کرتا ہوں انکشاف کی راہ میں مجھ کو انہیں کے مبارک قول کی شمع دکھائی میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات بار دھو ڈالو چھ مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی سے یہ حدیث دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم الشان پیغمبر کی شان میں فضول گوئی نہیں ہو سکتی۔ ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے۔

اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا۔ اخیر میں نوشادر کے تجربہ کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی سے برتن دھونے کی رغبت کیوں دلائی اس کی وجہ یہ ہے کہ نوشادر ہمیشہ مٹی میں موجود رہتا ہے اور اگر آپ نے محض نوشادر ہی سے برتن دھونے کی ہدایت فرمائی ہوتی تو بسا اوقات اس کا ملنا غیر ممکن ہوتا اس لئے مٹی جو ہر وقت اور ہر جگہ پائی جاتی ہے برتنوں کی صفائی کیلئے بہترین ذریعہ صفائی تھا اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث **الحمیٰ من فیح جھنم فاطفئوا حرھا بالماء** پر اطباء ہنسا کرتے تھے حالانکہ آپ کی غرض اس ارشاد سے یہ تھی کہ صفراوی بخار کا علاج آپ سرد سے کرو۔

چنانچہ اب تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ بخار کا علاج صرف ٹھنڈا پانی ہی نہیں ہے بلکہ برق آب ہے غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں فن طب کی جان اور اصل الاصول ہیں اور تحقیق و تفتیش انکی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔
میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا اور کہتا ہوں انکی صداقت کاملہ کا اظہار کرتی ہے۔
میں اس پیغمبر کا ادب و احترام کرتا ہوں کہ ابتدائے آفرینش آدم سے اب تک کوئی طبیب و حکیم دنیا میں آپ کا ہم پلہ پیدا نہیں ہوا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

(ج) منقول از اخبار وحدت ۲ فروری ۱۹۲۵ء ۲۱ ج ۲

قرآن تمام آسمانی کتابوں میں بہترین کتاب ہے

ڈاکٹر مرلیس نے جو فرانس کے نامور اہل علم مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں اور جنہوں نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جوابات دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ قرآن کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی منقبت ہوسکتی ہے جس پر تیں کروڑ (چالیس کروڑ مولف) انسان فخر کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفہ کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثناء بھری ہے خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے۔ (پیام آمین)

(د) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۲

مسٹر آرنلڈ وہائٹ نے اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:

”وہ اسباق جو ہم عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے یہودیوں کے توسط سے سیکھتے ہیں (نصف یورپ ایک یہودی یعنی جناب مسیح اور بقیہ نصف ایک یہودن جناب مریم کی پرستش کرتا ہے) ہمیں بنی نوع انسان کے ساتھ انسانیت سے پیش آنا اور تمام لوگوں کے خیالات کا احترام کرنا سکھاتے ہیں۔

لیکن قرآن نے جس کو ایک ساربان کے فرزند نے لکھا مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی بلکہ پرائیوٹ زندگی میں ہمدردی، خیرات، فیاضی، شجاعت اور مسلمان نوازی کا سبق پڑھایا۔

(ہ) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۲

بابا نانک نے لکھا ہے۔ توریت، زبور، انجیل، وید ترے پڑھ سن ڈٹھے، قرآن ہی کتاب کل جگہ میں پروار (جنم ساکھی کلاں ۱۴۷)، تورات، زبور، انجیل اور وید وغیرہ تمام پڑھ کر دیکھ لئے قرآن شریف ہی قابل قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی) رہی کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن (اگر سچ پوچھو تو سچی اور ایمان کی کتاب جس کی ملاقات سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے قرآن شریف ہی ہے۔

(و) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۲

پروفیسر ڈورڈ جی براؤن ایم اے ایم بی اے نے اپنی تالیفات دوائے لٹریری ہسٹری آف پرشیا (تاریخ ادبیات ایران) میں لکھا ہے کہ میں ژند اوستا اور قرآن پر غور کرتا اور اس کے مفہوم ومعانی کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں میرے دل میں اس کی قدر ومنزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے لیکن ژند اوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اس کو علم الاوثان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کے لئے پڑھا جائے طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔

(ز) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۲

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۶ صفحہ ۹۹ میں لکھا ہے۔ قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں بہت سی آیات دینی واخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں۔ مظاہر قدرت، تاریخ، الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔

بت پرستی اور مخلوقات کی پرستش کو (جیسا کہ جناب مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجا جاتا ہے) بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا

بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

(ح) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۱۲

ڈاکٹر جنین آئزک لیٹر نے ۱۸۷۷ میں بحیثیت صدر نشین کلیسائے انگلستان ایک تقریر کی تھی جو اسی زمانہ میں لندن ٹائمز میں شائع ہوئی تھی۔

اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اڑاتا ہے جو تعلیم دیتا ہے کہ انسان جو نہ جانتا ہو اس کو سیکھے۔

جو بتاتا ہے کہ صاف کپڑے پہنو اور صفائی سے رہو جو حکم دیتا ہے کہ استقلال واستقامت لازمی فرض ہے بلاشبہ دین اسلام کے تمام اصول ارفع ہیں اور اس کی خصوصیات شائستگی اور تمدن سکھلاتی ہے۔

(ط) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۲

''ہربرٹ لیکچرز'' میں یہ فقرات موجود ہیں۔ اسلامی قانون قابل تعریف اصول پر مشتمل ہے اور زیادہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ اسے ان اصول کی تعلیم وانجام دہی کی زبردست حمائل میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

''شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ عقلی احکام کا مجموعہ ہے جن فضائل واعمال کی اس میں ہدایت کی گئی ہے وہ ایسے برگزیدہ اور شائستہ ہیں کہ کسی مشہور مسیحی فسیس کی ہدایتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(ی) منقول از اخبار وحدت ۸ فروری ۱۹۲۵ء ص ۲۶ ج ۲

مسٹر ڈول جس نے قرآن شریف کا ترجمہ شائع کیا۔ لکھتا ہے جتنا ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے لیکن فوراً ہمیں مسخر کر لیتی متحیر بنا دیتی اور آخر ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین واغراض کے

عفیف عالی شان اور تہدید آمیز اور جابجا اس کے مضامین کی غایت ورفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔

تمت

رسالة بتمامها تمت الجلد الثالث الذى بتمامه تم اصل الكتاب ونحمد الله الذى عنده ام الكتاب. والله عنده حسن الثواب وزمان الختام. اول شهر الله محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سيدالانام صلى الله تعالىٰ عليه واله العظام والصحابة الكرام مدى الليالى والايام ابداابدا لاانقضاء ولاانصرام. فقط.

ملفوظات خبرت

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی مظہار الجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

ایک ضروری وضاحت

آئندہ آنے والے ملفوظات کے ابتدائی مضمون کے مطالعہ سے علم ہوگا کہ یہ ملفوظات کے قدیم سلسلہ دعوات عبدیت ہی کا حصہ ہے جسے علیحدہ شائع کیا گیا تھا۔ یہ ملفوظات حصہ دوم۔ حصہ چہارم اور حصہ پنجم پر مشتمل ہیں۔ حصہ اوّل کے متعلق شروع مضمون میں وضاحت ہے کہ 1332 ہجری میں سال بہ سال ملفوظات کے اجزاء کو مرتب کر کے شائع کیا جائے گا۔

لہٰذا مذکورہ سال سے پہلے کے طبع شدہ ملفوظات کو حصہ اوّل قرار دیا گیا۔ حصہ چہارم کے شروع میں بطور اطلاع لکھا ہوا ہے کہ حصہ سوم مستقلاً شائع ہونا تجویز ہو چکا ہے اس لئے آگے حصہ چہارم شروع کیا جاتا ہے۔

اب آئندہ صفحات میں ملفوظات خُمرت کا حصہ دوم۔ چہارم اور پنجم ہی دیئے جا رہے ہیں۔ اور قدیم رسالہ ''الامداد'' ۱۳۳۳ھ اور ۱۳۳۴ھ کے مطبوعہ اجزاء سے مذکورہ تین حصے ہی دستیاب ہو سکے ہیں۔ (مرتب)

❁❁❁

ملفوظاتِ خُبرت.....(حصہ دوم)

بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ دعوات عبدیت جلد اوّل کے خطبہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ مثل مواعظ کے وقتاً فوقتاً احقر کے متفرق ملفوظات کو بھی مختلف احباب ضبط کرتے رہتے ہیں چنانچہ اُن کا ایک بڑا ذخیرہ بعض خاص التزامات کے ساتھ جن کا ذکر اُسی خطبہ میں ہے دعوات عبدیت کی جلدوں کا جزو ہو چکا ہے چونکہ دعوات عبدیت کی جلدیں محدود قرار دی گئی ہیں اور مواعظ و ملفوظات کے ضبط کا سلسلہ اُس کے بعد بھی جاری رہا اس لئے بعد ان محدود جلدوں کے بعض حضرات نے تو مواعظ کی اشاعت کی طرف اس طرز سے توجہ فرمائی کہ کسی وعظ کو منفرداً کسی کو اور بھی ایک دو کے ساتھ منضم کر کے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے ہیں اور بعض نے ملفوظات کی اشاعت کا اس طریق سے قصد فرمایا کہ اُن کی جب کوئی معتد بہ مقدار جمع ہو جایا کرے اُس کا ایک حصہ قرار دے دیا جایا کرے اور اس طرح اُس کے متعدد حصے ہو جاویں چنانچہ اس بناء پر دعوات عبدیت کے ملفوظات کو ایک حصہ قرار دے کر اُن کے بعد سے ۱۳۴۲ھ کے ختم تک جو جو ملفوظات مرتب کئے گئے اُن کو حصہ دوم بنایا جاتا ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے آئندہ کیلئے بنظر سہولت یہ خیال ہے کہ سال بہ سال جو ملفوظات مرتب ہوتے رہیں خواہ وہ ضبط کئے ہوئے اس سال کے نہ ہوں ان کو ایک ایک حصہ بنا کر ان شاء اللہ تعالیٰ شائع ہوتا رہے مثلاً ۱۳۴۳ھ میں جن مضامین کو ترتیب دیا جاوے اُس کو حصہ سوم سمجھا جاوے وعلیٰ ہٰذا الی ماشاء اللہ۔ گو وہ اس سنہ مذکورہ کے قبل ہی کے لکھے ہوئے ہوں اور چونکہ اب تک اشاعت ملفوظات کی مستقلاً نہ ہوئی تھی دعوات کے ضمن

میں تھی اس لئے اُن کا نام جداگانہ نہ تجویز کیا گیا تھا گو اُس کے دو جزوؤں کا نام تو جدا جدا اُس وقت بھی تھا یعنی مقالات حکمت ومجادلات معدلت مگر اب مستقلاً شائع ہونے کے سبب مناسب معلوم ہوا کہ اس مجموعہ کا نام ملفوظات ﴿بضم الاوّل وکسرہ العلم کما فی القاموس ۔۱۲۔منہ﴾ خبرت رکھا جاوے اور اُس کے دونوں جزوؤں کا وہی بھلا نام رہے اور اُن دو جزوں میں ترتیب بھی وہی رہے کہ اوّل ﴿یہ تمہید اس رسالہ کی تجویز سے پہلے لکھی گئی تھی اس رسالہ میں اس ترتیب کی رعایت تکلف سے خالی نہ تھی ۔۱۲ر منہ﴾ مقالات حکمت پھر مجادلات معدلت گو دونوں کے عددوں میں وہ تناسب اور اسی طرح مجموعہ کے عدد کی وہ مقدار نہ رہے جس کا التزام دعوات عبدیت کی جلدوں کے ملفوظات میں ملحوظ تھا اور جامع اس حصہ کے عزیزی مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور حسب معمول احقر نے بھی نظر ثانی کر لی ہے اللہ تعالیٰ اس ذخیرہ کو نافع فرماویں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان۔کتبہ اشرف علی۔ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

(۱) میں نے عرض کیا کہ بعض افعال غیر مقصودہ فی الدین جو عبادات میں سے نہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اُن کو سب بے تکلف کیا کرتے تھے۔ اور اب لوگ اُن کو افعال دنیہ سمجھتے ہیں اور اُن کے فاعل کو ذلیل سمجھتے ہیں سو ان افعال کے باب میں اس زمانہ میں کیا کرنا چاہئے فرمایا کہ حدیث میں ہے **لیس للمؤمن ان یذل نفسہ** اور یہ افعال مقاصد میں سے ہیں نہیں لہٰذا جہاں ایسا مجمع ہو کہ وہ لوگ ان افعال کے فاعل کی تحقیر کریں یا خود ان افعال کی تحقیر کریں تو ایسی جگہ ایسے کام نہ کرے اور جو تنہا ہو یا مجمع اپنے موافق ہو تو ان افعال کو کرے اور اگر حال غالب ہو تو اُس کا ذکر ہی نہیں۔

(۲) فرمایا کہ اُمت محمدیہ میں ایسے ایسے کامل علماء گذرے ہیں کہ اگر وہ اُمتی نہ ہوتے تو اُن کے نبی ہونے کا شبہ ہوتا۔

(۳) فرمایا کہ قاعدہ کلیہ اُصولیہ **لا عبرۃ لخصوص السبب بل العبرۃ**

لعموم الالفاظ میں عموم سے وہ عموم مراد ہے جو مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو چنانچہ حدیث میں ہے لیس من البر الصیام فی السفر ظاہر ہے کہ الفاظ عام ہیں مگر یہ بھی جمہور کے نزدیک یقینی ہے کہ مراد صرف وہ صوم ہے جیسا اس حدیث کے سبب ورود میں تھا یعنی جس میں مشقت و مصیبت تھی۔

(۴) فرمایا کہ اُجرت علی تعلیم القرآن کو کتاب الاجارہ میں ذکر کرنا اس اَمر پر دال ہے کہ فقہاء نے ضرورت پر نظر کر کے جواز اُجرت علی تعلیم القرآن کا فتویٰ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر دیا ہے میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ اس اُجرت کو قضاء قاضی کے نفقہ پر قیاس کیا جاوے تو یہ عقد اجارہ نہ رہے گا بلکہ جزائے حبس ہو جاوے گا اور تعیین رقم محض تسہیل کے لئے ہوگی مگر اس صورت میں اس قدر کفایت کا جواز ثابت ہوگا اس اُجرت کو قضائے قاضی کے نفقہ پر قیاس کرنے سے خروج عن المذہب لازم نہیں آتا اور عموم بلویٰ کی وجہ سے زائد علی الکفایت کو بھی حلال کہنا ممکن ہے مگر ہر صورت میں ثواب جب ہی ہوگا جبکہ یہ نیت ہو کہ اگر میرے نفقہ کا انتظام کہیں اور سے ہو جاوے تو تعلیم کے ذریعہ سے نہ کماؤں اور نیز اگر بقدر کفایت ملتا ہو تو دوسری سبیل کی یا ترقی کی حرص نہ کرے۔

(۵) ایک شخص نے ایک گروہ مبتدع کی نسبت سوال کیا کہ اُس گروہ کے اعتقادات فاسدہ مشہور ہیں تو اہل سنت والجماعت کو اُن سے میل جول رکھنا اور اُن کے ساتھ کھانا اُن کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور اُن سے تعلقات نکاح و شادی کرنا اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جواب میں فرمایا کہ اُن اعتقادات فاسدہ میں سے بعضے حد کفر تک ہیں جیسے اعتقاد نبوت امتی اور کلمات تحقیر کا استعمال حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں پس جو شخص ان اُمور کا اعتقاد رکھے وہ تو کافر ہے اور بعض عقائد صرف حد بدعت و ضلالت تک پہنچے ہیں اُن کا اعتقاد رکھنے والا مبتدع ضال ہے پس جس شخص کے عقائد کا حال بالتعیین معلوم ہو اُس کا تو ویسا ہی حکم

ہوگا یعنی اگر وہ کافر ہے تب تو ظاہر ہے کہ کفار سے مسلمان کو اختلاط رکھنا اور اُس سے مناکحت کرنا یا اُس کے پیچھے نماز پڑھنا بالکل ناجائز ہے بلکہ بہ نسبت صریح کافر کے اس شخص سے زیادہ احتیاط واجب ہے کہ دوسرے مسلمانوں تک اس کا ضرر و اثر متعدی ہوتا ہے اور اگر وہ مبتدع ہے تو اُس کے احکام مبتدعین کے سے ہوں گے مثلاً نماز اُس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی فاسد نہ ہوگی اور نکاح اُس کے ساتھ صحیح ہو جاوے گا گو اُس کے ساتھ نکاح کرنا موجب گناہ ہوگا اور اگر حال مشتبہ ہے تو اُس کو دل سے مبتدع سمجھے اور معاملہ اُس کے ساتھ کافر کا سا کرے کہ اسی میں احتیاط ہے۔اھ۔

(۶) میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جن امراض میں مریض کے قصد کو صبر کرنے میں دخل نہیں اُن میں مریض صابر کا سا ثواب نہیں ملتا مثلاً کوئی مجنوں ہو جاوے تو چونکہ وہ قصداً صبر نہیں کرسکتا اس لئے اُس میں ثواب نہ ملے گا اور مجذوب کا بھی یہی حکم ہے۔اھ۔حاصل کلامہم۔

(۷) فرمایا کہ عورت اگر مہر معاف بھی کردے لیکن خاوند میں ادا کرنے کی وسعت ہو تو معافی قبول نہ کرے کہ اس میں ذلت ہے "وقال تعالٰی الا ان یعفون او یعفوالذی بیدہ عقدۃ النکاح و ان تعفوا اقرب للتقوٰی" اور عورت اگر متمولہ ہو اور جہیز بہت سالاوے تو خاوند کو مناسب ہے کہ اپنے مٹی کے برتنوں کو برتے اور اُس کی چیز نہ برتے۔(ف) واقعی ایسا ہی چاہئے عورتیں ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں ذرا سی بات میں احسان جتانے لگتی ہیں چھچھورا مزاج ہوتا ہے پس ہمت مردانہ اور عمل متقیانہ کا یہی مقتضا ہے کہ باوجود ان احتمالات کے اُس کی طرف سے اگر ہدایا معتد بہا بھی پیش ہوں جب بھی قبول نہ کرے چہ جائیکہ خود فرمائش کرے۔ہدیہ کریم النفس شخص کا قبول کرنا چاہئے جس میں شرائط شرعیہ اور کمالات اہل مروّت مجتمع ہوں۔

(۸) فرمایا کہ ہم بھائیوں میں بہت بڑا اتفاق ہے کہ ایسا بہت کم پایا جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر ایک کے معاملات جداگانہ ہیں کوئی کسی کا شریک نہیں باہم رنجش

کا باعث معاملات ہو جاتے ہیں اس لئے بھائی بہنوں وغیرہ سب کو علیحدہ علیحدہ رہنا چاہئے شرکت میں رہنا ہرگز مناسب نہیں۔

(۹) فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتنہ غنی کو فتنہ فقر سے اشد سمجھا جاتا تھا اور اب فتنہ فقر فتنہ غنی سے اشد ہو گیا اس لئے مسلمانوں کو روپیہ کی بہت قدر کرنی چاہئے بے موقع ہرگز خرچ نہ کریں۔

(ف): قال الجامع قد صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کادَ الفقران یکون کفرا۔اھ و محلہ ھذا الزمان۔

(۱۰) ایک شخص نے بذریعہ تحریر دریافت کیا تھا کہ ذکر جلی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس صورت میں جائز ہے تعلیماً یا غیر تعلیم تنہا یا با جماعت جواباً تحریر فرمایا جائز ہے بچند شرائط نمبر (۱) ریا نہ ہو۔ (نمبر ۲) افراد فی الجہر نہ ہو۔ (نمبر ۳) خصوصیت جہر کو قربت مقصودہ نہ سمجھے۔ (نمبر ۴) کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو۔ (نمبر ۵) خفی پر اُس کے فضل کلی کا مدعی نہ ہو۔ **و ذکر الادلۃ لا یسعہ الوقت۔**

(۱۱) ایک صاحب نے بذریعہ تحریر سوال کیا تھا کہ تکبیر عاشقان جو فلاں سلسلہ میں ایک قسم کی عزیمت خیال کی جاتی ہے درج ذیل کرتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ جناب اقدس بعد ملاحظہ اس کے سقم و حُسن سے سرفراز فرمائیں گے ایک ایسے شخص کو جو مذہب حنفی کا پابند ہو اور بظاہر طریق اہل حق پر عامل ہو اور عقائد صحیحہ رکھتا ہو اُس کے لئے اس تکبیر کا ورد موزوں ہو سکتا ہے یا نہیں اس تکبیر کے الفاظ قبائح شرعیہ سے خالی ہیں یا نہیں شرک کا شائبہ کسی جملہ سے مترشح ہوتا ہے یا نہیں غرض ایسے شخص کو جو جناب والا کے مسلک و طریق عمل پر چلنے کی کوشش کرتا ہو اور اُس کے لئے اُس کا ورد کسی نوع تک جائز ہو سکتا ہے۔ عبارت تکبیر عاشقان یہ ہے:

بسم اللہ خیر الاسماء انبیاء علیہم السلام را اولیاء را زھاد را عباد را ابدال را اوتاد را سالکان را ناسکان را محبان را محبوبان را

مجذوب سالک را سالک مجذوب را اصحاب تمکین را ارباب تلوین رااهل سکر را اهل صحوراتشنگان کنج سلامت رازوندگان راه بلامت را قلندران سرمست را صوفیان زبردست را سلسله طبقه حیدریان را غلغله موهبان را شاهان عرب را سرداران عجم را بندگان زنگیان را امیران خراسان را سلاطین هند را خلفائے سنده را سرداران غزنوی را ظریفان تبت و چین را چابکسواران بدخشاں را عاشقان غور رامشتاقان ماوراء النهر را و اصلان برو بحر راهرکه درحیات ظاهری و باطنی اند بدرگاه خدا شفیع می آرم برائے آمدن حاجات دینی و دنیوی و حل مشکلات دینی و دنیاوی هر که درآیدبرآید هر که در آید بر آید هر که درآید بر آید هر که دگر کند جگر خورد هر که دگر کند جگر خورد هر که دگر کند جگر خورد "اَللّٰهُ اَکْبر اللّٰهُ اکبر لا اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اکبر وَالله اکبر وَ لِلّٰهِ الْحَمد بحق لا اِلٰهَ الا الله محمدرسول الله صلی الله علیه واٰلهٖ وسلم."

حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا اگر اُصول دینیہ سے کسی کوذرامناسبت ہواُس کو بذوق صحیح اس میں قبائح متعددہ محسوس ہوں گے بطور نمونہ کے بعض کوذکر کرتا ہوں۔

(نمبرا) درگاہ خداوندی میں شفیع ہونے کی قابلیت میں شرعاً شرط ہے اُس شفیع کا مقبول ہونا اوراس عبارت مذکورہ میں بعض وہ الفاظ ہیں جو مشتمل ہیں کفار کو بھی مثلاً شاہان عرب راالی قولہ چابک سواران بدخشاں راپس ان کوشفیع لانا ظاہر ہے کہ شریعت کے خلاف ہوگا......(نمبر۲) عوام کا عقیدہ ان عملیات میں بالکل یہ ہے کہ ان لوگوں کی ارواح ہماری حاجت روائی میں معین ہوں گی اور یہ صاف شرک ہے۔

(نمبر۳) یہی لوگ ان عملیات کوادعیہ ماثورہ قرآن وحدیث پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بھی عقیدہ فاسدہ ہے اس لئے اس سے حتماً منع کیا جاوے۔

(ف) ادعیہ ماثورہ میں تاثیر بھی زیادہ ہے اور ثواب بھی زیادہ متبع سنت اور محبّ خدا اور رسول کا دل تو ہرگز اُن متبرک ادعیہ کو چھوڑ کر دوسری دُعاؤں کے اختیار کرنے کو گوارا نہ کرے گا۔

(۱۲) استفسرته مد ظلهم العالٰی ان الاعلام نحو محمد زاهد و محمد علی و غیرهما تکون غیر منصرف او منصرفا فاجاب ان العادة فی الهندان لفظ محمد یزاد تبرکا و انما العلم هو الجزء الا خیر فلا محل للملک اللفظ من الاعراب و یقرء بالسکون و انما محل الاعراب هو الجزء الاخیر فلا وجه لکونه غیر منصرف و قال ان العرب لایسمون الا مفردا الا قلیلاً (ف)قلت ان مقتضی ذلک التعلیل ان من لم یسم بتلک الارادة بل رکب الاسمین لم یقصد بذلک الاضافة و لا الاسناد فاعرابه اعراب غیر المنصرف نحو بعلبک فافهم فانه مفید.

(۱۳) ایک متعلم نے دریافت کیا کہ رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے اور سجدہ ملنے سے رکعت نہیں ملتی اس وجہ سے رکوع سجدہ سے افضل معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے پوری رکعت کے ہوا فرمایا کہ یہ وجہ افضلیت رکوع کی نہیں بلکہ افضلیت سجدہ کی ہے اس لئے کہ رکوع مل جانے سے قیام ملنے کا اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ رکوع قریب الی القیام ہے پس رکوع تابع قیام کیا گیا اور سجدہ چونکہ مستقل ہے اس لئے وہ تابع قیام نہیں قرار دیا گیا پس سجدہ رکوع سے افضل ہوا۔ فافهم

(۱۴) ایک صاحب کا ایک خط بعنوان سوال آیا تھا اس کا جواب جو حضرت قبلہ نے مرحمت فرمایا وہ مع سوال مفید سمجھ کر لکھا جاتا ہے خط کا مضمون یہ ہے کہ یہاں کچھ سلاوت اور کچھ تیلی غیر مقلد ہیں ایک تیلی باہر کا یہاں آ کر آباد ہوا ہے وہ حنفی ہے پہلے رفع یدین نہیں کرتا تھا اب یہ شخص سلاوت وغیرہ کے کہنے سے رفع یدین کرنے لگا ہے اس کو مسجد میں مسلمانوں نے منع کیا وہاں آپس میں گفتگو کی نوبت پہنچی یہ شخص جو باہر کا آ

کر آباد ہوا ہے اُس کو میں نے بلا کر سمجھایا تو اس نے یہ جواب دیا کہ ایک مولوی جودھ پور میں وعظ کہتا تھا اُس سے میں نے سنا ہے کہ رفع یدین کرنا سنت ہے اس وجہ سے میں کرنے لگا جناب مولوی اشرف علی صاحب کا فتویٰ مجھے منگوادو اگر وہ فتویٰ بھیج دیں گے اس بات کا کہ رفع یدین کرنا گناہ ہے تو میں فوراً چھوڑ دوں گا۔

اس لئے عرض ہے کہ اس کی بابت آپ مسئلہ فرمادیں کہ رفع یدین جائز ہے یا کس طرح جواب محررہ حضرت والا مندرجہ ذیل ہے مسائل اختلافیہ میں جس میں ائمہ اربعہ اختلاف رکھتے ہوں یہ کہنے کی کس کی مجال ہے کہ کسی فعل کو گناہ کہہ دے البتہ یہ جرأت آج کل کے بے باک عمل بالحدیث کرنے والوں کو مبارک ہو کہ وہ حنفیہ کو گنہگار کہتے ہیں ان مسائل اختلافیہ میں صاف کہتے ہیں کہ یہ لوگ امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے ان کی نماز ہی نہیں ہوتی حالانکہ بہت سے صحابہ نہیں پڑھتے تھے تو ان کے نزدیک وہ صحابہ بھی بے نماز ہی وفات پاگئے۔ نعوذ باللہ اسی طرح رفع یدین نہ کرنے سے یہ لوگ حنفیہ کو گنہگار کہتے ہیں کہ سنت کے تارک ہیں سو حنفیہ تو ایسی جرأت نہیں کر سکتے کہ رفع یدین کو گناہ کہیں لیکن یہ شخص اگر میری بات کو دین اور انصاف کے خلاف نہ سمجھے تو میری طرف سے کہنا چاہئے کہ رفع یدین تو گناہ نہیں لیکن رفع یدین کا ترک بھی گناہ نہیں جب گناہ نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں اور رفع یدین کرنے میں فتنہ عوام میں ہوتا ہے تو اگر تم اس نیت سے چھوڑ دو گے کہ مسلمانوں میں وحشت وتشویش نہ ہو تو نماز تو تمہاری ہو ہی جاوے گی اور اُمید ہے کہ تم کو ثواب بھی ملے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعضے مستحب کام اسی لئے ترک فرمادیئے کہ عام لوگوں میں شوروغل ہوگا حطیم کے قصہ کو تمام اہل علم جانتے ہیں اور اگر یوں سمجھتے ہو کہ رفع یدین نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے تو یاد رکھو کہ تم اس سمجھنے سے گنہگار ہو گے توبہ کرو دوسرے یہ اُس سے کہئے کہ جب تم عالم نہیں ہو تو کسی نہ کسی کی تقلید تو ضرور ہی کرو گے تو جودھ پور والے مولوی سے تو امام ابوحنیفہ ہی بڑے ہیں سو اُن کے کہنے سے رفع یدین چھوڑ دو۔

(۱۵) فرمایا کہ اکثر بوڑھوں میں شہوت جوان سے زیادہ ہوتی ہے گو قوت کم ہوتی ہے اور جوانی میں قوت عفت کی زیادہ ہوتی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ جوانی میں چونکہ شہوت قوی ہوتی ہے اس لئے اُس کے روکنے میں نفس کو حظ وافر حاصل ہوتا ہے بخلاف ایام ضعیفی کے اور حظ وافر نفس کو محمود اور مطلوب معلوم ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جوانی کی حالت میں ہمت زیادہ ہوتی ہے بخلاف عالم ضعیفی کے تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان بوجہ شدت شہوت عالم جوانی میں عفت کا اہتمام زیادہ کرتا ہے بخلاف عالم ضعیفی کے کہ اس زمانہ میں بوجہ ضعف شہوت اس طرف اہتمام نہیں ہوتا چوتھی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ جوانوں سے تو اپنے لڑکوں اور عورتوں کو دُور رکھتے ہیں اس لئے بھی ان کو ابتلاء کم ہوتا ہے بخلاف بوڑھوں کے کہ اُن سے کسی کو اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے اُن سے احتیاط نہیں کی جاتی وہ معصیت نظر ولمس میں زیادہ مبتلا ہو جاتے ہیں اور گو یہ معاصی اصل زنا کے برابر نہ ہوں لیکن چونکہ اکثر لوگ ان کو خفیف سمجھتے ہیں۔ اس حیثیت سے ان میں اشدیت آجاتی ہے۔

(۱۶) فرمایا کہ ایک عالم فرماتے تھے کہ لوگ بزرگوں کی جو اس درجہ کی تعظیم کرتے ہیں جیسے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کرنی چاہئے سو اللہ تعالیٰ اگر معاف بھی کر دیں مگر یہ بات ضرور ہے کہ اُن بزرگوں کو اس میں حق تعالیٰ سے شرمندہ کرنا یا اُن کو بنانا ہے۔(ف) جو شخص بزرگان دین سے ایسا برتاؤ کرتا ہے اگر اُس کو غیرت ہو تو قطع نظر مخالفت شریعت کے غیرت کی حیثیت سے بھی اس کو گوارا نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ کوئی محبّ اپنے محبوب کے اوصاف میں کسی کو شریک کرنا گوارا نہیں کر سکتا اور اس کو غیرت آتی ہے بلکہ وہ تو بعض اوقات اس قول پر عمل کرتا ہے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدم ندہم

(۱۷) فرمایا کہ کمال تو وہ ہے جو مقبولان الٰہی میں پایا جاوے اور نا مقبول اس سے محروم ہوں اور توجہ متعارف مشترک ہے بین المقبولین والمردودین اور مدار اس کا

ایک خاص طریق پر مشق کرنا ہے جس سے قوت نفسانیہ متصرفہ حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اگر نیک نیتی سے ہو تو گو جائز ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ رہا نہیں وہاں تو فقط نصیحت اور مواعظ اور دُعا و شفقت سے کام لیا جاتا تھا۔ (وکفی بھم قدوۃ ۱۲ / جامع) اور بعض اوقات یہ قوت اہل باطل میں بھی بہت ترقی پذیر ہوتی ہے اسی لئے ہر توجہ دینے والے کے پاس بیٹھنا مناسب نہیں جب تک کہ اُس کا متبع سنت ہونا متیقن نہ ہو جاوے بعض اوقات بڑا ضرر ہوتا ہے ایک بزرگ محض امتحان کی غرض سے ایک جوگی کی مجلس توجہ میں شریک ہو گئے اس قدر بُرا اثر ہوا کہ ان کا دل اس کا مذہب قبول کرنے کو بے حد چاہنے لگا اس وقت اگر چہ برا بھلا اُس کو کہہ کر چلے آئے مگر وہ اضطرار باقی رہا حتیٰ کہ عشاء کا وقت ہو گیا بعد نماز درگاہ حق تعالیٰ میں آہ و زاری کی پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت کے استفسار پر اپنا حال عرض کیا فرمایا وہاں کیوں گئے تھے کس نے کہا تھا اور دست مبارک اُن بزرگ کے سینہ پر پھیرا جب بیدار ہوئے وہ واہیات کیفیت زائل ہوئی۔

(۱۸) فرمایا کہ دارالکفر کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو تحت غلبۂ کفار ہو مگر اہل اسلام کو وہاں امن حاصل ہو اور احکام شرعیہ پر وہ وہاں بلا مزاحمت عمل کر سکیں دوسرے وہ جہاں سلطنت کفار کی ہو اور مسلمانوں کو وہاں امن حاصل نہ ہو چنانچہ مکہ معظّمہ سے جب صحابہ نے حبشہ کو ہجرت کی تھی تو حبشہ بھی دارالکفر تھا۔

(۱۸) ایک طالب علم نے سوال کیا کہ حدیث میں جو محاجہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وارد ہوا ہے ایسا جواب تو ہر شخص دے سکتا ہے کہ میری تقدیر میں یوں ہی تھا فرمایا کہ جس فعل کے متعلق محاجہ ہوا تھا دو جہتیں ہیں جن میں ایک مقتضی ہے عدم ملامت کی اور وہ تقدیر الٰہی ہے اور دوسری مقتضی ہے ملامت کی اور وہ اختیار عبد ہے سو جہاں ملامت سے انزجار مقصود نہ ہو محض ملامت ہی مقصود ہو وہاں تو پہلی جہت پر نظر کی جاوے گی اور ملامت نہ کی جاوے گی جیسے سزائے کنیزک کے بعد ''لا تثریب

علیھا " حدیث میں آیا ہے اور جہاں انزجار مقصود ہو وہاں دوسری جہت کے مقتضاء پر عمل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اُس عالم میں ملامت سے انزجار مقصود نہیں پس پہلی جہت کے مقتضاء پر عمل کیا جائے گا یہ معنی ہیں قول علیہ السلام کے "اقتلو منی الخ" اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام غالب آئے اور گو موسیٰ علیہ السلام کو ملامت ہی مقصود تھی مگر براہ تحقیر نہیں بلکہ براہ تعجب عرض کیا گیا کہ اُس عالم میں تو کشف بڑھ جاتا ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیوں ایسی گفتگو کی اور یہ مسئلہ کیونکر مخفی رہا کہ عدم انزجار کے موقع پر ملامت نہ چاہئے فرمایا کہ کشف محیط تو نہیں ہوتا۔

(۱۹) فرمایا کہ طاعون کے متعدی ہونے میں باہم ڈاکٹروں کا اختلاف ہے ایک ڈاکٹر نافی تعدیہ نے اس مرض کے کپڑے نکال کر اپنی کھال میں شگاف دے کر اُس کے اندر رکھ لئے جب بھی اُسے طاعون نہ ہوا۔ علی ہذا ایک بنگالی نے اپنے بیٹے کے کپڑوں کو خوب استعمال کیا اور وہ بیٹا مرض طاعون میں مر چکا تھا جس کا اُس کو سخت صدمہ ہوا تھا چاہا کہ میں بھی مر جاؤں اس لئے بیٹے کے اُن کپڑوں کو جو مرضِ طاعون میں اُس نے استعمال کئے تھے خوب استعمال کیا تا کہ مرض متعدی ہو کر ہلاک کر دے مگر وہ نہ مرا یہ بنگالی ہندو تھا۔

(۲۰) فرمایا یہ کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو ظالموں سے بھاگ کر پوشیدہ ہونا مقصود ہو تو اپنے مقام سے قریب جگہ پوشیدہ ہو اس لئے کہ لوگ دور تلاش کیا کرتے ہیں قریب نہیں تلاش کرتے اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غارِ ثور میں پوشیدہ ہونے سے استدلال فرمایا کہ وہ مکہ سے تین میل پر ہے اور آپ مکہ سے وہاں تشریف لے گئے تھے۔

(۲۱) فرمایا علماء کو سوائے خدمت علمیہ کے کوئی ذریعہ معاش کا اختیار کرنا مناسب نہیں اگر قوت توکل ہو تو احتساباً و الا اجارۃً اسی خدمت کو انجام دیں۔

(۲۲) فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ سے میری عقیدت

اضطراری ہے اور دیگر بزرگوں سے استدلالی۔

(۲۳) **وما علمناه الشعر وما ینبغی** ۔اور نہیں سکھایا ہم نے اُس کو شعر اور نہ مناسب تھا واسطے اُس کی تحقیق میں فرمایا کہ اس جگہ شعر سے مراد عام ہے اُن مضامین خیالیہ کو بھی جن کو شعراء اکثر اپنے اشعار میں بیان کیا کرتے ہیں اور اصطلاح منطق میں اس کو شعر سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور وجہ اس تفسیر کی یہ بیان کی کہ **ان هو ذکر الخ**۔ اس تفسیر کا مقتضی ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر سے مراد کوئی ایسا مضمون ہے جو ذکر اور پند کی شان کے خلاف ہے۔

باقی یہ کہ پھر شعر اصطلاحی کی نفی اس سے کیونکر ہوگی حالانکہ اُس کی نفی مجمع علیہ ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں جو نفی شعر کی علت فرمائی ہے **وما ینبغی له** ۔اس علت سے یہ حکم اُن اشعار اصطلاحیہ کو بھی شامل ہے جو محمود ہوں اس لئے کہ غیر اصطلاحی کو ملکہ ہوتا ہے غیر واقعی کو مؤثر بنانے کا سو آپ اگر شاعر اصطلاحی ہوتے گو آپ کے اشعار محمود ہی ہوتے تب بھی شبہ پڑتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیقۂ شعر گوئی سے قرآن مجید تصنیف کر لیا ہو اور قرآن مجید میں یہ تاثیر اُس شاعری کا اثر ہو اور اس حکم کا نظیر قرآن مجید ہی میں موجود ہے اور وہ یہ آیت ہے: **ما کنت تتلو من کتب ولا تخطه بیمینک اذا لارتاب المبطلون الخ**۔

(۲۴) فرمایا کہ ہمت اور توجہ کی تاثیر کے لئے محل کی قابلیت شرط ہے اور اُس قابلیت کا متمم یہ ہے کہ متاثر کا قصد ہو کہ اُس پر اثر پڑے۔

(۲۵) احقر نے عرض کیا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیزوں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے جن کو آگ سے مس نہ ہوتا تھا اس میں حکمت یہ ہے کہ آگ کے تعلق سے اور اس میں پکانے وغیرہ سے اُس شے کے اندر گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور افطار کے لئے یہ نامناسب ہے اس لئے کہ ایک تو روزہ کی گرمی پھر اس کھانے کی گرمی ہاں افطار کے بعد چونکہ گرمی کلاً یا بعضاً جاتی

رہے گی پھر آگ کا پختہ کھانا نا مناسب نہ ہوگا فرمایا کہ یہ وجہ عمدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں وہی وجہ ہو جو کہ وضوء عن طعام مستہ النار میں ہے تامل۔

(۲۶) نسخ کلام فی الصلوٰۃ ﴿نماز میں بات کرنے کے حکم کا منسوخ ہونا﴾ کے باب میں فرمایا کہ اجماع ہے نماز میں کلام کرنے سے فساد صلوٰۃ پر اب رہا یہ کہ کوئی خاص نوع کلام کی اس حکم سے مستثنیٰ ہے یا نہیں سو اس دعوے استثناء کے لئے دلیل کی حاجت ہے سو خصم سے مطالبہ کیا جائے اور اس پر منع وارد کیا جاوے۔

رہی حدیث ذوالیدین رضی اللہ عنہ سو اگر بعد نسخ بھی ہو تب بھی اس تقریر کو مضر نہیں کیونکہ یہ خصوصیت ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ سے کلام کرنا مثل کلام مع اللہ تعالیٰ مبطل صلوٰۃ نہ تھا علیٰ ہٰذا آپ کا کلام کرنا بھی کہ آپ کیلئے مثل خصائص بے شمار کے اس کا بھی خاص ہونا کچھ بھی بعید نہیں۔

(۲۷) میں نے عرض کیا کہ صحاح ستہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ کے نزول کے بعد ہم کو کلام فی الصلوٰۃ سے منع کیا گیا اور حدیث صحیح مرفوع میں جس کو ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں قنوت سے ہر جگہ مراد اطاعت ہے سو وجہ تطبیق کیا ہے آیا نزول آیت کو اس نسخ میں دخل مانا جاوے جو موقوف ہے تفسیر قنوت بالسکوت پر اور اس تفسیر اور حدیث ابن حبان میں تطبیق کی کوئی صورت بیان کی جاوے یا اس کو دخل نہ مانا جاوے فرمایا ذوق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر دخل تو ہے جیسا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ظاہراً اس پر دال ہے "فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام" اور یہ موقوف حکماً مرفوع ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت ہی کے سبب منع کیا اس طرح سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم تکلم فی الصلوٰۃ کو بھی افراد اطاعت میں شامل کیا کہ اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہ ہے کہ کلام بھی نہ ہو محض توجہ الی اللہ تعالیٰ ہو تامل۔

(۲۸) فرمایا کہ اکثر عُرف اور محاورات سب مُلکوں کے یکساں ہوتے ہیں۔

(۲۹) فرمایا کہ خواجہ نجم الدین قدس سرہٗ کا لقب بوجہ اُن کے مناظر عالم ہونے کے "الطامۃ الکبریٰ" (بڑی قیامت) تھا پھر مختصر ہو کر کبریٰ رہ گیا۔

(۳۰) فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کونوا ھودا او نصریٰ (ہو جاؤ تم یہودی یا نصرانی ۱۲۔) کی ایک تفسیر نہایت لطیف یہ فرماتے تھے کہ یہود و نصاریٰ سب مل کر یہ کہتے تھے کہ مذہب قدیم تو دو ہی ہیں یہودیت اور نصرانیت سو اگر اپنا پہلا مذہب بدلنا ہی ہے تو ان میں سے کسی کو اختیار کر لے اسلام محض جدید مذہب ہے اس لئے قابل اختیار نہیں جیسے کہ کوئی ہندو عیسائی ہو جاتا تو ہندویوں کہتے کہ مذہب تو دو ہیں ہندو یا مسلمان اگر ہندو مذہب چھوڑنا تھا تو مسلمان ہی ہو گیا ہوتا یہ عیسائیت کہاں سے آئی حضرت مولانا کو سلیقہ لسانی اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا۔

(۳۱) فرمایا کہ نسبت باطنی جو صوفیہ کی مصطلح ہے وہ تعلق مع اللہ کا نام ہے اور اُس کی فرد مطلوب وہ ہے کہ مع اطاعت احکام شرعیہ ہو جس شخص کو یہ حاصل ہو جاتی ہے اُس کو معصیت میں بڑا رنج ہوتا ہے اور لذت معصیت بڑی مکدر ہو جاتی ہے اور بعد فراغت تو نہایت ندامت ہوتی ہے جو دیگر عصاۃ کو نہیں ہوتی اور اسی کا یہ اثر ہے کہ ایسے شخص سے عادۃً معصیت کا صدور بکثرت نہیں ہوتا گو اتفاقاً ہو جاتا ہے۔

(ف) بعضوں سے معصیت عمر بھر نہیں صادر ہوتی وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء چنانچہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کا قصہ قرۃ العیون میں ہے کہ شہادت کے قریب اُنہوں نے فرمایا تھا کہ جب سے اسلام لایا ہوں مجھ سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ جامع

(۳۲) فرمایا کہ تعویذ کو اکثر عوام مؤثر مستقل جانتے ہیں اسی وجہ سے مجھے تعویذ کرنے سے بڑی کراہت ہے اور دُعا کے ساتھ لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے اور مجھ پر توحید کا مذاق غالب ہے کہ دُعا کو تعویذ پر ترجیح دیتا ہوں۔

(۳۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا تھا جس سے بلا التباس اصلی طریقہ سلوک کا ظاہر ہو گیا اور بحمد اللہ تعالیٰ مجھے سلوک کے

طرق بلا التباس واضح ہیں اور اس فن کے سہل سہل طریقے حق تعالیٰ نے القاء فرمائے ہیں۔

(۳۴) فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ ذکر محض رضاء الٰہی کے لئے کیا جاوے اور ترتب ثمرات و حالات کی اس میں نیت نہ ہو البتہ ثمرات میں جو مقصود ہیں اُن کے لئے مستقلاً دُعا کی جاوے باقی ذکر محض امتثالاً للامر تعمیل اور اداءً لحقہ تعالیٰ کیا جاوے۔

(۳۵) فرمایا کہ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ مشہور تو ہے ''ولی راولی می شناسد'' مگر حقیقت میں ''ولی رانبی می شناسد'' چھوٹے کا حال بڑا خوب پہچانتا ہے مساوی درجہ کا شخص نہیں پہچان سکتا اور پھر فرمایا کہ اپنے سے بڑے کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔

(ف) مطلب یہ ہے کہ گو ولی کو ولی بوجہ اتحاد جنسیت فی الجملہ پہچانتا ہے لیکن پورے طور پر اُس کے حال پر عبور نہیں کر سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے اور اپنے سے بڑے کا حال معلوم نہ کر سکنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر اُس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا دیکھے جو بظاہر ظناً مذموم معلوم ہوتا ہو تو سکوت کرے اور باقتضائے حُسنِ ظن اُس کو ماول کرلے اور اس کا راز دریافت کرنا غیر محقق کو بالکل نامناسب ہے بعضے لوگ مشائخ سے گفتگو کرنے میں باوجود محقق نہ ہونے کے بہت دلیر ہوتے ہیں اور خود اُن کے افعال کی تحقیق اور وہ بھی اُن ہی سے کرنے لگتے ہیں اور جب وہ اہل تحقیق نہیں تو وہ راز سمجھ میں آنا دُشوار ہوتا ہے پس گفتگو بڑھتی ہے یہ سخت بے ادبی ہے کیا بزرگوں کا اخلاق سے پیش آنا ہر اہل و نااہل سے اسی اَمر کو مقتضی ہے کہ اُن کو خوب تنگ کیا جاوے خصوصاً مریدوں کو تو بہت ہی احتیاط لازم ہے گو پیر کیسے ہی خوش اخلاق ہوں۔

"الا من کان محققا و مرضیا عنده منهم فیستفسر عنه بالتادب تامل و قد وقع هذاالامر الغیر المحمود ههنا من بعض مریدی شیخنا مدظلهم العالی فلذا نَبَّهْتُ علیه."

''مگر جو کہ محقق ہو اور مریدوں میں سے پیر کے نزدیک بھی پسندیدہ ہو تو وہ اُس سے ادب سے پوچھ لے غور کر۔ اور یہ اَمر غیر محمود یہاں ہمارے شیخ کے بعض

مریدوں سے واقع ہوا تھا پس اس لئے میں نے اس پر تنبیہ کر دی۔"

(۳۶) حضرت والا نے دربارہ جواز وکالت چند اہل علم سے جو یہاں موجود تھے مشورہ فرمایا بعد قیل وقال یہ اَمر قرار پایا کہ اصل وکالت جائز ہے کہ وہ طاعت مختص بالمسلم نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور اُجرت لینا فقہاء نے طاعت مختص بالمسلم پر حرام لکھا ہے اور یہ حکم نفسِ وکالت کا ہے قطع نظر عوارض کے مثلاً اگر وکالت میں جھوٹ بولے اور کسی کی حق تلفی کرے تو ایسی وکالت جائز نہیں اور پھر فرمایا کہ طاعت مختص بالمسلم کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے مراد طاعت محضہ ہے ورنہ طاعات لغیرہ تو مخصوص بالمسلم نہیں۔

(۳۷) فرمایا کہ جو حضرات خود ذکر نہیں کرتے اُن سے مستفیدین کو اُن کی وجہ سے بہت کم نفع ہوتا ہے بلکہ مستفیدین کو اپنے حُسن ظن کی وجہ سے ایسے حضرات کے ساتھ زیادہ نفع ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ جو شیخ خود عمل نہ کرے اس کی تعلیم میں برکت بہت کم ہوتی ہے۔

(۳۸) فرمایا کہ میں جب کہیں سفر میں جاتا ہوں تو اگر اُس شہر میں وعظ کہوں تب تو وہاں کھانا کھاتے شرم نہیں آتی گو یہ مبادلہ نہیں ہوتا ورنہ بہت شرم معلوم ہوتی ہے۔ (ف) یہ ایک حالت محمودہ ہے بعضوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اُن کو حق تعالیٰ کی دی ہوئی روزی کھانے سے بھی بغیر عبادت وغیرہ دینی کام لئے شرم معلوم ہوتی ہے یا اس کی یہ وجہ ہو کہ جس شخص نے اطعام کا احسان کیا اس صورت میں اُس کے ساتھ کچھ احسان نہ ہوا۔

(۳۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کسی اپنے مرید کو یوں نہیں فرماتے تھے کہ فلاں ہمارے مرید ہیں بلکہ یوں فرماتے تھے کہ فلاں ہمارے دوست ہیں۔

(ف): حضرت والا کی بھی یہی مبارک عادت ہے۔

(۴۰) حضرت والا نے ایک پرچہ جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے عنایت فرمایا کہ اس کو ملفوظات میں لکھ لینا۔

چار نکاح سے متجاوز نہ ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عورت کا فی نفسہٖ حق

قضاء وطر بھی اور نکاح کی جو اصلی مصلحت ہے یعنی ابتغاء ولد جو موقوف ہے احبال پر وہ بھی مقتضی اس کو ہے کہ کم از کم ہر طہر میں ایک بار ہم بستری ہو جایا کرے اور صحیح المزاج عورت کو ہر ماہ میں ایک بار حیض ہو کر طہر ہوتا ہے یہ اُمر تو باعتبار حالت عورت کے ہے اور متوسط قوت کا مرد ایک ہفتہ میں ایک بار صحبت کرنے سے صحت کو محفوظ رکھ سکتا ہے یعنی ایک ماہ میں چار بار قربت کر سکتا ہے پس اس طرح سے اگر چار عورتیں ہوں گی تو ہر عورت سے ایک طہر میں ایک بار صحبت ہوگی جس میں تمام مصالح متعلقہ جانبین کی رعایت ملحوظ رہے گی اور اس سے زیادہ منکوحات میں یا تو مرد پر زیادہ تعب ہو کر اُس میں قوت تولید کی نہ رہے گی اور یا عورت کا حق ادا نہ ہوگا اور چونکہ قانون عام ہوتا ہے اس لئے کسی خاص مرد کا زیادہ قوی ہونا اس حکمت میں مخل نہیں ہو سکتا البتہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ قوت بھی زیادہ تھی اور آپ کو قوانین عامہ سے ممتاز کر کے بہت سی خصوصیات بھی عطا کی گئی ہیں اس لئے اس حکم میں بھی آپ کو ایک خاص امتیاز عطا فرمایا گیا۔

(۴۱) میں نے عرض کیا کہ در بارہ نجات اہل فترت کوئی تحریر محقق کہیں نظر مبارک سے گذری ہو تو ارشاد فرمائی جاوے فرمایا کہ اس کا تو خیال نہیں مگر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات ہوگی اُن اُمور میں جو مدرک بالعقل نہیں لقولہ تعالیٰ ما کنا معذبین الخ اور جو اُمور مدرک بالعقل ہیں اُن کی رسول عقل ہے پھر میں نے عرض کیا کہ توحید مدرک بالعقل ہے یا نہیں فرمایا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عقول عالیہ سے تو توحید مدرک ہوتی ہے اور دیگر عقول سے نہیں۔

(۴۲) ایک شخص جو یہاں آئے تھے اور کئی روز تک اپنے آنے کی وجہ نہیں ظاہر کی اور جب دریافت کیا گیا تو ہنس ہنس کر جواب دینا شروع کیا تو حضرت نے فرمایا کہ معاملہ کی بات میں ہنسنا بے تہذیبی ہے جس سے بات کی جاتی ہے اس کو رنج ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری بات کی اس نے کچھ وقعت نہیں کی اور میرے ساتھ استہزاء کرتا ہے۔

(۴۳) فرمایا کہ میرے یہاں زیادہ تعلیم انتظام اور استغناء کی ہے کہ انسان

کے سب کام با موقع ہوں اور مخلوق سے بالکل طمع نہ ہو۔

(ف) ظاہر ہے کہ یہ اُمور کس قدر ضروری ہیں بعض مشائخ کے دربار میں ان اُمور کی طرف سے اس زمانہ میں بہت کم توجہ ہے۔

(۴۴) ایک شخص نے جو ایک رئیس کے کارندہ تھے دریافت کیا کہ مجھے کاشتکاروں نے کچھ رقم دی اور یہ کہا کہ ہم نے تم سے راحت حاصل کی ہے اس وجہ سے خوشی سے یہ عطیہ پیش کرتے ہیں اور میں نے اُن سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میں امسال ان رئیس صاحب کی نوکری چھوڑ دوں گا لہٰذا آئندہ ان کو مجھ سے کچھ اُمید رعایت وغیرہ نہ تھی آیا اس صورت میں لینا جائز ہے یا نہیں فرمایا جائز ہے اُنہوں نے شبہ پیش کیا کہ آخر یہ عطیہ دیا تو انہوں نے اسی وجہ سے کہ پیشتر میں نے بوجہ کارندگری کے راحت پہنچائی فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس عطاء کا سبب قریب تو محبت ہے گو محبت کا سبب راحت رسانی بہ حیثیت منصب کے ہو جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ ہدیہ محبت کے سبب دیتے گو وہ محبت نبوت کی وجہ سے تھی مگر سبب ہدیہ کا نبوت نہ تھی۔

(۴۵) فرمایا کہ اکثر مشائخ سابقین فقط دوازدہ تسبیح کا ذکر کرتے تھے لیکن اپنے قلب کی نگرانی اعلیٰ درجہ کی فرماتے تھے ان ریاضتوں سے اس کمال کو پہنچے۔

(ف) مطلب یہ نہیں کہ اتنا ہی کیا کرے یہ تو شیخ کی رائے پر ہے مقصود یہ ہے کہ مجاہدہ قلیلہ بھی اگر بشرائط ہو بہت نافع ہوتا ہے۔

(۴۶) فرمایا حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے مرید عموماً مخلص وفہیم ہیں۔

(۴۷) فرمایا کہ سب لوگوں پر نعمائے الٰہیہ بہ نسبت مصائب کے زیادہ ہوتی ہیں لیکن غفلت سے اندازہ نہیں ہوتا۔

(۴۸) فرمایا کہ ایک درویش سے میں نے کہا کہ اہل علم کو اذکار واشغال سے بہت جلد نفع ہوتا ہے اور اُن کو مجاہدہ کی زیادہ حاجت نہیں ہوتی فرمایا مجاہدہ کہ اصطلاحی اور عرفی مجاہدہ ہی میں منحصر نہیں بلکہ وہ تحصیل علوم میں جو مشقت اُٹھاتے ہیں وہ بھی

مجاہدہ ہے اور اسی وجہ سے عرفی مجاہدہ کی ان حضرات کو کم حاجت ہوتی ہے۔

(۴۹) فرمایا کہ ایک نوعمر طالب علم پر عجیب عجیب حالات وجدیہ طاری ہوئے چونکہ میں تصرفات میں مشاق نہیں ہوں اس لئے میں نے ایک اور درویش صاحب تصرف سے کہا کہ آپ اس حالت کی کسی صورت سے اس طرح مدافعت کردیں کہ یہ ہوش میں آجاویں اور ان کے حواس درست ہوجاویں چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اُن طالب علم نے رات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں اس درویش سے کہہ دو کہ تو درویشی کا دعویٰ کرتا ہے اور ایسی محمودہ حالت کو تو دفع کرتا ہے اب کبھی ایسا نہ کرنا اور اُس طالب علم سے یہ بھی فرمایا کہ تم خود کسی سے بیعت ہوجاؤ میں نے کہا کس سے ہوں فرمایا کہ جس سے زیادہ محبت ہو مولانا نے فرمایا کہ اُن کو مجھ سے زیادہ محبت تھی پس وہ مجھ سے بیعت ہوگئے اور میں تو مشاق بھی نہ تھا مگر بیعت کے لئے مجھ ہی سے اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ان کی مشق کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کی معلوم ہوا کہ منظور نظر حضور کے یہ اُمور نہیں ہیں۔

(۵۰) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حدیث سے جتنا زیادہ بعید معلوم ہوتا ہو وہاں پر سمجھ لو کہ امام صاحب کے پاس بڑی قوی دلیل ہے گو ہمارے فہم میں نہ آوے۔

قال الجامع اکثری لا کلی تامل

(۵۱) فرمایا کہ عقائد کے بیان کرنے میں زیادہ تفصیل عوام کو مضر ہے اُن میں اجمال اسلم ہے اور مسائل واحکام کے بیان کرنے میں اس کا عکس ہے۔

(۵۲) فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی اس کا ظاہر مراد نہیں کہ وہ خلاف مشاہدہ ہے معنی یہ ہیں کہ اس کے استعمال سے جس قدر ضرر یعنی گناہ ہوتا ہے وہ اس کے نفع کے مقابلہ میں محض لاشے ہے مثلاً کسی کو ایک پیسہ حرام کا مل جاوے اور دس روپیہ فوت ہوجاویں۔ تو وہ پیسہ ملنا کس شمار میں ہوگا۔

(۵۳) فرمایا کہ نماز ظہر میں یہ سمجھ میں آیا کہ یہ جو سنا جاتا تھا کہ تمام سکوں کے عوض نیا سکہ کاغذ کا جاری ہونے والا ہے سو اگر اس کا وقوع بھی ہو جاتا تو اُس کے ذریعہ سے زکوٰۃ امام صاحب کے مذہب پر اس طرح ادا ہو سکتی ہے کہ مثلاً اس کے عوض گیہوں لے کر زکوٰۃ میں دے دیئے جاویں اور کسی دوسرے امام کے مذہب پر اس سے زکوٰۃ ادا ہونے کی کوئی صورت نہیں اس لئے کہ اور حضرات زکوٰۃ میں یہ شرط فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ خاص اس مال کی جنس سے دی جاوے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے تب تو ادا ہوگی ورنہ گیہوں وغیرہ اس سے ادا نہیں ہوگی اور اس میں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب کسی کے پاس روپیہ نہ رہتا تو زکوٰۃ کیسے واجب ہوتی بات یہ ہے کہ اس اجزاء سکہ میں گورنمنٹ قرض دار ہوتی اور قرض میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے خوب سمجھ لو۔

(۵۴) میں نے عرض کیا کہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام خیر اُمم اس اعتبار سے ہے کہ اس امت کے خواص اور اُمم کے خواص سے اور عوام اس اُمت کے اور اُمتوں کے عوام سے افضل ہیں یا مطلقاً اس امت کو فضل ہے حالانکہ ظاہر اوّل ہے فرمایا کہ اوّل ہی ظاہر ہے اور اس اُمت کو مجموعی حیثیت سے اور اُمتوں کی مجموعی حیثیت پر فضل حاصل ہے نہ کہ اس امت کے ہر فرد کو دوسری اُمتوں کے ہر فرد پر تامل **فانه مفيدٌ جدًا**۔

(۵۵) فرمایا کہ میرے پاس جو خطوط آتے ہیں اُن ہی کے لفافہ کو لوٹ کر اور پتہ لکھ کر جواب لکھ دیتا ہوں لیکن بعضے لوگوں کو نیا لفافہ بھیجتا ہوں جہاں بدنامی کا خوف ہوتا ہے کہ وہ لوگ خسیس کہیں گے اہل دنیا کی نظر میں اُمور مباحہ میں ذلیل ہونے کو دل گوارا نہیں کرتا "**قال الجامع ان ما وقى المرء به عرضه صدقة كما وردا و نحوهٗ فى الحديث**۔"

(۵۶) ایک عالم بنگالی آئے اور اُن کا قصد حضرت سے بیعت کا تھا اور وہ تکلف کی ٹوپی اوڑھے تھے اور انگریزی وضع کی صدری پہنے تھے فرمایا کہ آپ پر علم کا اثر

نہیں ہوا اس ٹوپی کو اوڑھ کر میرے سامنے نہ آنا اور صدری کو آپ نے باوجود میرے اعتراض کے بھی کہ اس کے قبل کر چکا ہوں نہیں اُتاری چنانچہ دونوں چیزوں کو انہوں نے علیحدہ کیا فرمایا کہ اہل علم کو سادے وضع علم ہی کی زیب دیتی ہے اور جس کی نظر طلب حق اور کمالات پر ہوگی اس کو زینت میں مبالغہ کی کہاں فرصت ہوگی پھر ایک رئیس کا مقولہ بیان کیا کہ وہ کہتے تھے کہ جس سے عقیدت ہو اُس کے لباس سے بڑھ کر لباس پہن کر اُس کے پاس جانا بے ادبی ہے اور پھر اس قول کی تحسین کی۔

(۵۷) فرمایا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق اَمر سلطان کو اکراہ میں داخل فرمایا ہے اور میری سمجھ میں اس کی یہ دلیل آئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ساحران حضرت موسیٰ کا قول نقل کیا ہے" لیغفرلنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ من السحر "حالانکہ فرعون نے فقط ان کو اَمر کیا تھا نہ کہ اکراہ اور پھر بھی آیت میں اس کو اکراہ فرمایا ہے۔

(ف) تامل فانہ نفیس جدًا قالہ الجامع عفی عنہ۔

(۵۸) ایک استفتاء آیا تھا جس کی نقل مع جواب از آنجناب مندرجہ ذیل ہے بیان القرآن میں اکثر مواقع پر حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعض جگہ یوں لکھا ہے کہ خدا تم کو سخت سزا دے گا کہیں پر جمع ہے کہیں واحد ایک صاحب تو مطلق جمع لکھنے پر سخت معترض ہوئے میں نے حوالہ دے دیا جس کی تحریر ہے دریافت کر لو باقی اس میں مجھے بھی شبہ ہے کہ بعض مواقع پر واحد اور بعض موقع پر جمع کیوں استعمال ہوا ہے۔

جواب: کہیں توحید کا غلبہ ہوا کہیں تعظیم کا جیسے یہی دو رعایتیں خود قرآن مجید میں ہیں۔

"قولہ تعالیٰ ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا"

ترجمہ: "اے رب ہمارے دیکھا ہم نے اور سنا ہم نے پس لوٹا دے ہمیں۔"

"وقولہ تعالیٰ قال رب ارجعون"

ترجمہ: "اے رب میرے واپس کر دے مجھے۔"

"وقولہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت

علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

ترجمہ: "آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو اور پورا کر دیا تم پر اپنی نعمت کو اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

" وقولہ تعالیٰ وواعدنا موسیٰ ثلاثین لیلۃ واتممنا ھا بعشر الآیہ"

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور پورا کیا ہم نے اُن کو دس سے۔"

(۵۹) فرمایا کہ طالب کے قلب میں جب طلب ہوتی ہے اُس وقت معلم کے دل میں اس طلب کی کشش کا اثر ہوتا ہے اور وہ اُس کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۶۰) فرمایا کہ میرے خسر صاحب ایک فہیم شخص تھے حالانکہ علم ان کو زیادہ نہ تھا اُن کو جب بچے بلا غرض سلام کرتے تو فرماتے کہ یہ بچے مجھ سے محبت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں مردود از حضرت خداوندی نہیں ہوں پھر حضرت نے فرمایا کہ یہ بات مجھے پسند آئی اس لئے کہ جب بلا غرض و بلا طمع بچے محبت کریں اور اُن کا قلب اکثر رذائل سے پاک ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ شخص مردود ہوتا تو اُن کے قلوب صافیہ بھی اس کو رد کرتے۔

(۶۱) فرمایا کہ آج کل اہل علم اُمراء کی بہت خاطر کرتے ہیں جس سے اُن کی نظر میں ذلیل ہوتے ہیں اور چند مدارس کا نام لیا جن سے حضرت قبلہ کا تعلق ہے اور فرمایا کہ میں نے وہاں یہ شرط کر لی ہے کہ کسی امیر کی جب مدرسہ میں آمد ہو تو مجھے ایسے حال میں مدعو نہ کیا جاوے نیز یہ بھی شرط کر لی ہے کہ مجھ سے کوئی مشورہ زبانی نہ لیا جاوے بلکہ تحریراً جو اُمر دریافت کرنا ہو دریافت کر لیا جاوے اس لئے کہ زبانی مشورہ دینے میں اپنے اظہار رائے میں بعض دفعہ موقع پر لحاظ و شرم لاحق ہوتا ہے اور فرمایا کہ لوگ میرے قواعد کی میرے بعد قدر کریں گے اب تو معاصرت کی وجہ سے لوگ میرے قوانین کی وقعت نہیں کرتے۔

(۶۲) فرمایا کہ عورتوں کا احسان لینا باوجود قدرت کے سخت بے ہمتی کی بات ہے میرے گھر میں کا مہر پانچ ہزار روپیہ تھا اور اُنہوں نے معاف بھی کر دیا تھا مگر میں نے یہ کل روپیہ اُن کو باقتضائے ۔

هل جزاء الاحسان الا الاحسان

نہیں ہے بدلہ بھلائی کا مگر بھلائی۔

دے دیا اور اُس سے وہ مکان بنا ہے جو اَب چھ ہزار کی قیمت کا ہے پھر چونکہ میں اس مکان میں رہتا ہوں اس لئے اس کا کرایہ سمجھ کر پانچ سو روپیہ مدت سکنی کا تخمینہ کر کے اور دے دیئے اور گھر میں دل شکنی کی وجہ سے کرایہ کا حال ظاہر نہیں کیا۔ عورت ایک ضعیف مخلوق ہے اور مرد قوی ہے لہٰذا مناسب نہیں کہ باوجود اقتدار ضعیف کا احسان لے اور اگر ایسا ہو کہ عورتیں غایت محبت سے کوئی غیر واجب خدمت بھی کریں تو اس کی مکافات کر دینی چاہئے۔

(ف) فی الواقع حضرت والا کا عمل بالسنۃ ہے اور آپ اسلامی قوانین کے حکیم ہیں جو آپ کی صحبت میں بہ نظر اصلاح نفس رہے تو حکیم مسلم اور فقیہ النفس اور منتظم کامل ہو سکتا ہے نبوت اور اسلامی تمدن کے قوانین پر آپ کا عمل ہے۔

(۶۳) ایک خط ﴿ان صاحب کا ایک خط پھر آیا تھا جس کا جواب مع اصل سوال آئندہ درج کیا جاتا ہے۔۱۲﴾ آیا تھا جو مع جواب اَز آنحضرت والا مندرجہ ذیل ہے۔ حضرت مولانا خدا آپ کو خوش وخرم اور ہمیشہ مسلمانوں کے سر پر قائم رکھے میں عرصۂ دراز سے ایک مصیبت میں مبتلا ہوں اگر آنجناب اس سے نجات کی ترکیب بتلا دیویں گے تو بے حد ممنونیت کا باعث ہوگا وہ مصیبت ایک وسوسہ ہے جو اکثر دل میں آجاتا ہے ہر چند اسے دل سے نکالنے کی کوشش کرتا ہوں مگر وہ نکلتا نہیں اس لئے آپ سے عرض ہے کہ برائے خدا و رسول اس کا تحقیقی جواب فرمایا جاوے۔ وہ وسوسہ یہ ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام اہل اسلام آخر کار بہشت میں جا کر طرح طرح کے آرام اُٹھائیں گے اور غیر

مسلموں کو عذاب دردناک کا سامنا ہوگا مگر یہ سمجھ میں آتا کہ اہل اسلام کونسا ایسا کام کرتے ہیں جو غیر اسلام نہیں کرتے جس کے نہ کرنے سے مؤخر الذکر اس قدر رحمت خداوندی سے دور ہو گئے۔ ہاں اہل اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ضرور تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس سے اُن کی روح میں کونسی صفائی اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ شبہ اُس وقت اور قوی ہو جاتا ہے جبکہ ہم بہت سے مسلمانوں کو دین سے بالکل بے خبر اور دنیا کی خاطر ہمہ تن زور دفریب میں مستغرق دیکھتے ہیں اور بہت سے غیر مسلمان کو دیکھتے ہیں کہ محبت خداوندی میں ڈوبے ہوئے ہیں نیک کام کرتے ہیں اور برے کاموں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور اگر آیات واحادیث رحمت کو پیش نظر رکھا جاوے تو اور بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر خدا بہشت کو مسلمانوں سے مخصوص کردے گا اور اپنے کروہا دوسرے بندوں کو (جن کی تعداد مسلمانوں سے ہر زمانہ میں کئی چند رہی ہے) ہمیشہ سخت سے سخت مصیبت میں مبتلا رکھے گا۔ حضرت من اس وسوسہ نے مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ اس کا تحقیقی جواب مطلوب ہے۔ ایسے جوابوں سے تسلی نہ ہوگی کہ ان وسوسوں کو دل سے نکالنے کی کوشش کرو یا اگر احادیث رحمت کو دیکھا ہے تو احادیث غضب بھی ملاحظہ کرو یا یہ خدا کے بھید ہیں ان کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا کیونکہ ان جوابوں پر اور بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں جواب سے وہ جو کچھ بھی ہو ضرور مطلع فرمائے گا۔ پتہ لفافہ پر انگریزی زبان میں لکھا ہے اُردو میں لکھنے کی ضرورت نہیں۔

جواب یہ ہے۔ السلام علیکم۔ ایک شخص سوال کرتا ہے کہ جو لوگ گورنمنٹ سے بغاوت کرتے ہیں اُن میں بہ کثرت ایسے ایسے لائق فائق لوگ ہیں کہ اہل اطاعت میں اُن کا عشر عشیر بھی نہیں بلکہ بہت سے اہل اطاعت بڑے بڑے جرائم کرتے ہیں مگر باوجود اس کے اہل بغاوت جب ہاتھ آتے ہیں اُن کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے اور اہل اطاعت کو ایسی سزا نہیں دی جاتی اگر کبھی سزا ہوتی

ہے تو ایک میعاد پر اُس سزا کو ختم کر دیا جاتا ہے تو اس کی کیا وجہ جو جواب اس سوال کا ہے وہی آپ کے وسوسہ کا باقی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ماننا بغاوت ہے یا نہیں تو یہ ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ حکم فرمادیں کہ ان کو نبی مانو اور ایک شخص کہے کہ میں نبی نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے سرتابی کرنا اور خدا کو جھوٹا ماننا اور اس میں خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا بغاوت ہی یا نہیں۔ میں نے بوجہ اس کے کہ آپ نے اپنے کو چھپانا چاہا آپ کا پتہ انگریزی کسی سے نہیں پڑھوایا جو لفافہ پر تھا۔

(۶۴) اس مسئلہ میں کہ طلوع شمس اثنائے نماز فجر میں عند الحنفیہ مفسد صلوٰۃ فجر ہے تقریر ذیل تحریر فرما کر احقر کو نقل کے لئے عنایت فرمائی تھی جو مندرجہ ذیل ہے:

"اعلم ان العلماء اختلفوا فی ما اذا طلعت الشمس فی صلوٰۃ العصر هل تصح الصلوة او تفسد فقال الشافعی و من وافقه تصح فیهما و قال الطحاوی تفسد فیهما وقال امامنا ابو حنیفة تفسد فی الفجر و تصح فی العصر و مبنی هٰذاالاختلاف اختلافهم فی توجیه الروایات التی وردت فی هٰذاالباب ولنسرد اوّلاً تلک الروایات ثم نذکر التوجیهات فروی الشیخان من حدیث ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر و فی لفظ للبخاری اذا ادرک احدکم سجدة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلاته و اذا ادرک سجدة من صلوٰة الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلاتهٗ زیلعی ص ۱۱۹، ج ۱، و روی نحو ذلک فی فتح الباری ج ۲ ، و فی کنز العمال ج۴، فعل الشافعی ومن معه بظاهر احادیث الاتمام و حمل احادیث النهی علی تاثیم متحری هذه

الاوقات مع القول بصحة الصلٰوة والطحاوی قال بالفساد فیهما عملا بظاهر احادیث النهی علی الابطال واول حدیث الادراک بایجاب الصلٰوة علی من اسلم فی اٰخر الوقت او بلغ الحلم فیه اوامراء ة طهرت فی الحیض فیه و اَوّل باقی احادیث الاتمام بکونها منسوخة باحادیث النهی و اما نحن معاشر الحنفیة فتوجیهنا الذی ادی الیه نظری و ان کان ماخوذا من کلام من تقدمنا ان یقال ان روایات الاتمام والادراک تقتضی صحة الصلٰوة فیهما و احادیث النهی یحتمل امرین اما تاثیم المصلی فیهما مع صحة الصلٰوة و اما بطلان الصلٰوة فیهما کما قال به الطحاوی فان النهی الشرعی یستعمل فی کلا المعنیین مثال الاوّل النهی عن الصلٰوة مقعیا او متخصر او مثال الثانی النهی عن الصلٰوة بغیر طهور و ان خالجک قول الاصولیین ان النهی عن الافعال الشرعیة یقتضی مشروعیة الاصل مع فساد الوصف فاکثری لاکلی والا لانتقض بکثیر من المسائل و ان رابک ان النهی فی الصلٰوة بغیر طهور قد وقع بصیغة النفی فاقتضی البطلان بخلاف النهی عن الصلٰوة فی الاوقات المکروهة فلم یوجد ما یقتضی البطلان فازحه بورود هذا النهی ایضاً بصیغة النفی فی بعض الروایات کما روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا صلوة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتی تغیب الشمس. (مشکوة الصاری ص٨٦، ج ١)

و روی مسلم عن عبداللّٰه الصنابحی فی صلٰوة العصر قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا صلٰوة بعدَهَا حتی تطلع الشاهد

(مشکوٰۃ جلد ۱، ص۸۷) و روی رزین عن ابی ذر قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ بعدالصبح حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس (مشکوٰۃ ج۱، ص۸۷) فلما احتمل النھی الامرین ینظر ان الاحتیاط فی ای الامرین والصلوۃ محل احتیاط بلیغ فظاھران الاحتیاط فی الحمل علی البطلان لان القضاء اذن یکون فرضھا بخلاف احتمال الکراھۃ فحملنا علی البطلان ای بطلان الفریضۃ لابطلان نفس الصلوۃ لان المقتضی للبطلان کان الاحتیاط والاحتیاط محفوظ مع القول بصحۃ النفل فبھذا الوجہ قد جاء التعارض بین الحادیث النھی و ینبغی ان یکون ھذا ھو التفسیر لقول علمائنا لوقوع التعارض بین قسمی الروایات فلما وقع التعارض رجعنا الی القیاس کما ھو حکم التعارض و لیس معنی ھذاالرجوع ترک الاحادیث والعمل بالقیاس بل معناہ ترجیح بعض محتملات الاحادیث بالقیاس ثم العمل بہ من حیث انہ حکم الحدیث لا من حیث انہ حکم القیاس فافھم فلما رجعنا الی القیاس حکم القیاس بترجیح توجیہ یقتضی البطلان فی احادیث الفجر و بترجیح توجیہ یقتضی الصحۃ فی احادیث العصر فعملنا فی الفجر باحادیث البطلان واولنا احادیث الاتمام وعملنا فی العصر بالعکس فحکمنا ببطلان الصلوۃ فی الفجر باحادیث البطلان واولنا احادیث الاتمام وعملنا فی العصر بالعکس فحکمنا ببطلان الصلوۃ فی الفجر و بصحتھا فی العصر فلم یفت منا عمل بشیءٔ من الاحادیث بالظاھر فی بعضھا و بالماول فی بعضھا والآن بقی امران الاوّل ما وجہ القیاس فی الصلاتین والثانی ماالتاویل فی الاحادیث بیان الاوّل ان الفجر وقت

الشروع قبل طلوع الشمس وجب كاملا لكمال السبب و هو الوقت وبالطلوع صار الوقت ناقصا وصارت الصلٰوة ناقصة فلا يتادى الكامل بالناقص ففسدت والعصر وقت الشروع قبل الغروب وجب ناقصا لنقصان الوقت فاداه كما وجب فلم تفسد هٰذا و بيان الثاني ان معنى قوله عليه السلام فقد ادرک ما قاله الطحاوى و معنى فليتم انه لا يبطل التحريمة بل يمضى فى الصلٰوة لانه ان لم يتاد فرضًا فقد صحت نفلا كما في الدرالمختار كما هو الحكم فى الحج الفاسد و معنى فلم يفت صلٰوته لم يفت وقت صلو ته بل كان مدركا للوقت فيكون حاصل معناه هو معنى فقد ادرک.

ترجمہ: ''جاننا چاہئے کہ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب صبح کی نماز میں آفتاب طلوع ہو جاوے یا عصر کی نماز میں غروب ہو جاوے تو نماز صحیح ہو گی یا فاسد ہو گی سو امام شافعی اور اُن کے موافقین نے کہا ہے کہ دونوں حالتوں میں صحیح ہو جاوے گی۔ اور طحاوی نے کہا ہے کہ دونوں حالتوں میں فاسد ہو جاوے گی اور ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صبح کی نماز تو فاسد ہو گی اور عصر کی صحیح ہو جاوے گی اور اس اختلاف کا مبنیٰ اُن روایات کی توجیہ میں اختلاف ہے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں اس لئے ہم اوّل ان روایات کو بیان کرتے ہیں۔ پھر توجیہات کو ذکر کریں گے شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو صبح کی ایک رکعت مل گئی طلوع آفتاب سے پہلے تو اُس کو صبح کی نماز مل گئی اور جس شخص کو ایک رکعت عصر کی مل گئی غروب آفتاب سے پہلے تو اس کو عصر کی نماز مل گئی اور بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو ایک سجدہ (یعنی رکعت) نماز عصر کا مل جاوے۔ غروب آفتاب سے پہلے تو اُس کو چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لے اور جب ایک سجدہ (یعنی رکعت) نماز صبح میں سے مل جاوے تو اس کو

بھی چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لے۔ (زیلعی ص ۱۱۹، ج ۱)

اور اسی کے ہم معنی روایت فتح الباری ج ۲ اور کنز العمال ج ۴ میں منقول ہے پس امام شافعی اور اُن کے موافقین نے ان اتمام کی احادیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور احادیث نہی کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ محمول ہیں اُس حالت پر جبکہ قصداً ان اوقات میں نماز ادا کی جاوے تو اس صورت میں اُن کے نزدیک نمازی کو ان اوقات میں نماز پڑھنے کا گناہ ہوگا لیکن نماز صحیح ہو جاوے گی اور طحاوی اُن دونوں صورتوں میں فساد صلوٰۃ کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ اُنہوں نے احادیث نہی کو اُس کے ظاہر پر باقی رکھا اور مبطل صلوٰۃ قرار دیا اور حدیث ادراک کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ محمول ہے ایجاب صلوٰۃ علیٰ من اسلم فی آخرالوقت پر یا اُس شخص پر جو آخروقت میں بالغ ہو یا اس عورت پر جو حیض سے آخروقت میں پاک ہوئی ہو اور دیگر احادیث اتمام کو احادیث نہی سے منسوخ قرار دیا ہے اور ہم جماعت حنفیہ کے نزدیک یہ توجیہ ہے جس کی طرف میری نظر گئی ہے اگرچہ وہ توجیہ متقدمین ہی کے کلام سے ماخوذ ہے اور تقریر اُس کی یہ ہے کہ روایات اتمام اور ادراک کی دونوں حالتوں میں صحت صلوٰۃ کو مقتضی ہیں اور احادیث نہی میں دو احتمال ہیں یا نمازی کا دونوں حالتوں میں باوجود صحت صلوٰۃ کے گناہ گار ہونا اور نماز کا دونوں صورتوں میں باطل ہونا۔ جیسا کہ اس کو طحاوی نے اختیار کیا ہے۔ اور یہ دونوں احتمال اس لئے ہیں کہ نہی شرعی دونوں معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اوّل کی مثال نہی عن الصلوٰۃ مقعیا یا متخصرا ہے۔ اور ثانی کی مثال نہی عن الصلوٰۃ بغیر طہور ہے اور اگر یہ خدشہ پیدا ہو کہ اُصولیین نے فرمایا ہے کہ نہی افعال شرعیہ سے ذات فعل کی مشروعیۃ کو مقتضی ہے۔ مع فساد وصف کے تو یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں ورنہ یہ قاعدہ بہت سے مسائل سے منقوص ہوگا اور اگر یہ شبہ ہو کہ نہی عن الصلوٰۃ بغیر طہور میں نفی کے صیغہ سے وارد ہوئی ہے اس وجہ سے وہ مقتضی بطلان صلوٰۃ کو ہے۔ بخلاف نہی عن الصلوٰۃ کے اوقات مکروہہ میں کہ اُس میں کوئی اَمر مقتضی بطلان صلوٰۃ موجود نہیں۔

تو اس کو اس طرح زائل کرو کہ نہی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکروہہ بھی صیغۂ نفی کے ساتھ بعض روایات میں وارد ہے۔ جیسا کہ شیخین نے حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں صحیح ہے نماز بعد صبح کے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جاوے اور نہیں صحیح ہے نماز بعد عصر کی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاوے۔ (مشکوٰۃ انصاری، ص ۸۶، ج ۱)

اور مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ الصنابحی سے روایت کیا ہے نماز عصر کے بارے میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں صحیح ہے نماز بعد عصر کے یہاں تک کہ طلوع ہو جاوے شاہد (یعنی ستارہ) مشکوٰۃ ص ۸۷، ج ا۔ اور رزین نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ نہیں صحیح ہے نماز بعد صبح کے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جاوے اور نہ بعد عصر کے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاوے۔ (مشکوٰۃ ج ا، ص ۸۷) موجب کہ نہی میں دونوں اَمر محتمل ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ احتیاط دونوں صورتوں میں سے کونسی صورت کے اختیار کرنے میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نماز بہت بڑی احتیاط کے قابل ہے۔ پس ظاہر ہے کہ احتیاط حمل علی البطلان میں ہے۔ اس لئے کہ قضاء اُس صورت میں فرض ہوگی بخلاف احتمال کراہتہ کے۔ سو اسی لئے ہم نے ان احادیث کو بطلان پر محمول کیا ہے یعنی بطلان فرض پر نہ بطلان نفس صلوٰۃ پر کیونکہ مقتضی بطلان کا احتیاط ہے اور احتیاط محفوظ ہے باوجود قائل ہونے صحت نقل کے اب حمل مذکور سے احادیث نہی اور احادیث اتمام میں تعارض واقع ہوا۔ اور مناسب ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی بھی تفسیر ہو کہ جب روایات کی دونوں قسموں میں تعارض ہوا تو ہم نے رجوع کیا قیاس کی طرف۔ جیسا کہ تعارض کا حکم ہے اور اس رجوع کے معنی احادیث کو ترک کر دینا اور قیاس پر عمل کرنا نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی بعض محتملات احادیث کو قیاس سے ترجیح دینے اور پھر اُس پر عمل کرنے کے ہیں اس طور پر کہ وہ حدیث کا حکم ہے نہ اس طور پر

کہ وہ قیاس کا حکم ہے فافہم۔اب اس صورت میں کہ جب ہم نے رجوع قیاس کی جانب کیا تو قیاس مقتضی ہوا اُس توجیہ کی ترجیح کو جو مقتضی ہے بطلان صلوٰۃ کو احادیث فجر میں اور صحیۃ صلوٰۃ کو احادیث عصر میں۔اس لئے ہم نے فجر میں احادیث بطلان پر عمل کیا اور احادیث اتمام کی تاویل کی۔اور عصر میں اس کے عکس پر عمل کیا۔

لہٰذا اس صورت میں ہم نے کسی حدیث کو نہیں چھوڑا بلکہ بعض احادیث کے ظاہر اور بعض کو ماول کر کے عمل درآمد کیا اب دو اُمر باقی رہ گئے اوّل یہ کہ دونوں نمازوں میں وجہ قیاس کیا ہے اور دوسرے احادیث کی تاویل کیا ہے۔تو وجہ قیاس کا بیان تو یہ ہے کہ نماز فجر شروع کرنے کے وقت قبل طلوع آفتاب کامل واجب ہوئی تھی کیونکہ سبب یعنی وقت کامل تھا اور طلوع آفتاب سے وقت ناقص ہو گیا اور اس وجہ سے نماز بھی ناقص ہوگئی پس کامل نماز ناقص ادا کرنے سے ادا نہ ہوگی لہٰذا فاسد ہوگئی اور نماز عصر شروع کرنے کے وقت قبل غروب ناقص ہی واجب ہوئی ہے بوجہ وقت کے ناقص ہونے کے اور اُس کو ویسا ہی ادا کیا گیا جیسا کہ واجب ہوئی تھی لہٰذا یہ فاسد نہیں ہوئی اور تاویل احادیث کا بیان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول یعنی فقد ادرک کے معنی وہ ہیں جو کہ طحاوی سے مذکور ہو چکے اور معنی فلیتم کے یہ ہیں کہ مصلی نماز باطل نہ کرے بلکہ نماز پڑھتا رہے اس لئے کہ نماز گو فرض ادا نہ ہوگی لیکن نفل تو صحیح ہو جاوے گی جیسا کہ درمختار میں ہے **کما هو الحکم فی الحج الفاسد** اور معنی **فلم یفت صلوته** کے یہ ہیں کہ نماز کا وقت فوت نہیں ہوا بلکہ اسے نماز کا وقت مل گیا۔اور حاصل معنی وہی ہیں جو معنی فقد ادرک کے ہیں۔۱۲ منہ۔

(ف) اس تقریر کے بعد ایک عمدہ تقریر مسئلہ کی تحریر فرمائی جو اس تقریر سے کہیں افضل اور بلا تکلف ہے اور وہ احیاء السنن باب الحدیث فی الصلوٰۃ میں درج ہے۔**قاله الجامع عفی عنه**۔

(۶۵) فرمایا کہ اصلاح سوداویت کے لئے ایک فقیری نسخہ ہے جو قواعد

طلبہ کے بھی مطابق ہے وہ یہ ہے کہ اکاس بیل ٦ ماشہ گائے یا بکری کے پاؤ بھر دودھ میں جوش کی جاوے پھر اکاس بیل پھینک دی جاوے اور دُودھ میں کچھ میٹھا ملا کر صبح کے وقت پی لیا جاوے اور فرمایا کہ اسی طرح کا قوت دماغ کے لئے یہ نسخہ ہے کہ گھی شکر سیاہ مرچ ملا کر صبح کے وقت کھایا جاوے۔

(٦٦) فرمایا کہ احادیث میں بعض عبادات پر یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ اس عبادت کا کرنا چار رقبہ اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے آزاد کرنے سے افضل ہے اس میں حنفیہ کے مذہب پر اشکال ہے کہ بنی اسمٰعیل کا استرقاق اُن کے نزدیک جائز نہیں ہے پس اس حدیث کے کیا معنی ہیں معنی یہ ہیں کہ اولاد رق میں شرعاً تابع ماں کے ہوتی ہے اور نسب شرعاً باپ کی طرف سے لیا جاتا ہے پس یہ ہوسکتا ہے کہ بنی اسمٰعیل میں سے باپ ہو اور ماں کنیزک ہو پس اس اعتبار سے اولاد کنیزک ہوا اب معنی حدیث کے بالکل ظاہر طور پر سمجھ میں آ گئے۔

(٦٧) کرامت نامہ بجواب وسوسہ احقر صادر ہوا۔ افسوس ہے کہ اس سے میری معلومات میں کچھ اضافہ نہ ہوا بادشاہ سے بغاوت کرنے والے کو منکر رسالت سے تشبیہ دینا اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اُسے تو یہ علم ہوتا ہے کہ میں بادشاہ وقت کے حکم کی سر تابی کر رہا ہوں لیکن اس غریب کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ خدا کی نافرمانی کر رہا ہے بلکہ وہ تو برابر یہی سمجھتا ہے کہ میں دل و جان سے خدا سے محبت رکھتا ہوں منکر رسالت کو اُس شخص سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جس کو بادشاہ کا حکم کسی مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو جس طرح وہ اور احکامات کی تعمیل میں گرمی دکھاتے ہیں اسی طرح اس حکم کو بھی جو اور حکموں سے کہیں زیادہ سہل ہے بجالاتے ایسے شخص کو جو حکم مستند ذریعہ سے نہ پہنچنے کی وجہ سے تعمیل حکم سے قاصر رہا ہو اوّل تو سزا بالکل نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو بہت کم ہیں وہ وسوسہ دور نہ ہوا۔

جواب: اگر کوئی حکم گورنمنٹ کا ایسے ذریعہ سے پہنچے جو واقع میں معتبر ہو مگر کوئی

فرد رعایا میں سے اُس کو معتبر نہ جانتا ہو اور پھر وہ اُس حکم کے خلاف کرے اور جب اُس پر مقدمہ قائم ہو وہ یہی عذر کر دے تو کیا اُس کا عذر عدالت میں مسموع ہوگا یا نہیں اور اگر مسموع نہ ہو اور واقع میں ہے بھی یہی کہ مسموع نہ ہوگا تو عدالت کی طرف سے جو اس شخص کو جواب دیا جاوے گا وہی اس وسوسہ کا جواب ہے۔

(۶۸) فرمایا کہ اُمراء سے بزرگوں کا میل جول خاص طور پر نیک نیتی سے بھی نامناسب ہے۔.....(۶۹) فرمایا کہ بزرگوں کی یہ تحقیق ہے کہ صوفی ملامتی ہونا چاہیے تو اتباع شریعت اختیار کرے پچھلے زمانہ میں چونکہ شریعت پر عمل غالب تھا اس وجہ سے خلاف شرع شخص کو لوگ ملامت کرتے تھے اور آج کل چونکہ جہالت غالب اور عمل بالشریعت معدوم ہے اس لئے شریعت کے پابند پر ملامت کی جاتی ہے۔

(۷۰) فرمایا حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی مقبولیت عام تھی سب لوگ آپ کو محبوب رکھتے تھے کیا متقی اور کیا فاسق اور کیا مقلد اور کیا غیر مقلد وغیرہم۔

(۷۱) فرمایا کہ آج کل اگر کسی بے عمل کو اس طور پر نصیحت کی جاوے کہ تم ایسے حرکات کرتے ہو اور اپنے متقی پیر کا اتباع نہیں کرتے تو اُس پر زیادہ اثر ہوتا ہے اور اگر کہا جاوے کہ اللہ و رسول کا اتباع کرو تو اس کو اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

(ف) لہٰذا عنوان تاثیر اختیار کرنا چاہئے ولا باس فیہ **قال الجامع عفی عنہ**

(۷۲) ایک خط آیا تھا جو مع جواب از آنحضرت والا درج ہے۔ عبدالوہاب خاں کو ورد و وظائف کا شوق ہے اُس کی خواہش ہے کہ حزب الاعظم پڑھا کرے بعد نماز فجر اس لئے ضرورت ہوئی کہ آں قبلہ سے اجازت حاصل کر کے تب حزب الاعظم کو شروع کرے چونکہ ہم خدام کا تعلق حضرت قبلہ مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے اس لئے جو کچھ چاہا جاوے گا وہ مخصوص آپ حضرات سے اُمید ہے کہ مجھے اور عزیز عبدالوہاب خاں برادر حقیقی کو اجازت حزب الاعظم کی مرحمت فرمائی جاوے۔ جواب یہ لکھا تھا کہ حزب الاعظم یا اسی طرح کی اوراد جن میں کوئی خطرہ

نہیں محتاج اجازت نہیں بالخصوص احادیث کی دعائیں جیسے حزب الاعظم میں ہیں کہ اُن کے لئے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اجازت بلکہ ترغیب ہے سو اس اعتبار سے تو اجازت کی ضرورت نہیں اب ایک دوسری حیثیت سے البتہ اجازت میں مصلحت ہے وہ یہ کہ ایسے وظائف نفل ہیں اور نوافل پر فرائض مقدم ہیں اسی طرح کے اور بھی مختلف قواعد ضروریہ ہیں اس لئے محققین کا ارشاد ہے کہ جس موقع میں طلب کو تردّد ہو کسی محقق سے مشورہ کر لے کہ حالت موجودہ میں کوئی محذور شرعی تو لازم نہیں آتا اس مشورہ کو بھی اجازت سے تعبیر کرتے ہیں سو اگر اس حیثیت سے طالب ہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اگر اُس کی مشغولی سے کوئی ضروری اُمر میں حرج نہ ہو اور اُن کی قوت متحمل ہو تو پڑھا کریں اللہ تعالیٰ برکت فرماویں۔

(۷۳) فرمایا کہ سہارن پور میں ایک شخص نے بہشتی زیور کے ایک مسئلہ کی دلیل دریافت کی اور اس مسئلہ میں پہلے سے وہاں شور ہو رہا تھا اور وہاں کے علماء اپنے حُسنِ اخلاق سے جواب دیتے تھے مگر وہ جواب جہال کی سمجھ میں نہ آتا تھا اور مجھ سے جن صاحب نے سوال کیا وہ اہل علم نہ تھے اور اہل علم تو کاہے کو ایسا سوال کرتے ہیں میں نے جواب دیا کہ جس قدر بقیہ مسائل اس مسئلہ کے علاوہ بہشتی زیور میں ہیں کیا اُن سب کی دلیلیں آپ کو معلوم ہیں کہا نہیں میں نے کہا اس کو بھی انہی مسائل میں سمجھ لیجئے کہ جہاں اُن کی ادلہ نہیں معلوم اس کی دلیل بھی نہ سہی اس کی دلیل کے علم کی ترجیح کی کیا وجہ یا دعویٰ کیجئے کہ بقیہ مسائل کی ادلہ معلوم ہیں تاکہ میں اُس میں سے کچھ دریافت کروں وہ صاحب خاموش ہو گئے پھر وہیں پر ایک دوسرے صاحب جو نئی روشنی کے تھے بعنوان حسن اسی امر کے متقاضی ہوئے اور فرمایا کہ عوام کو ہر چند سمجھایا جاتا ہے مگر نہیں مانتے وہ لوگ علماء کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ہمارا دِل دُکھتا ہے بہتر ہے کہ آپ اس مسئلہ کو تفصیلاً ایک مجلس وعظ میں جو ہم منعقد کریں گے بیان کر دیں میں نے کہا ان لوگوں کو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ وہ اہل علم نہیں انہوں نے

کہا کہ اس میں حرج کیا ہے میں نے کہا کہ آپ حکم کرتے ہیں یا مشورہ دیتے ہیں فرمانے لگے کہ مشورہ دیتا ہوں میں نے کہا میں مشورہ نہیں مانتا اور آپ کا دل اگر علماء کی بے ادبی سے دُکھتا ہے تو پہلے اُن لوگوں کی گستاخی کا انسداد کیجئے جو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخت بے ادبی کرتے ہیں علماء کی بے ادبی گو مذموم اور گناہ ہے مگر اس درجہ کی نہیں ہے جیسی کہ اللہ و رسول کی بے اَدبی ہے یعنی وہ کفر ہے وہ صاحب بھی خاموش ہو گئے اس کے بعد فرمایا کہ علماء کی خوش مزاجی نے عوام کو دلیر کر دیا ہے اس درجہ کی خوش مزاجی خلاف مصلحت ہے۔

(۷۴) فرمایا کہ ایک نیم غیر مقلد نے جو اہل علم نہ تھے فاتحہ خلف الامام جائز نہ ہونے کی دلیل سے سوال کیا میں نے کہا آپ دلیل دریافت کرتے ہیں یا حکم فرمانے لگے کہ دلیل میں نے کہا میں دلیل نہیں بتلاتا میرے ذمہ اُس کا بتلانا واجب نہیں فرمانے لگے کہ حکم ہی بتلا دیجئے میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں پڑھنا جائز نہیں۔

(۷۵) فرمایا کہ گورکھپور میں ایک نئی روشنی کے صاحب نے اجازت سوال چاہی میں نے کہا کہ اجازت دیتا ہوں مگر دو شرطوں سے اَوّل یہ کہ مہذبانہ گفتگو ہو دوسرے کوئی شبہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کیا جائے جو شبہ ہو اُس کو اپنی طرف منسوب کیجئے اب دریافت کیجئے، کہنے لگے اب تو کچھ بھی نہیں دریافت کرتا۔

(۷۶) ایک صاحب مصلے کے سامنے بانتظار اقامت جماعت کھڑے تھے اور حضرت والا سنن پڑھ رہے تھے ظہر کا وقت تھا آپ نے اُن کو بعد فراغت سنن قبل الظہر تنبیہ فرمائی کہ مجھ کو تکلیف ہوئی آپ فضول کیوں ایسے بے موقع کھڑے ہوئے جس سے مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ متقاضی ہیں کہ جلد سنتوں سے فارغ ہو کر نماز پڑھاؤں جس اُمر میں کسی کی تکلیف کا شبہ بھی ہو اُس کو ترک کرنا چاہئے اور فضول کام نہ کرنا چاہئے وہ صاحب مقر خطا کے ہوئے۔

(۷۷) ایک اہل علم نے جو آپ سے بے تکلفانہ گفتگو کرتے تھے سوال کیا کہ

اگر فرضاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی سختی آ کر پڑے اور دونوں کی نصرت پر قدرت نہ ہو تو دونوں میں سے کس کو ترجیح دے کہ ان کی اعانت کرے فرمایا کہ یہ واقعہ چونکہ فرضی اور محال عادی ہے۔

اس لئے اس کا سوال ہی بیکار ہے اور سوال تو واقعیات سے اُمور شرعیہ میں کرنا چاہئے وہ صاحب خاموش ہو رہے اور سمجھ گئے کہ آپ نے حسن طریق سے ٹال دیا حالانکہ آپ دوسرے اہل علم کو علمی اُمور میں جو اُمر کہ اکثر واقع ہوتا ہے اس کا بھی اور جو شاذ و نادر ہے اس کا بھی جواب دے دیا کرتے ہیں مگر میرا سوال ہی بے موقع تھا اس لئے کہ اس کا جواب بجز قیاس کے اور کسی دلیل سے ہو نہیں سکتا اور قیاس میں غلطی کا احتمال ہے ممکن ہے کہ دونوں حضرات میں سے کسی کی بے ادبی ہو جاوے اور پھر یہ بھی بے ضرورت اس لئے پھر سائل نے کچھ بھی نہ کہا۔

(ف) فہیم اور حکیم اسلام اور عالم محقق وسیع النظر فی الحدیث وفی آداب النبی اس نایاب تعلیم کی قدر کر سکتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کام بے موقع اور فضول اور ایذاء دہ نہ ہوتا تھا گو کوئی بشر اس درجہ کے اخلاق تو نہیں اختیار کر سکتا کہ غیر ممکن ہے مگر جہاں تک ہو سکے سعی کرے کہ قریب قریب تو اتباع میسر ہو جاوے جو داخل طاقت ہے آپ میں سنت کا سچا نمونہ نظر آتا ہے اور اتفاقاً کسی اَمر میں تجاوز ہو جانا کسی معلم و متعلم سے بعید نہیں کہ بشر خطا سے پاک نہیں گو انواع خطا میں تفاوت ہے لیکن النادر لا یحکم یہ لوگوں کو چاہئے کہ اس نایاب تعلیم کی قدر کریں اور اس پر عمل کر کے تمغہ اتباع سنت کا حاصل کریں اور آپ کے وجود باوجود کو خاص رحمت الٰہی سمجھیں کہ ایسا وجود باجود اب تو نادر یا قلیل ہی معلوم ہوتا ہے۔

هيهات لم يات الزمان بمثله　ان الزمان بمثله لبخيل

اللهم حببه الينا حبا كاملا و انزل علينا من بركات انفاسه رحمة تامة۔ (اے اللہ محبوب بنا دے اُس کو ہمارا کامل اور نازل کر ہم پر اُن کے انفاس کی برکت

سے رحمت تامہ)۔ دائمة و آتهم تقربا کاملا دائما عندک آمین. قال الجامع عفی عنہ۔(دائمہ اور دے اُن کو قربت کامل دائم اپنے نزدیک۔آمین)

(۷۸) مضمون ذیل جو بوستان کے دوازدہ اشعار کا حل ہے عنایات فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے۔ پہلے اشعار لکھتا ہوں پھر وہ مضمون بعینہ نقل کروں گا۔

وگر سالکے محرم راز گشت | بہ بندند بروئے درباز گشت
کے را دریں بزم ساغر دہند | کہ داروئے بیہوشیش دردہند
یکے باز رادیدہ بردوختہ است | یکے دیدہا بازو پر سوختہ است
کسے رہ سوئے گنج قاروں نبرد | وگر بردرہ بازبیروں نبرد
بمردم دریں موج دریائے خوں | کزوکس نبردہ است کشتی بروں
اگر طالبی کاین زمین طے کنی | نخست اسپ بازآمدن پے کنی
تامل در آئینۂ دل کنی | صفائی بتدریج حاصل کنی
مگر بوئے از عشق مستت کند | طلبگار عہد الستت کند
بپائے طلب رہ دریں جابری | وزینجا ، ببال محبت پری
بدّرد یقیں پرد ہائے خیال | نماند سراپردہ الاجلال
دگر مرکب عقل را پویہ نیست | عنانش بگیرد تحیر کہ ایست
دریں بحر جز مرد داعی نرفت | گم آن شدکہ دنبال راعی نرفت

قال السعدی رحمہ اللہ وگر سالکے محرم راز گشت الیٰ قولہ دریں بحر جز مرد داعی نرفت۔ ان ابیات میں ظاہراً ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اِس سے اُوپر ادراک ذات و صفات بالکنہ کا امتناع بیان کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہاں ۔ وگر سالکے الخ میں اُسی کا تحقق فرض کیا گیا ہے اور یہ صریح تعارض بھی ہے دوسرے واقع کے بھی خلاف ہے کیونکہ ادراک بالکنہ فی الواقع ممتنع ہے تو اُس کا فرض محال ہے اُس پر احکام واقعیہ مرتب نہیں ہوتے جیسا یہاں ''وگر سالکے الخ'' میں مرتب کیے گئے ہیں پھر اخیر میں

درین بحر الخ ظاہر امشار الیہ بھی ادراک بالکنہ ہوگا تو اُس میں ایک تعارض مذکور کا اشکال ہوگا کہ اَوّل مطلقاً امتناع کا حکم کیا تھا یہاں اُس سے استثناء کیا دوسرے واقع کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ ادراک بالکنہ کا امتناع واقع میں عام ہے تیسرے۔ وگر سالکے الخ کے مدلول سے معارض ہوگا کیونکہ اس میں بعض سالکین کے لئے اس کا وقوع فرض کرلیا گیا ہے پھر اس حصر دریں بحر جز مرد داعی الخ کے کیا معنی اور اگر شعر۔ وگر سالکے الخ کی توجیہ کے لئے ادراک بالکنہ نہ لیا جاوے بلکہ معرفت مخصوص باہل الفناء لی جاوے تو اشکال تعارض کا تو جاتا رہے گا لیکن۔ بہ بندند بروے الخ میں اشکال ہوگا کیونکہ اس میں بقاء بعد الفناء کی نفی ہوتی ہے حالانکہ یہ حکم صحیح نہیں دوسرے۔ دریں بحر جز مرد داعی نرفت۔ میں اگر بحر سے مراد فنا ہے تو اُوپر کے حکم وگر سالک الخ سے معارض ہے اور اگر مراد بقاء ہے تو (علاوہ اس کے کہ اِس تعبیر میں بُعد ہے کیونکہ بحر کا خاصہ استغراق ہے اور بقاء میں استغراق نہیں) خود یہ حصر بھی واقع کے خلاف ہے اَوّلاً اکثر سالک حصول بقاء سے ممتاز ہوتے ہیں اور اگر کوئی درجہ عالیہ لیا جاوے تو دوسرے انبیاء علیہم السلام اس میں شریک ہیں یہ ہے تقریر اشکال کی۔ توجیہ اس کی جو دو روز کے غور کے بعد خیال میں آئی یہ ہے کہ ایک ادراک عقلی ہے ایک کشفی ہے اور ایک عینی ہے یعنی رویت پس اشعار بالا میں تو ادراک عقلی کے متعلق بالکنہ ہونے کی نفی ہے چنانچہ لفظ قیاس ولفظ فکرت اس کا قرینہ ہے اور اس حکم کی صحت ظاہر ہے اور ادراک کشفی کا ان ابیات میں ذکر ہے وگر سالکے الخ مگر ادراک کشفی بھی متعلق بالکنہ نہیں جیسا دوسرے دلائل مستقلہ سے ثابت ہے بلکہ بہ نسبت ادراک عقلی کے اس میں قدر سے زائد انکشاف ہے جو کہ ذوقی ووجدانی ہے۔

پس معنی مقام کے یہ ہیں کہ ادراک عقلی تو درجہ انکشاف ممکن تک بھی نہیں چلتا البتہ ادراک کشفی انکشاف ممکن کے درجہ تک ہوسکتا ہے مگر اُس میں قدرت علی التعبیر نہیں ہوتی جو دوسرے کو محرم راز کرسکے۔ بہ بندند بروے الخ میں رجوع سے مراد تعبیر و

خطاب اہل عقل کو ہے آگے اسی کشف کا طریقہ بتلایا ہے۔ اگر طالبی الخ میں اور چونکہ کشف کا درجہ ادراک عقلی سے بڑھا ہوا ہے اسی لئے یدر دیقیں پردہ ہائے خیال + کا حکم فرمایا اب آگے رہ گئی رویت اُس کی نفی اہل کشف کے لئے بھی کرتے ہیں۔ نماند سراپردہ الاجلال اور اِسی مرتبہ رویت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور حصر ثابت کرتے ہیں اس قول میں دریں بحرالخ فافهم حق الفهم۔ پھر زبانی فرمایا کہ ان اشعار کے حل کے بعد معلوم ہوا کہ فن دانی میں (یعنی فن تصوف میں) حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ زیادہ محقق ہیں حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ سے۔

(ف) حضرت والا کو بھی اس فن میں خاص مَلکہ اور اعلیٰ درجہ کی تحقیق اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی ہے۔ قال الجامع عفی عنہ

(۷۹) فرمایا کہ نکاح اعلان کے ساتھ ہونا چاہئے گو اس حالت میں کوئی فساد بھی ہو خفیہ نکاح ہونے میں میرا یہ تجربہ ہے کہ فساد بہت مدید ہو جاتا ہے اور اعلان کی حالت میں جو فساد بھی ہوتا ہے وہ بھی جلد فرو ہو جاتا ہے۔

(۸۰) فرمایا کہ اکثر یہ دیکھا ہے کہ جس مدرسہ کے لئے جائیداد خریدی جاتی ہے اس مدرسہ کے موضوع میں برکت نہیں ہوتی اور مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے وصایا میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ مدرسہ دیوبند کے لئے جائیداد نہ خریدی جاوے وجہ یہ ہے کہ ایک نوع کے توکل میں کمی ہو جاتی ہے نیز ملازمین اور کام کرنے والے بھی بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور فقط چندہ کی اعانت پر خوب کام کرتے ہیں کہ اگر کارگزاری اچھی نہ ہوئی تو کون چندہ دے گا مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم نے اس اخیر وجہ سے سلطانی وظیفہ اپنے مدرسہ کے لئے نہیں مقرر ہونے دیا۔

(۸۱) ایک شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ خطبہ سے مقصود نصیحت کرنا ہے تو جو لوگ عربی داں نہ ہوں تو اُن کو خطبہ اُس زبان میں سنانا جسے وہ سمجھتے ہیں کیوں ممنوع ہے جواب یہ تحریر فرمایا کہ خود یہی مسلّم نہیں بلکہ تذکیر تابع ہے اور مقصود اصلی ذکر ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں خطبہ کو ذکر فرمایا ہے تذکیر نہیں فرمایا پھر یہ دلیل تو قرأۃ صلاۃ میں بھی جاری ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اس کا نزول وعظ وہدایت کے لئے ہوا ہے تو قرآن کا بھی نماز میں ترجمہ کیا جانا چاہئے۔

(۸۲) ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ گاؤں میں جمعہ موقوف کرنے سے شوکت اسلامی ٹٹتی ہے اس لئے اسے جاری رکھنا مناسب ہونا چاہئے جواب مرحمت فرمایا کہ یہ تو شارع پر اعتراض ہے کہ جس چیز میں شوکت اسلامی تھی اُس کے لئے مصر کو شرط قرار دیا پھر اگر کسی وقت میں لوگ شوکت اسلام کے لئے ہندوستان میں حج کی نقل کرنے لگیں تو اُس میں بھی یہی تقریر جاری ہوگی۔

(۸۳) ایک روز جناب والا نے احقر کے سوال کے جواب میں اور کچھ خود حدیث: ''**کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک**'' (گویا کہ تو اُس کو (اللہ تعالیٰ کو) دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔۱۲۔منہ) کے معنی بیان فرمائے جن کا حاصل یہ ہے:

" لم يقل فى اَوّل مرة ان تعبد اللّٰه فانه يراک لان روية الحاكم للمحكوم لا يعظم اثره عند المحكوم كعكسه طبعا فلا يحصل المقصود باتم وجه والمقصود هو الاهتمام الاكمل للعبادة و احسان الاركان فيها وقال ان الفاء فى قوله فان لم تكن تراه للتعليل ولا دخل لهذا الشرطية فى التعليل بل اصل الدخل لقوله فانه يراک و انما هذه الشرطية لرفع المانع فالعبارة الاصلية اهتمم بالعبادة كاهتمام لوكنت تراه فانک ان لم تكن تراه فلا يمنعک عن الاهتمام باداء العبادة والاحسان بها فانه يراک والفاء فى قوله فانه يراک للتعليل ايضاً. و هو تعليل لجملة لا يمنعک والمجموع من قوله فان لم تكن الى يراک مع العبارة المقدرة تعليل لجملة كانک تراه و مثل هذا الشرط الذى فى جملة فان لم تكن تراه

یستعمل فی لساننا ایضًا لھٰذا المعنی تامل فانه عزیز وللّٰهِ درالمفسر بھذا التفسیر جزاھم اللّٰه تعالٰی احسن الجزاء۔"

ترجمہ: "اوّلاً ہی یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہ تجھ کو دیکھتا ہے اس لیے کہ حاکم کا محکوم کو دیکھنا طبعاً اُس کا اثر زیادہ نہیں ہوتا مثل اُس کے عکس کے لہٰذا مقصود باتم وجہ حاصل نہ ہوگا اور مقصود عبادت کا کامل اہتمام کرنا اور اس میں ارکان کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔ اور کہا کہ فاء اُس کے قول فان لم تکن تراہ میں تعلیل کے لئے ہے اور اُس تعلیل میں کچھ دخل نہیں بلکہ اصل دخل اُس کے قول فانه یراک کو ہے اور یہ شرطیہ تو مانع کے رفع کے لئے ہے۔ سو عبارۃ اصلیہ یہ ہے کہ اہتمام کر عبادۃ کا مثل اُس اہتمام کے کہ اگر تو اُس کو دیکھتا کیونکہ اگر تو نہیں دیکھتا (تو یہ بات) تجھ کو عبادۃ کے اداء کرنے کے اہتمام سے اور اس میں احسان سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور فاء اُس کے قول فانه یراک میں بھی تعلیل کے واسطے ہے۔ اور وہ جملہ لا یمنعک کی علت ہے اور یہ مجموعہ اُس کے قول فان لم تکن سے فانه یراک تک مع عبارۃ مقدرہ کے کانک تراہ کی علت ہے اور مثل اس شرط کے جو کہ جملہ فان لم تکن تراہ میں ہے ہماری زبان میں بھی اس معنی کے لئے مستعمل ہے۔ تامل کرو یہ ایک نادر بات ہے۔"

(۸۴) فرمایا کہ حدۃ ﴿ویوید الفرق بینھما ما ترجم صاحب الصراح للحدة بما نصه سُبکی مردم از غضب واشدة سختی وقال اللّٰه تعالٰی اشداء علی الکفار والمقام یقتضی القوة لتعلقه بالکفار۔ وقال صلی اللّٰه علیه وسلم ان الحدة الخ والمقام یقتضی الخفة لقوله تعتری۔ تامل ۱۲﴾ مذموم نہیں شدت مذموم ہے کیونکہ صاحب حدۃ فقط تیز ہو جاتا ہے اور غل مچاتا ہے اور پھر تھوڑی دیر میں کچھ بھی نہیں اُس کا دل جلد صاف ہو جاتا ہے اور زیادہ ضرر اُس سے نہیں پہنچتا ہے اور متشدد آدمی سے سخت ضرر ہو جاتا ہے اور وہ ایذاء پہنچاتا ہے اور اپنے تشدد سے قرار کے ساتھ خوب کام لیتا ہے۔

(ف) احقر کہتا ہے کہ حدت کا مفہوم محض برائے نام تیزی ہے جو داخل تحت شدۃ وقساوۃ نہیں اور جو بعض عوارض سے پیدا ہو جاتی ہے اور بعضوں کو طبعاً وخلقۃً ہوتی ہے اور بعض اہل ریاضت کو بوجہ لطافت قلبی و نازک مزاجی یہ عارض ہو جاتی ہے مگر جہاں تک ممکن ہو حدود شرعیہ کے اندر رہنے کی کوشش کرے اور جن اولیاء میں یہ حالت دیکھے بدظن نہ ہو کہ یہ کوئی مذموم قابل گرفت اَمر نہیں ہے حدیث مرفوع میں ہے جس کو ''اسد الغابہ'' وغیرہ میں نقل کیا ہے ان الحدۃ تعتری علی خیار امتی اھ۔

(۸۵) فرمایا کہ جب تک اعلیٰ درجہ کی عقیدت نہ ہو بیعت کی درخواست کسی بزرگ سے کرنا نہیں چاہئے۔ ہاں حق تعالیٰ کا نام دریافت کر لینا اور اس کو پڑھنا اور اپنے اخلاق و عادات کی اصلاح کرانا مضائقہ نہیں اور نہ اس کے لئے بیعت شرط ہے ہاں خصوصیت بغیر بیعت کے شیخ کو مرید کے ساتھ نہیں ہوتی سو وہ ضرور نہیں اور نہ وہ بغیر عقیدت کاملہ میسر ہو سکتی ہے۔

(۸۶) فرمایا کہ تعویذات کے باب میں لوگوں نے سخت غلو کر رکھا ہے حتیٰ کہ بزرگی کا مدار اسی پر سمجھتے ہیں جو سخت بدعت ہے بزرگوں کو حق تعالیٰ کا سر رشتہ دار سمجھتے ہیں کہ جو انہوں نے تجویز کر دیا ضرور اس پر دستخط اللہ تعالیٰ کے ہو ہی جاویں گے توبہ توبہ کس قدر خراب عقیدہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُعائیں کریں اور بعض مطلوب حاصل ہوں اور بعض نہ ہوں کیا کوئی بزرگ آپ سے بھی بڑھ کر ہو سکتا ہے جس کی خاطر داری سے حق تعالیٰ ضرور ہی مطلوب عطا فرماویں گے اور پھر طرہ یہ کہ لوگ اپنے کو محب رسول سمجھتے ہیں حالانکہ حضور کے غلاموں کو حضور سے بڑھ کر سمجھتے ہیں ایک شخص آئے تھے اور کہا کہ آپ نے فلاں تعویذ کیا تھا اُس کا اثر نہیں ہوا فرمایا کہ میں تعویذوں سے سخت نفرت رکھتا ہوں خوش خلقی سے آپ کو دے دیا تھا کیا میں نے معاوضہ لیا تھا یا ذمہ لے لیا تھا کہ اثر ضرور ہی ہوگا مجھے ایسے اُمور سے سخت تکلیف ہوتی ہے اب آئندہ کبھی میرے سامنے اس کا تذکرہ نہ کیجئے مجھ میں رسمی فقیری نہیں اور میں

اُس سے پناہ مانگتا ہوں میں تو نہ پیر ہوں نہ بزرگ ہوں فقط طالب علم ہوں علمی کام۔ اصلاح اخلاق میں سے کچھ لینا ہو تو مجھ سے لیجئے سنت کا راستہ مجھ کو آتا ہے۔

(ف) احقر کہتا ہے کہ یہ لوگ فقیری کی حقیقت سے آگاہ نہیں اتباع شریعت اور اصلاح اخلاق اور توکل اور عدم غفلت اکمل فقر ہے ولهٗ ارسل صلی اللہ علیہ وسلم اور تعویذات بطریق معروف تو دائرہ توکل سے باہر ہی ہیں و لا یخفی علی من تامل فی حدیث من لاحساب علیھم اخرجه الشیخان ہاں دُعا کرنی چاہئے اور بزرگوں سے بھی کرانی چاہئے احادیث میں بہت دُعائیں آئی ہیں اور ہمارے حضرت کو بوجہ غلبہ اتباع سنت کے ادعیہ سے بڑی رغبت ہے اور آپ کو حقیقی تصوف یعنی محبت و معرفت اعلیٰ درجہ کا حاصل ہے جس کے لئے جن و اِنس مخلوق ہوئے ہیں۔قال اللّٰہ تعالٰی وما خلقت الجن الخ وقال صلی اللہ علیہ وسلم حاکیا عن ربه کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ضعفه اھل الحدیث و صححه اھل الکشف صرح به العلامة بحر العلوم فی شرح المثنوی و بالجملة لا یضر الضعف فی ھذاالموضع ولا یردان افعال الباری تعالٰی لیست معللة بالاغراض التی تلزمھا الاحتیاج ای ان اللّٰہ تعالٰی لا یحتاج الی شیء من تلک الاغراض لانه مستغن عن کل شئ محتاج الیه ولا یرید به العاقل ان تلک الافعال لیس فیھا مصلحة وحکمة للّٰہِ تعالٰی علی الاطلاق کیف و ھو حکیم فلا یخلو فعله عن الحکمة بل معناہ عن نفعه لا یرجع الیه بحیث یکمل نقصانه او یغنی فقرہ الی غیر ذٰلک تعالٰی اللّٰہ عن ذٰلک علوا کبیرا واللّٰہ تعالٰی اعلم و ھذاالتحقیق لم ارہ فی شیء من الکتب و ان کان یمکن ان یکون فیھا واللّٰہ تعالٰی اعلم فان کان خطاء فھو منی و ان کان صواباً فمن اللّٰہ العظیم و ذٰلک فضل اللّٰہ یُؤْتِیْهِ من یشاء۔

(۸۷) فرمایا کہ تحفہ دیتے وقت اُس پوری مجلس میں کبھی مہدی الیہ سے کوئی فرمائش دینی یا دنیوی نہ کرنا چاہئے کہ اس کو کام طالب کے موافق نہ کرنے سے شرم آتی ہے اور اُس پر دباؤ پڑتا ہے۔

(۸۸) فرمایا کہ حضرت مولانا محدث احمد علی صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا طلبہ نے اُس کے زدوکوب کا قصد کیا فرمایا کہ بعضی برائیاں تو جو یہ میرے اندر بیان کرتا ہے مجھ میں ہیں بھی اس اعتبار سے یہ صادق ہے لہٰذا اس صدق کی جانب توجہ کرو بھلائی دیکھو برائی نہ دیکھو۔

(ف) چونکہ اس وقت انتقام لینا صرف آپ کا حق تھا اس لئے خوش اخلاقی سے آپ نے اس طرح درگذر کیا ورنہ ہر جگہ خیر کا دیکھنا اور شر سے تجاوز کرنا جائز نہیں خوب سمجھ لو۔

(۸۹) فرمایا کہ حضرت شیخ الآفاق مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص آیا کہ میری سفارش نوکری کے لئے فلاں شخص سے کردیجئے وہ شخص جس سے سفارش چاہی گئی تھی آپ کا مخالف تھا مگر باوجود اس اَمر کے آپ نے اپنی خوش خلقی سے رقعہ لکھ دیا اس شخص نے حامل سے اس رقعہ کی بتی بنا کر کہا کہ شاہ صاحب سے کہہ دینا کہ اس کو اپنے اُس مقام میں رکھ لو (استغفر اللہ) اس بھلے آدمی نے ویسے ہی آکر روایت نقل کردی فرمانے لگے کہ اگر تیرا مقصود اس طریق سے حاصل ہو جاتا یا اب بھی ہو جاوے تو اللہ کی قسم مجھے اس سے بھی عذر نہیں اس سائل نے اُس مخالف سے یہ حکایت جا کر نقل کی وہ متاثر اور متضرع ہوا اور آکر عقیدت ظاہر کی خطاء معاف کرائی اور بیعت ہوا۔

(۹۰) فرمایا کہ شاہ صاحب موصوف کے دولت خانہ پر کوئی شخص مہمان ہوا اور اُسے حاجت پاخانہ کی ہوئی شاہ صاحب نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ پھر شاہ صاحب ایک ٹھیکرا اندر سے لائے اور کہا کہ پاخانہ میں اس کو رکھ کر پاخانہ سے فراغت کرنا اس لئے کہ یہاں باہر کے پاخانہ میں جو بھنگی بول و براز صاف کرتا ہے اُس سے فقط

ایک آدمی کا پاخانہ صاف کرنا ٹھہرا ہے اس کی اُجرت جدا طے کی جاوے گی کیونکہ یہ کام شرط سے بڑھا پس مزدوری بھی بڑھنی لازم ہے ان صاحب نے کہا کہ میں کہیں اور فراغت کر آؤں گا آپ نے فرمایا کہ نہیں یہیں فراغت کیجئے پھر فرمایا کہ اسی تقویٰ کے سبب آں حضرت کا فیض کثرت سے جاری ہو رہا ہے۔

(ف) آج کل ان اخلاق کی طرف تو بہت ہی کم توجہ ہے لوگوں کو ایذاء رسانی ہی سے محفوظ نہیں رکھا جاتا اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت تکلیف پہنچائی جاتی ہے شریعت منتظمہ کی کچھ قدر نہیں نہ حق العباد ہونے کی پروانہ اللہ کا خوف سچ ہے مسلماناں درگور مسلمانی در کتاب اور جو اس سنت کو احیاء کرے اُس کو ظالم وہمی کہتے ہیں:

''فانتظروا فانا منتظرون فسیاتیھم انباء ما کانوا بہ یستھزء ون'' ﴿ لا یردکونہ فی الکفار فان العبرۃ لعموم الالفاظ نعم یفرق بین الکفار والفساق بالشدۃ والخفۃ .۱۲ جامع۔﴾ بلکہ ذرا غور کرو تو ایسے معلم کی اعلیٰ درجہ کی قدر کرو اور اس کو سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق سمجھو کما ورد فی الحدیث لمحی السنۃ عند فساد الزمان ونشوا لبدعۃ قالہ الجامع عفی عنہ۔

(۹۱) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ حضرت شاہ صاحب موصوف کے شاگرد ہیں ان کی یہ حالت تھی کہ مشتبہ مال دھوکے سے بھی کھا لیتے تھے تو قے ہو جاتی تھی یہ حضرت اوّل اوّل جب شاہ صاحب کے مہمان ہوئے گھر میں سے کھانا آیا تو سالن نہ کھایا روکھی روٹی کھالی حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی زوجہ صاحبہ نے شکایت کی کہ یہ بڑے نخرہ باز ہیں آپ نے فرمایا بدگمانی نہ کرو میں اُن سے دریافت کروں گا کیا باعث ہے شاید کوئی معقول وجہ ہو چنانچہ دریافت کیا تو مولانا نے اوّل تو جواب سے استعذار کیا کہ جناب کو اس کا جواب دینے میں گستاخی ہے مگر آپ نے عذر قبول نہ فرمایا اور توجیہ کا استقصاء فرمایا پس مولانا صاحب نے فرمایا کہ دہلی میں کثرت سے رواج ہے کہ سالن میں کھٹائی اکثر ہوتی

ہے اور انبہ کی بیع ممنوع طریق سے رائج ہے پس احتمال ہوا کہ اس کھانے میں بھی شاید کھٹائی ہو اس خیال سے میں نے سالن نہیں کھایا شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور گھر میں فرمایا کہ ہم کو تو اس وقت تک بھی متنبہ نہ ہوا تھا یہ ہمارے لئے راہنما اور ہادی گویا کہ حضرت خضر آ گئے ان کی قدر کرو۔

(ف): سبحان اللہ عارفین کی کیا شان ہے۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

کیسی قدر فرمائی آج کل تو اہل دنیا بلکہ بعض نیم ملاں ایسے حضرات کو دیوانہ کہتے ہیں اور حقیقت میں بشارت کمال ایمان کی دیتے ہیں۔ **قال صلی اللہ علیہ وسلم اکثرواذکر اللّٰہ حتی یقولوا انہ مجنون کذا فی الحصن ولا یخفی کون الوراع ذاکرا حکما بل المتقی ایضاً ذاکر حکما کما صرح بہ فی شرح الحصن فکیف بالوراع الذی یتوقف عند الشبھات و ھٰذا تفسیر الوداع ورد فی المرفوع** ۔اور مشتبہ مال سے قے ہو جانا ایک حالت ہے جو اتقیاء کے لئے لازم نہیں ہاں اچھی علامت ہے ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ متقی کو یہ حاصل نہ ہو اور ادنیٰ کو حاصل ہو جائے **ولا دخل لہ فی التقرب و انما الدخل فیہ للتقویٰ والورع۔**

(۹۲) فرمایا کہ شاہ صاحب موصوف کے بھائی حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب کے وعظ میں ایک بھنگن آئی آپ نے اُس کو خطاب کر کے تبلیغ اسلام فرمائی اُس نے کہا کہ اگر آپ مجھ سے نکاح کر لیں تو میں مسلمان ہو جاؤں تا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں رہوں ورنہ مسلمان نہ ہوں گی۔ فرمایا کہ بہت خوب چنانچہ اُس کو مسلمان کر کے نکاح کر لیا اور وہ پارسا بیوی ہو گئیں حالانکہ اس شرط کا قبول کرنا واجب نہ تھا اور جب شاہ صاحب سے اس باب میں کہا گیا تو فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو مجھ سے فرماویں کہ ایک فعل جو تمہارے اختیار میں تھا اور اُس سے ایک شخص موحد ہوتا تھا تم نے نہ کیا۔

(ف) غیر واجب سے سوال بطور محبت نہ بطور عتاب وغضب ممکن ہے اور اس طریق پر ایمان لانا دنیا اور عقبیٰ میں مقبول ومفید ہے گو اخلاص للہ نہ ہونے کی وجہ سے گناہ بھی ہو جیسے موکفۃ القلوب کا ایمان مگر ایمان لاتے ہی وہ گناہ بھی معاف ہو جاوے گا ''لان الاسلام یهدم ما کان قبله من حقوق الله تعالیٰ و هو منهما و الله تعالیٰ اعلم''۔

(۹۳) فرمایا کہ حیدرآباد سے ایک شخص نے لکھا کہ آپ نے اپنے بھتیجے مولوی شبیر علی صاحب کی شادی کس طرح کی تھی میں بھی اسی طرح اپنے فرزند کی شادی کرنا چاہتا ہوں میں نے جواب لکھا کہ تم جو جو اُمور شادی میں کرنا چاہو اُن کی بابت استفتاء کرلو جو جائز ہوگا اس کی اجازت دے دی جاوے گی جو ممنوع ہوگا اُس سے منع کیا جاوے گا جو مناسب ہوگا اُس میں مشورہ دے دیا جاوے گا پھر فرمایا کہ اس جواب کی وجہ یہ ہے کہ میرا فعل حجت شرعیہ نہیں میں نبی یا معصوم نہیں ہوں جو شریعت کا حکم ہو وہ مجھ سے دریافت کرنا چاہئے نیز اگر بڑا اتباع کا شوق ہے تو یہاں آکر رہنا چاہئے۔

(ف) حضرت والا نے اس شادی کا خود انتظام فرمایا تھا جو بہت ہی سادہ اور موافق سنت کے تھا مگر سائل کو اس حالت کا دریافت کرنا نامناسب تھا نیز ان اُمور کا جو از قبیل واقعات ہیں محفوظ رکھنا یا اُس کی تفصیل لکھنا ایک کثیر المشاغل شخص کو کیسے ممکن اور سہل تھا۔ نیز اس سے بڑھ کر اور ضروری کام موجود ہیں جن سے فرصت نہیں ہوتی اس وجہ سے جواب مذکور مرحمت فرمایا اور تعلیل بھی فرمادی۔ قلت لا یخفی لطائف انتظامهم علیٰ من صاحبهم و هم مصداق هٰذا القول ؎

هیهات لم یات الزمان بمثله ان الزمان بمثله لبخیل

(۹۴) فرمایا کہ لوگوں سے جو افعال مذمومہ سرزد ہوتے ہیں میں اُن کے منشاء کی طرف نظر کرتا ہوں کہ یہ فعل کون سی خباثت باطنی سے صادر ہوا اُن افعال کی طرف زیادہ میری توجہ نہیں ہوتی اس لئے کہ مادہ کا استیصال اہم ہے اور اتفاقاً کسی مذموم فعل کا صادر ہو جانا اس قدر مذموم نہیں ہے اسی لئے میں اُس کا انسداد اہتمام سے کرتا ہوں

اور دوسرے اہل الرائے اُن افعال کو دیکھتے ہیں اور اُن کے خفیف ہونے کے سبب میرے اس اہتمام پر متعجب ہوتے ہیں۔

(۹۵) فرمایا کہ کسی معاملہ کے متعلق خود اُسی معاملہ والے سے مسئلہ دریافت کرنا نامناسب ہے اس لئے کہ جب اہل معاملہ ہی سے مسئلہ دریافت کیا جاوے اور پھر اُسی کے ذریعہ سے اس شخص پر الزام قائم کیا جاوے تو یہ سوال بُری غرض سے ہوا۔

(ف) قال الجامع۔ اور اگر مسئول عنہ متدین نہ ہو اور کسی طرح سے اُس کو معلوم ہو جائے کہ یہ مسئلہ مجھ ہی پر مشق کرنے کے لئے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اظہار حق میں بھی کوتاہی کرے تو عجب نہیں۔

(۹۶) فرمایا کہ آج کل مشائخ کے ہاں اصلاح اخلاق کی طرف توجہ نہیں میں اس بارے میں بہت زیادہ اہتمام رکھتا ہوں کیونکہ بداخلاقی سے لوگوں کے حقوق تلف ہوتے ہیں جن کے مواخذہ سے بچنے کیلئے توبہ بھی کافی نہیں تاوقتیکہ اہل حق اپنا حق معاف نہ کرے۔

(۹۷) فرمایا کہ کبھی مجرم کے نفس کا علاج یہ بھی ہے کہ اُس کو اعلانیہ نصیحت کی جاوے تاکہ رُسوائی سے اُس میں تذلل اور تکسر پیدا ہو۔

(۹۸) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ایک گھوڑا بطور صدقہ کے دیا تھا پھر اُس کو بکتے دیکھا چاہا کہ خود خرید لیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عودفی الصدقہ کی بناء پر اس سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ میں اگر احتمال بھی دباؤ کا ہو جیسا اس بائع میں احتمال تھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رعایت محض اس لحاظ سے کرتا کہ اِن ہی کا تو دیا ہوا ہے ان سے کیا مماکستہ کروں تو ایسی صورت میں ایسے لحاظ و وجاہت سے منتفع ہونا اور دباؤ کے شبہ سے بھی رعایت کے شبہ کا قبول کرنا شرعاً ناپسند ہے، بہت زیادہ خیال کرنے کی بات ہے، بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

(۹۹) فرمایا کہ آج کل ایسا نازک زمانہ ہے کہ کسی کے معاملہ کے درمیان میں پڑنے سے بجز رنج اور کچھ نہیں ہوتا اور نہ فیصلہ شرعیہ پر لوگ رضامند ہوتے ہیں تمام عمر

میں ایک فیصلہ کر کے میری طبیعت خوش ہوئی وہ یہ کہ ایک لڑکی کا نکاح ہو گیا تھا پھر اُس میں جھگڑا ہوا کہ استیذ ان ولی پر آیا اُس نے سکوت کیا تھا یا انکار اور اس لئے آیا نکاح جائز ہوا یا نہیں اور معاملہ بہت بڑھا اور میرے اُوپر مدار فیصلہ کا ٹھہرا۔

میں نے اوّل اُس لڑکی کے بیانات لئے اور اُس کو حق بات کہنے پر بہت کچھ ترہیب وتخویف کی چنانچہ اُس نے پورا حال بیان کر دیا اور میرے اور اُس کے درمیان میرے گھر میں بات چیت کرنے والی تھیں چنانچہ عدم جواز نکاح ثابت ہوا پھر بھی اَمر واقعی میں مجھے اطمینان نہ ہوا اس لئے احتیاطاً یہ کیا کہ ناکح سے کہا کہ عدم نکاح تو ثابت ہو گیا ضابطہ سے لیکن اگر فی الواقع ہو گیا ہو تو تم طلاق دے دو اُس میں تمہارا کچھ ضرر نہیں اور لڑکی سے معافی مہر کی میں نے وکالت حاصل کر لی کہ اگر نکاح ہو گیا ہو تو میں نے مہر معاف کیا چنانچہ ایک طرف سے طلاق اور دوسری طرف سے معافی مہر واقع ہو گئی اور یہ سب تقریباً ایک گھنٹہ کے اندر ختم ہو گیا۔

(۱۰۰) فن تجوید کا یہ قاعدہ ہے۔

بعد تنوین کے جو ساکن حرف ہو نون کو تنوین کے تم زیر دو

جیسے اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا تو ایسے نون کو بعض قراء اپنی اصطلاح میں نون قطنی کہتے ہیں جس کی وجہ تسمیہ یہ خیال میں آئی جس طرح قطن یعنی روئی دو کپڑوں کے درمیان ہوتی ہے اسی طرح یہ دونوں کلموں کے یا اُن دو کلموں کے طرفین کے درمیان ہوتا ہے ایک کلمہ کی طرف اخیر اور دوسرے کلمہ کی طرف اوّل کے درمیان جیسے مثال مذکور میں اموال یا اُس کے لام اور اقترفتموہا یا اُس کے قاف کے درمیان میں کہ بوجہ سقوط ہمزہ وصل کے وہ قاف ہی طرف اوّل ہے نون واقع ہوا ہے۔

(۱۰۱) لفظ تنوین مصدر جعلی ہے نون سے یعنی نون را ظاہر کردن۔

(۱۰۲) فرمایا کہ لفظ ان (بمعنی اگر) بعض مواقع میں وان (اگرچہ) کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۱۰۳) ۲۴ ذی الحجہ۔ فرمایا کہ کھانا جلد جلد کھانا چاہئے تاکہ رغبت اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ظاہر ہو اور اعراض سے کھانا اور بے پروائی سے کھانا کفران نعمت الٰہیہ ہے اور اسی لئے جلدی کھانا سنت بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔

(۱۰۴) فرمایا کہ مجلس میں جب کھانا کھلایا جاوے اور چند آدمی شریک طعام ہوں اور بعض کے پاس کھانا پہنچ چکا ہو اور بعض کے پاس کچھ بھی کھانا نہ پہنچا ہو تو اُس وقت بغیر اجازت میزبان کھانا نہ کھانا چاہئے اور اگر سب کے پاس کھانا پہنچ چکا ہو یا بعض کے پاس کچھ ایک قسم کا اور دوسرے کے پاس دوسری قسم کا کھانا پہنچ گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں تاخیر نا مناسب ہے اور بلا اجازت کھانا درست ہے اس لئے کہ بدلالت حال اجازت ثابت ہے اور تاخیر بلا ضرورت نا مناسب البتہ اگر کہیں عُرف سے دونوں صورتوں میں اذن دلالۃً نہ ہونا معلوم ہو تو دونوں صورتوں میں اذن صریح کی حاجت ہے۔

(۱۰۵) فرمایا کہ جس میزبان سے غایت بے تکلفی ہو اُس سے مہمان کو کسی اُمر کی فرمائش کر دینا غیر مناسب نہیں مگر عین وقت پر فرمائش نہ کی جاوے اس لئے کہ اگر بندوبست نہ ہو سکا تو میزبان کو افسوس ہوگا کہ پہلے سے معلوم ہوتا تو بندوبست کر دیا جاتا اور جہاں بے تکلفی نہ ہو فرمائش نہ کرے۔

(۱۰۶) فرمایا کہ میزبان کو کھانا کھانے کے وقت مہمان کی طرف زیادہ دیکھنا اور اُس کے پاس بیٹھ کر اُس پر اصرار کرنا کہ یہ کھاؤ وہ کھاؤ نا مناسب ہے بعض اوقات مہمان اس سے شرما جاتا ہے پس یا تو خود ہمراہ بیٹھ کر کھانے میں لگ جاوے یا سب چیزیں رکھ کر علیحدہ ہو جاوے غرض مہمان کو بہت بے تکلفی سے کھانے دینا چاہئے۔

(۱۰۷) فرمایا کہ رؤساء کے ہاں بڑا سخت عیب ہے پانی وغیرہ کے لئے اُن کے نوکر کھڑے رہتے ہیں جس سے مہمان بے تکلف ہو کر کھانا نہیں کھا سکتا۔

(ف) اگر گرمی کا موسم ہو اور پانی پہلے سے رکھنے سے گرم ہو جاوے تو تھوڑی

تھوڑی دیر میں پانی کی خبر لے لینا مضائقہ نہیں۔

(۱۰۸) فرمایا کہ حضرت فرید الدین عطار قدس سرہٗ بڑے عارف بلند نظر درویش ہیں ان کی ثناء مولانا رومی رحمہ اللہ نے جو بہت بڑے محقق عالم اور محقق درویش اور بڑے محتاط ہیں فرمائی ہے۔

(۱۰۹) فرمایا کہ جب دل کے اندر محبت الٰہی اور درد ہوتا ہے تو ایسے شخص کے کلام کا اثر دوسروں پر ضرور پڑتا ہے اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی بات کہے پھر فرمایا کہ ایک بزرگ کے صاحبزادے نے بہت سنوار کر اور مزین کر کے وعظ میں مضامین بیان کئے کچھ اثر نہ ہوا اور اُنہوں نے خود فقط یہ بات بیان کی کہ رات نفل روزہ کا قصد تھا اس لئے دودھ رکھ لیا تھا اُس کو بلی پی گئی اتنی بات کہی تھی کہ لوگ رونے پیٹنے لگے۔

(۱۱۰) فرمایا کہ مثنوی شریف کے معمولی مضمون میں بھی خاص اثر ہے۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ مراقب ہو کر بے ساختہ مضمون فرمایا کرتے تھے اور مولانا حسام الدین اُس کو تحریر فرمایا کرتے تھے۔

(۱۱۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں نے مؤمن خاں صاحب شاعر دہلی سے دریافت کیا تھا کہ مثنوی شریف کی شاعری کیسی ہے بعضے لوگ اُس کو ناقص کہتے ہیں فرمایا کہ اعلیٰ درجہ کی شاعری ہے جاہل اُس کو ناقص کہہ سکتا ہے پھر خود حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کہیں کہیں قافیہ وغیرہ میں نقص ہے تو غلط کتابت کی وجہ ہے یا بعض موقع پر جذبہ کی حالت میں کلام فرمایا ہے اور اُس میں اُس کی صحت کا لحاظ نہ ہو چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

قافیہ اندیشم و دلدار من　　گویدم مندیش جز دیدار من

(۱۱۲) فرمایا کہ میرا تجربہ ہے کہ قولی تعلیم اصلاح اخلاق میں مؤثر کم ہوتی ہے فعلی تعلیم زیادہ مؤثر ہوتی ہے وہ یہ کہ مستصلحین سے ایسا فعلی برتاؤ کیا جاوے جس سے اُن کو عمر بھر کو نصیحت ہو جاوے اور بے قاعدہ باتوں پر جرأت نہ کر سکیں۔

(۱۱۳) دو شخص کچھ ہدایا لائے جس میں ایک شخص علاوہ ہدیہ کے کچھ مدرسہ میں بھی دینا چاہتے تھے سب نے آ کر تحفے ایک مقام پر رکھ دیئے اور زبان سے دیر تک کچھ نہ کہا جب خود ہی حضرت مولانا نے دریافت فرمایا تب مفصل کیفیت بیان کی آپ نے وہ تحائف اور مدرسہ کے لئے جو کچھ دینا چاہتے تھے سب واپس کر دیا اور فرمایا کہ سرکاری خزانہ میں مال گذاری لے جا کر کیوں نہیں سکوت کیا جاتا۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم کے ساتھ ذلت کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور یوں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ طماع ہیں نذرانوں کے منتظر ہیں یوں خیال کریں گے کہ ہمارے ہی واسطے آیا ہوگا جو کچھ بھی رکھا ہے سو گو میں عاصی اور حریص ہوں اپنا تبریہ نہیں کرتا مگر آپ لوگوں نے کیسے سمجھا کہ میں آپ کے اموال کا منتظر ہوں اِن شاءاللہ تعالیٰ ذلت گوارا نہ کروں گا گو کتنی ہی تکلیف ہو جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا اُن لوگوں نے معافی چاہی فرمایا کہ چونکہ تم کو دوستی کا دعویٰ ہے (اور طالب اصلاح ہو) اس لئے مجھے رنج بھی ہے اور اس کا علاج اور طریق اصلاح یہی ہے کہ اس وقت میں نہ لوں گا پھر جب قاعدہ سے دو گے لے لوں گا اور بہتر تو یہ ہے کہ آپ لوگ ہدایا وغیرہ کچھ نہ لایا کریں فقط دینی مسائل مجھ سے اور اللہ تعالیٰ کا نام دریافت کر لیا کریں آپ لوگ ہدایا دے کر ازدیاد محبت چاہتے ہیں اور آپ کے برتاؤ سے رنجش ہوتی ہے۔

(۱۱۴) علی گڑھ کالج کے متعلق ایک صاحب کا خط آیا تھا جس میں یہ مضمون تھا جو بقدر ضرورت نقل کیا جاتا ہے۔ ''مسلم یونیورسٹی کی تکمیل کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے اور اس کے لئے دو سو ممبر تجویز ہوں گے منجملہ اُن کے علماء میں سے بھی ممبروں کا انتخاب ہوگا سو میں ملتجی ہوں کہ آپ یہ ناچیز عہدہ منظور فرمالیں آپ پر قوم کا اعتماد ہے اور نئی روشنی والوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ آپ کے ذریعہ سے سب جاتی رہیں گی اور اگر آپ منظور نہ فرماویں گے تو حنفی گروہ کو بہت ضرر ہوگا اور وہ لوگ جو اس مجلس میں شریک ہیں حنفی گروہ میں سے۔ وہ اصلاح سے محروم رہیں گے''۔ اس کا

جواب جو حضرت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا وہ مندرجہ ذیل ہے:

''میرے دِلی عزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آپ نے جو مصلحت سمجھی ہے یہ آپ کی حُبِ دین کی بین دلیل ہے مگر عزیز من اس مصلحت سے بڑھ کر اس میں مفاسد نظر آتے ہیں صرف علماء کا تو اختیار ہوگا نہیں پھر علماء میں بھی اس وقت مختلف مسالک ہیں جب تک اہل حق کا عنصر غالب نہ ہو اُس وقت تک کثرت رائے سے جو فیصلہ غیر مشروع ہوا وہ سب کی طرف منسوب ہوگا دیکھ لیجئے اس کا اثر عام مسلمانوں پر کیا ہوگا البتہ کوئی ایسے صاحب علم اس کے ممبر ہو جاویں جن کی اقتداء نہ کی جاتی ہو تو وہاں یہ مفسدہ نہ ہوگا اور منفعت کی توقع ضعیف ومحتمل بھی ممکن ہے کبھی وقوع تک پہنچ جاوے وہ نافع بلاضرر ہے۔

(۱۱۵) فرمایا کہ مرید جب اپنا اعتقاد پیر سے علیحدہ کر دے تو وہ ارادت سے خارج ہو جاتا ہے اور پیر جب اُس کو اپنی مریدی سے نکالنا چاہے تو وہ نہیں نکال سکتا اس لئے کہ مدار اس کا عقیدت پر ہے اور وہ مرید کے اختیار میں ہے۔

(۱۱۶) فرمایا لوگ بیعت کو واجب یا موقوف علیہ نفع کا سمجھتے ہیں اس لئے یہ عقیدہ فاسدہ قابل اصلاح ہے پیروں کو چاہئے کسی کو بیعت کرلیا کریں اور کسی کو بغیر بیعت ہی تعلیم کردیں تاکہ اس عقیدہ کی اصلاح ہو جاوے اور لوگ سمجھ لیں کہ یہ ضروری اَمر نہیں ہے اور وصول الی اللہ تعالیٰ اس پر موقوف نہیں میں نے بعضے لوگوں کو طریقت کی تعلیم کی حتیٰ کہ وہ قابل اجازت ہوگئے اور اجازت دے دی گئی اس کے بعد اُن کو بیعت کیا گیا۔

(۱۱۷) فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ جب قلب میں پختگی اور ہمت ہوتی ہے اس کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے ورنہ اگر دل میں یہ صفت نہ ہو اور زبان سے اُس کا کیسا ہی اظہار ہو اثر نہیں پڑتا مگر متکلم کی یہ صفت شرط تاثیر ہے علت تاثیر نہیں۔

(ف) یہاں سے معلوم ہوا کہ نیکی کا اثر بھی دوسرے پر جب ہی ہوگا جبکہ اُس نیکی کرنے والے میں اخلاص ہوگا چنانچہ حدیث میں یہ مضمون آیا بھی ہے کہ عبادت کیسی ہی خفیہ کی جاوے وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے قالہ الجامع عفی عنہ۔

(۱۱۸) فرمایا کہ اگر فقہاء آج کل تشریف فرما ہوتے تو معاملات میں اور بھی بہت سہولت کی صورتیں استنباط فرماتے۔

(۱۱۹) فرمایا کہ مجھے بہت بڑے تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ آج کل کے ثقہ اور اتقیاء کی روایات و حکایات بھی اکثر غیر معتبر ہوتی ہیں نہایت تحقیق کے بعد ان پر عمل کرنا چاہئے۔

(ف):والناس عنه غافلون قاله الجامع۔

(۱۲۰) فرمایا کہ آج کل لوگ بڑی چالاکی کے کام کرتے ہیں ایک صاحب نے مجھ سے قرآن مجید کی سندھ لکھوائی چنانچہ میں نے جس طرح کہ مجھے حاصل ہے لکھ دی۔ انہوں نے قرآن مجید مترجم طبع کرا کر اخیر میں وہ سند نقل کردی جس کے اخیر میں میرا نام نہایت جلی ایک مُہر کی شکل میں لکھا جس سے ناظرین کو دھوکا ہوتا ہے کہ اس قرآن مجید کے تمام مضامین میرے ہی ہیں اور میرے پاس اس مضمون کے خطوط آتے ہیں سخت افسوس ہے لوگوں کو کیا ہوگیا ہے اگر یہ نیت بھی نہ تھی تب بھی اس صورت سے تحرز ضروری تھا اور ایک بار میں معلوم نہ ہوا تھا دوسری بار میں تو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔

الحمدللہ کہ حصہ دوم ملفوظاتِ خبرت اختتام کو پہنچا۔

بقیہ ملفوظاتِ خُبرت....(حصہ دوم)

(۱) فرمایا کہ کان پور میں ایک مسافر شخص آئے جو وجیہ اور ذی علم بھی تھے اور بیعت بھی کرتے تھے فصیح و بلیغ تھے عربی زبان بے تکلف بولتے تھے اُن کے ظاہری حالات دیکھ کر میں بھی معتقد ہوا اور میری وجہ سے اور لوگ بھی اُن کی طرف متوجہ ہوئے چند روز انہوں نے وہاں قیام کیا پھر اُن سے بعض ناشائستہ حرکات ظاہر ہوئیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ طالب دنیا اور غالباً جاسوس ہیں اور یہ سب ظاہری وضع اُن کا فریب تھا پھر وہ وہاں سے چلے گئے اور معلوم ہوا کہ کہیں شبہ میں خارج الارض کر دیئے گئے۔

(ف) بڑا نازک زمانہ ہے بڑے مکر و فریب پھیلے ہوئے ہیں اجنبی آدمی کیسا ہی صاحب وجاہت و تقویٰ ہو حُسنِ ظن تو اس سے رکھے تاوقتیکہ اُس سے کوئی معصیت ظاہر نہ ہو مگر اُس سے کوئی خصوصیت کا برتاؤ کرنا ہرگز نہ چاہئے دیکھئے محدثین نے خیر القرون میں بھی کس قدر تدقیق کی ہے شکر اللہ تعالیٰ سعیھم اور اب تو زمانہ کذب و فسق کا ہے۔

(۲) فرمایا کہ غیر خاندانی امراء میں حیاء و تمیز و سلیقہ کم ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اُن کی خوشامد کی وجہ سے اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں کوئی اُن کے خلاف نہیں کہتا گو وہ کیسی ہی بے موقع بات کہیں اور جہاں یہ بات ہوگی وہاں سلیقہ اور تمیز معدوم ہوگی۔

(۳) فرمایا کہ ایک بار حضرت مولانا شاہ رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ جبکہ بارش ہو رہی تھی اور طلبہ اپنی کتابیں اُٹھا رہے تھے طلبہ کی جوتیاں اُٹھیاں رہے تھے سبحان اللہ! کس درجہ کی تواضع تھی۔

(۴) فرمایا کہ ایک انگریز نے بعض علماء سے حقانیتِ اسلام کی دلیل

دریافت کی اُنہوں نے جواب دیا اُس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو ایک دلیل مذہب اسلام حق ہونے کی ہے اور وہ یہ کہ اگر اسلام حق نہ ہوتا تو امام غزالی جیسا کہ محقق اور مدقق آزاد شخص مسلمان نہ ہوتا۔

(ف) معلوم ہوا کہ اُس کے قلب میں حضرت امام علام کی بہت بڑی وقعت تھی۔

(۵) فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ پر کچھ مطاعن لکھے تھے اُس کتاب کے ایک دیکھنے والے کو اس باب میں سخت حیرانی ہوئی اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ ایک خنزیر کو جس کے گلے میں حسب دستور رسّی بندھی ہے اُس رسی سے پکڑے ہیں۔رائی نے اس کا سبب حضرت امام علام سے دریافت کیا فرمایا کہ یہی ہی صاحب مطاعن ہے جو مسخ کر دیا گیا تھا اور میرے اختیار میں دے دیا گیا ہے کہ میں جو چاہے سو کروں اس کا۔

(ف) آپ کے مناقب بہت ہیں "فضل الاحیاء" میں تفصیل ہے۔

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ۔

(۶) فرمایا کہ عموماً چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی لوگ صاف نہیں بیان کرتے قوت بیانیہ بہت کم ہوگئی ہے۔اصل مقصود بیان کرنے میں اکثر کمی رہ جاتی ہے۔

(۷) فرمایا کہ والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ لڑکی کی شادی (بشرط قدرت) امیر جگہ کرے اور لڑکے کی غریب جگہ کیونکہ دونوں صورتوں میں لڑکی جب اپنے میکے سے سُسرال میں زیادہ عیش دیکھے گی اور برتے گی شکر خداوندی بجالاوے گی۔

(ف) یہ مشورہ مفید ہے جبکہ اور کوئی مرجح اس اَمر پر نہ ہو مثلاً امیر جگہ لڑکی کی شادی کرنے سے لڑکی کی تذلیل ہو اور نباہ دُشوار ہو تو جیسا موقع ہو ویسا کرے۔

(۸) فرمایا کہ بھائی اکبر علی اور بعض دیگر دوستوں نے یوں چاہا کہ مجھ کو کچھ ماہانہ دیا کریں میں نے یہ منظور نہ کیا اس لئے کہ باقتضائے طبعی مجھے مہینہ ختم ہونے پر انتظار ہوتا کہ اب منی آرڈر وہاں سے چلا ہوگا اب یہاں پر آوے گا اور ظاہر ہے کہ یہ

نظر خالق سے ہٹ کر مخلوق کی طرف ہے دوسرے دینے والوں کو اس کا التزام کرنا پڑتا
کہ ضرور وقت پر پہنچانا چاہئے اور فکر ہوتی اور غیر ضروری بات کا بار ڈالنا میں کسی پر پسند
نہیں کرتا اور جو لوگ بلا میری اطلاع کے ایسا التزام کرتے ہیں اور قرائن سے مجھے
معلوم ہو جاتا ہے تو میں اُن کا ہدیہ واپس کر دیتا ہوں۔

(۹) فرمایا کہ مسائل اختلافیہ میں ائمہ نے اپنے مشائخ کے عمل کو افضل سمجھا اور
بمقتضائے حُسنِ ظن اُس کو احسن قرار دیا ہے اور اُس کے خلاف جو منقول ہوا اُس کو عارض
پر محمول کیا اور قطع نظر اس ترجیح بہ عمل مشائخ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں طرح عمل جائز
ہے ہاں کوئی خاص مرجح پایا جاوے وہ اَمر دیگر ہے۔ ۱۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ۔

(۱۰) فرمایا کہ میں بازار وغیرہ کی طرف نکلتا ہوں مگر اپنے ہاتھ سے سودا اس
وجہ سے نہیں خریدتا کہ لوگ میرے ساتھ رعایت کریں گے تعظیم و تکریم کریں گے اور
ان اُمور سے اُن کو کسی درجہ میں تکلیف ہوگی اور سودا لینے میں مجھے کچھ عار نہیں۔ میں کیا
چیز ہوں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ کام کیا کرتے تھے۔

(ف) یہ کمال حقیقی کی دلیل ہے حضرات اہل اللہ تعالیٰ دین کو حصول دنیا
کا آلہ نہیں بنایا کرتے۔ بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کو کسی درجہ میں
بھی آلہ دنیا قرار دینا قطع نظر مذموم شرعی ہونے کے دنیا کے اعتبار سے بھی بہت بُرا
اور ذلت ہے کہ ایسی نفیس شئے کے عوض نہایت حقیر اور فانی چیز خریدی جاوے اہل
کمال اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔

(۱۱) ایک بار ایک ڈپٹی صاحب نے جن سے اور حضرت والا سے غایت بے
تکلفی تھی آپ کو ایک تاریخ معین پر مدعو کیا آپ نے منظور فرما لیا پھر ڈپٹی صاحب نے
تحریر کیا کہ میں فلاں جگہ جاتا ہوں اگر تاریخ مذکور پر میرا قیام مکان پر نہ ہوا تو آپ کو اس
تاریخ پر تکلیف نہ دوں گا اور اس اَمر سے مطلع کروں گا اور جو میری کوئی اطلاع نہ آوے
تو آپ حسب قرارداد تشریف لے آویں مگر حضرت والا اُس تاریخ پر بوجہ احتمال عدم

موجودگی داعی کے تشریف نہ لے گئے کیونکہ جناب والا کو اعلیٰ درجہ کا تجربہ ہے لوگوں کی بے انتظامیاں معلوم ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُنہوں نے تاریخ پر اپنے موجود نہ ہونے کی اطلاع بھی نہ دی اور موجود تھے بھی نہیں۔ اگر حضرت تشریف لے جاتے تو کیسی پریشانی ہوتی انگریزی فیشن کے لوگ بڑی مدعی انتظام ہیں یہ کیفیت ہے ان لوگوں کی واقعی تمام اُمور دینی ودنیاوی کو اہل دین عامل پر سنت ہی انجام دے سکتے ہیں۔

(۱۲) آپ نے اپنے ایک اخص عزیز کی نسبت بیان کیا جن سے آپ کو بہت بڑی محبت تھی کہ وہ جب عقائد فاسدہ میں مبتلا ہوئے تو میں نے لکھ دیا کہ ہم کو تم سے کچھ واسطہ نہیں جب تک اپنے عقائد درست نہ کرلو چنانچہ اُن کے عقائد درست ہو گئے اسی طرح وہی عزیز ایک ایسی جائیداد کو جو مملوکہ واہل قرابت یتامیٰ تھی اور اُن کی جائیداد میں مشترکہ تھی اور وہ حصول سے زیادہ اُن یتامی عزیزوں کو دے دیتے تھے مگر باقاعدہ جائیداد کو علیحدہ نہیں کرتے تھے اور جُدا اُس کے محصول کا بندوبست اور حساب کتاب نہیں کرتے تھے تب بھی میں نے اُن سے کہہ دیا کہ تم کوئی چیز ہم کو ہدیہ نہ بھیجا کرو جب تک کہ اس جائیداد کو منفصل نہ کردو اِس لئے کہ شرعی حکم یہی ہے معاملات صاف رہنے چاہئیں پس اُنہوں نے وہ جائیداد باقاعدہ علیحدہ کردی۔

(ف) اس قصہ سے اُن صاحب کی نیک بختی اور فہم اور محبت اہل قرابت اور حضرت والا کا کمال بغض فی اللہ تعالیٰ ثابت ہوتا ہے جو بہت بڑی چیز ہے اور آج کل گویا کہ مفقود ہے۔ ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ۔

(۱۳) فرمایا کہ تجربہ ہے کہ مٹی کے برتن میں اگر شربت کیا جاوے تو وہ خراب ہو جاتا ہے اور اس قابل نہیں رہتا جو اس میں پانی لے کر وضو کیا جاوے اور دھونے سے بھی درست نہیں ہوتا۔ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

(۱۴) فرمایا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جو لوگ ابتداءً ذکر و شغل کرنا چاہیں اُن کو رمضان میں اس کا شروع کرنا نا مناسب ہے اس لئے کہ اس مہینہ میں تغیر

حالات کی وجہ سے ثمرات پورے طور پر مرتب نہیں ہوتے جس سے طالب بددل ہو جاتا ہے اس ماہ میں وہ کام کرنے مناسب ہیں جو سنت ہیں جیسے تلاوت قرآن، نوافل وغیرہ اور ذکر وہیئت معروفہ شغل کو عبادت ہے مگر مقصود لغیرہ ہے۔

(۱۵) فرمایا کہ مجھ کو ذکر کرنے کی (بوجہ کثرت مشاغل دینیہ معتد بہ توفیق نہیں لیکن دل چاہتا ہے اور ایام صیام میں دل بھی نہیں چاہتا اس لئے میں نفل روزہ نہیں رکھتا۔

(ف) شیخ کو ذکر کرنا یا اس کا عزم رکھنا (بحالت معذوری) تعلیم طالبین میں باعث برکت ہے اور ذکر کو دل چاہنا یہ بھی گویا ذکر ہی ہے اس واسطے جناب والا نے اس کا لحاظ فرمایا قالہ الجامع عفی عنہ۔

(۱۶) فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب مرحوم معقولی خیر آبادی فرماتے تھے کہ میں عقلیات میں مولانا اسمٰعیل صاحب شہید قدس سرہٗ سے بحث کرنے پر قادر نہیں ہوں۔

(۱۷) فرمایا کہ مولانا عبدالقیوم صاحب (جو شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے خاندان میں سے ایک بزرگ عالم تھے) سے بھوپال میں عناداً کسی نے کوئی سوال کیا تو جناب نے جواب دیا کہ بھائی میرے والدین نے مجھے علم عمل کرنے کے لئے پڑھایا تھا نہ کہ جھگڑا کرنے کیلئے جو مجھے معلوم تھا وہ میں نے بتلا دیا اگر تشفی نہ ہو کسی اور سے دریافت کرلو۔

(۱۸) فرمایا مولانا عبدالقیوم صاحب سے کسی نے کوئی سوال کیا مولانا نے جواب دیا سائل نے کہا کہ یہ مسئلہ حدیث میں مذکور ہے یا نہیں فرمایا کہ میں نو مسلم نہیں ہوں جو حدیث تلاش کروں میرے باپ کا اسی پر عمل تھا اور انہوں نے میرے دادا کو اسی پر عمل کرتے ہوئے دیکھ کر خود یہ عمل اختیار کیا تھا اسی طرح اور میرے اجداد نے اپنے بزرگوں سے حاصل کیا حتیٰ کہ یہ سلسلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا جو ہمارا معمول ہے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

(ف) سبحان اللہ! کیا عمدہ جواب ہے شریعت اور عرف کے موافق لکنہ

مقصور على العوام والسائل كان منهم تامل۔

(۱۹) فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رحمہ اللہ جب جہاد کو تشریف لے گئے ہیں تو فرما گئے تھے کہ اگر زندہ واپس آیا تو منطق کو ایسا سہل کر دوں گا کہ بنات بقال اپنی دکانوں پر بیٹھ کر اس کو سمجھ لیں گے مگر حضرت شہید ہو گئے۔

(۲۰) سئل عن الفرق بين المسئلتين حيث رتب على احدهما العذاب و على الاخر الثواب مع ان الاوّل كالثانى و بيانهما ان من صام يوم الشك مطوعا و عزمه التطوع لا غير فصومه هذا افضل من افطاره فى ذلك اليوم مع انه يخطر بباله نيته الترديد بين فرض الصوم و بين تطوعه و ان لم يعزم عليه و فى الحقيقة و هو الباعث على الصوم للذى لم توافق عادته للصوم فى ذالك اليوم و قد نهى عن يوم الشك ومحمل النهى الصوم بنية الفرض فهذا الصوم رتب عليه الثواب لانه عمل بالاحتياط فهذا بيان المسئلة الاولىٰ والثانية ما نسب الى بعض الفقهاء رحمهم الله أنه كان يهب ما له النصابى لزوجة فى اثناء الحول ثم تهب له ذلك المال بعد مضى ذلك الحول فلا تجب عليه الزكٰوة ولا عليها سابحه الله تعالىٰ عنهما و هذاالفعل لا يخلو عن المعصية مع ان الظاهرة ان عزمه كان للهبة و ان خطر بباله ان هذاالطريق لمنع الزكٰوة فرتب عليه العذاب فاجاب عن هذاالاشكال ان الخطور فى القلب باى شئ كان لااعتبار لم انما ترتب الثواب والعقاب على الغزم والفرق بينهما ان ذلك الصائم عمل بالاحتياط و كونه خير الايخفى وهو الباعث له على عزم التطوع والثانى قصد المنع عن الزكٰوة وهوالباعث له على الهبة و كونه شرا غير خفى و فيه ابطال لاعمال الشرع مجملا و هو معصية

فمن هذا الوجه رتب عليه العقاب تامل فانه عزيز واما القصة فالله تعالیٰ اعلم بصحته و انما نقلته لترتب حكم الشرع عليه.

(۲۱) فرمایا کہ جذامی شخص کو حکم ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت جس کو یہ مرض تھا طواف کر رہی تھی آپ نے فرمایا کہ اے اللہ کی بندی اپنے گھر میں بیٹھ اور لوگوں کو ایذاء نہ دے چنانچہ وہ چلی گئی پھر جوش میں کسی موقع پر حج کو آئی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا تھا تو ایک شخص نے کہا کہ وہ شخص مر گئے جو تجھے طواف سے روکتے تھے اب خوب جی بھر کر طواف کر لے اُس نے جواب دیا کہ وہ ایسے نہ تھے کہ اُن کا حکم اُن کی زندگی میں مانا جاوے اور بعد وفات ترک کیا جائے میں تو اس خیال سے آئی تھی کہ معافی چاہ لوں گی پھر وہ چلی گئی اور کبھی نہ آئی۔

(۲۲) مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ایک کوڑھی ہمارے پاس آیا ہم کو وہ حدیث یاد آئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوڑھی کے ہمراہ کھانا کھانا مروی ہے سو ہم نے بھی اُس کے ساتھ کھانا کھایا اتباع سنت کی برکت سے وہ شخص اچھا ہو گیا۔

(ف) اس میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی قوت توکل اور بے نفسی ظاہر ہے کہ برکت کو اپنے فعل کی طرف منسوب نہ کیا بلکہ اتباع سنت کی طرف منسوب کیا۔

(۲۳) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اگر کسی بات کا پوشیدہ رکھنا ہو تو یا تو کسی سے ظاہر نہ کرے یا چند لوگوں سے ظاہر کر دے اس صورت میں لوگ اس راز کا افشاء نہ کریں گے اس لئے کہ وہ سمجھیں گے کہ اگر یہ بات قابل پوشیدگی ہوتی تو اس طرح ظاہر نہ کی جاتی پس اُن لوگوں کے سوا اور کسی کو ظاہر نہ ہو گی۔ (۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ)

(۲۴) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کا قصد کیا خواب میں دیکھا کہ چند عربی خوان ملازمان سرکاری کے گلے میں خنزیر لٹکائے گئے

ہیں اُنہوں نے خواب میں کسی سے پوچھا کہ فلاں فلاں ملازمان سرکاری اس جماعت میں نہیں ہیں جواب ملا کہ یہ حالت فقط عربی خوان ملازمان سرکار کے لئے تجویز کی گئی ہے نہ کہ کُل ملازمان سرکاری کے لئے بیدار ہو کر پریشان ہوئے اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں خواب عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ میں معاش کی کیا صورت اختیار کروں مولانا نے فہم سلیم سے سمجھا کہ دینی خدمت سے ان کو شوق نہیں معلوم ہوتا پس طب حاصل کرنے کی رائے دی چنانچہ اُنہوں نے طب پڑھی اب طب کے ذریعہ سے بہت کچھ کماتے ہیں اور دینداری کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔

(ف) **القصتفیه عبرة عظیمة و تلک الاجارة حببة مزینة بلذهب و فضة ظاهرها محبوب خادعٌ و باطنها ملموم سم قاتل فالحذر کل الحذر۔**

(۲۵) فرمایا کہ اکثر بزرگوں نے وفات سے کچھ قبل بیعت چھوڑ دی ہے بوجہ ارتفاع تعلقات اس عالم کے اور دیگر اُمور بھی مثل قبول ہدایا وغیرہ بھی ترک کر دیئے۔

(ف) جامع کہتا ہے کہ یہ حالت غلبہ تعلقات عالم بالا کی وجہ سے ہو جاتی ہے اس کا ہونا ہر بزرگ کیلئے ضرور نہیں۔ **و هذه حالة الغلبة و لیس فیها کمال لانه لم یصی صلی اللّٰہ علیه وسلم بمثله فی قرب و فاته و حاله کان اکمل الاحوال ۔**

(۲۶) ابوداؤ میں تمیم مجروح کے باب میں ہے ایک حدیث ہے اور ضعیف ہے اس کے ظاہر مضمون سے جمع بین الغسل ہیں بالفتح والتیمم فی حالة واحدة مستفاد ہوتا ہے ہو مذہب الامام الشافعی رحمہ اللہ مولانا صاحب نے ضعف سے قطع نظر کر کے اس کے دو جواب دیئے ایک تو یہ کہ یہ مضمون قرآن مجید کی آیت تیمم کے خلاف ہے کہ وہاں عدم وجدان ماء کی حالت میں فقط تیمم مذکور ہے دوسرے بسہولت دو حالتوں پر محمول ہو سکتا ہے لہٰذا اس ظاہر پر عمل متعذر ہے اور اس کی تفصیل احیاء السنن میں تحریر کر دی گئی ہے پھر ایک شبہ ہوا کہ کوئی کہہ سکتا ہے نبیذ کے موجود ہوتے ہوئے حنفیہ جمع بین الوضوء والتیمم کے قائل ہوئے ہیں جیسا کہ فقہ میں مذکور ہے اور یہ بھی قرآن مجید کے خلاف ہے سو جواب یہ فرمایا

کہ قرآن مجید کی مخالفت جب ہو جبکہ یقیناً ماء مطلق میسر ہو اور پھر تیمم کیا جاوے اور جبکہ ماء مطلق ہونے میں نبیذ کے شک ہے تو پھر مخالفت کہاں لازم آئی تامل۔

(۲۷) فرمایا اپنے مُلک میں جو خطرناک واقعات ہو جاتے ہیں لوگوں کے قلب پر اُس کا اثر کم ہوتا ہے اور غیر ملک میں جو تھوڑی سی بھی بے اعتدالی ہوتی ہے وہ بڑی گراں معلوم ہوتی ہے چنانچہ سفر حج میں بدویوں کی بے اعتدالی بڑی گراں معلوم ہوتی ہے اور ہندوستان میں بہت سے اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں وہ ایسے گراں نہیں معلوم ہوتے۔

(ف) یہ شیطانی وسوسہ ہے کہ اس مبارک سفر کے مشاق کو مُستحضر کر دیتا ہے تا کہ لوگ پست ہمت ہو کر اس نعمتِ حج سے محروم رہیں اس سے بڑا اجتناب چاہئے اور خاصان خدا تعالیٰ پر تو اکثر اس بے حیاء کے اس اغواء کا اثر نہیں پڑتا قال الله تعالیٰ و لیس سلطانه علی الذین اٰمنوا و علی ربهم یتو کلون۔

(۲۸) قد سئل عن الحکم بقانو ن النصاریٰ المخالف للشریعة فی الهند لقبول قضائهم علی شرط الحکم بقوانینهم و عدم القدرة بخلافه فاجاب و اجاد بما حاصله انه جائز اما اَوّلاً فان المقصود من ذلک القضاء هو احیاء الحقوق لاالحکم بقانونهم فیجوز نظرا الی اصل المقصود اذا کان لا یقدر علیه بالطریق المشروع والحکم بها انما وجد ضمنا لا قصدا و اما ثانیا انه تعالٰی ذکر فی سورة یوسف "وما کان لیاخذه اخاه فی دین الملک لخ و کذلک نجزی الظالمین" وهو یدل علی ان قانون الملک کان مخالفا لشریعة یعقوب علیه السلام و یوسف علیه السلام کان تابعا لذلک الملک فلا بد من اعتبار حکم یوسف علی قانون الملک بالفعل و بالقوة و ترک حکم الشریعة فی ذلک القانون ولم ینکر علیه فی شریعتنا فهو

حکم لنا ایضاً کما ثبت فی الاصول فثبت ان المطلوب اذا کان احیاء الحقوق و کان فی طریقة مخالفة للشرع ولم یکن قادرا علی العمل به فلا باس و غری هذاالاستدلال الی شیخنا العلامة محمد یعقوب قدس سرهٗ و اَما ثالثا ان المسلم الجاسوس لسان یبدل زیه و یختار زی الکفار فی دارالحرب لمصلحة المسلمین فکذلک یجوز هذا الامر الامذکور ایضاً و غره الی مولانا رشید احمد قدس سرهٗ و اما رابعا ان لم یقبل المسلمون قضائهم فی دیارنا کثر استیلاء الهنود علینا بقولهم ذلک و فیه مالا یخفے من الضرر الشدید تامل حق التامل .

(۲۹) ایک شخص نے درخواست بیعت کی مگر یہاں آ کر کئی روز کے بعد اس عرصہ میں محض سکوت اختیار کیا کوئی مقصود ظاہر نہ کیا دریافت کرنے پر درخواست مذکور ظاہر کی اور بہت بڑی عبارت سے جس کے غیر مہذب اور بے موقع ہونے کا خود حضرت والا نے انہی سے اقرار لیا اور اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ میں کتابیں ختم کر کے آیا ہوں حضرت نے فرمایا کہ بڑی بڑی کتابوں کے نام لو۔ کہا ہدایہ تمام کی ہے اور دورہ حدیث شریف ختم کرلیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اُصول میں کیا پڑھا ہے بہت دیر کے بعد کہا حمد اللہ حضرت کو بہت ناگوار ہوا اور فرمایا کہ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حمد اللہ کس فن میں ہے اگر آپ کو بیعت ہونا ہے تو کتابیں عمدہ لیاقت سے پڑھ کر آیئے جب بیعت کروں گا نیم مُلّا خطرۂ ایمان ہوتا ہے یا تو عالم کامل ہو یا غیر ضروری علم بالکل نہ پڑھا ہو جب کام چلتا ہے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے حضرت نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ نصیحت کی وہ اِس اُمید پر کی تھی کہ آپ اس کو مان لیں گے اور اب آپ مانتے نہیں لہٰذا سب میرا کہا سُنا معاف کر دیجئے یا بدلہ لے لیجئے کیونکہ اجنبی آدمی کو کچھ کہنا سُننا مناسب نہیں جو طالب اِصلاح ہو البتہ اُس کو جو کچھ مناسب ہو کہا جاوے مضا نقہ نہیں اور فرمایا کہ لوگ میری بد اخلاقی مشہور کرتے ہیں اگر بد اخلاقی کی وجہ بھی مشہور

کریں تو بہتر ہوتا کہ سامعین کو پورا حال معلوم ہو جاوے۔

(ف) اس مضمون سے حضرت کی کس قدر تواضع اور شفقت علی الخلق ظاہر ہے۔

(۳۰) مضمون ذیل تحریر فرما کر عنایت فرمایا کہ ملفوظات میں درج کر دیا جاوے۔

"یک سوال به تحقیق صله با مسلم غیر مسلم آمده بود در جوابش نوشته شد ولا باس "بان یصل الرجل المسلم المشرک" قریبا کان او بعیدا محاربا کان او ذمیا واراد بالمحارب المستامن و اما اذا کان غیر المستأمن فلا ینبغی ان یصله بشیٔ کذا فی المحیط و ذکر القاضی الامام رکن الاسلام علی السعدی اذا کان حربیا فی دارالحرب و کان الحال صلح و مسالمة فلا باس بان یصله کذا فی التاتارخانیة عالمگیریة ج ۶، ص ۲۳۱."

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ باز سوالے از معامله باهمان جماعت مسالم غیر مسلم که میان اود جماعتے مسلم آویزش افتاده بود آمده جوابش بنهی از عذر بایں آیات داده شد " قال اللّٰه تعالیٰ "و ان استنصروکم فی الذین فعلیکم النصر الاعلی قوم بینکم و بینهم میثاق " وقال اللّٰه تعالیٰ " اوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا"　　فقط آخر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ ہجری۔

تمت

اِطلاع: چونکہ ملفوظات کا حصہ سوم مستقلاً شائع ہونا تجویز ہو چکا ہے
اس لئے آگے حصہ چہارم شروع کیا جاتا ہے۔

ملفوظاتِ خُبرت....(حصہ چہارم)

ملاحظہ ہو تمہید حصہ دوم

(۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے طبعی تعلق محبت ذات باری عز شانہ سے زائد ہے بنسبت تعلق طبعی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمایا کہ اوّل تو انسان عقلی تعلق کا مکلف ہے اور نیز اس حالت میں بھی جو کچھ تمہاری ہے کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ تعلق بذات باری تعالیٰ عین تعلق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ نیز یہ حالت اشبہ ہے حالت رسول اللہ سے کہ آپ کو بنسبت اپنے نفس شریف کے حق تعالیٰ سے زیادہ تعلق تھا۔

(۲) یہاں صبح کی نماز کے بعد فوراً مسجد میں چراغ گل کر دیا جاتا تھا اور پردے ایام سرما میں دروں کے آگے جب تک کہ مصلی دعا وغیرہ سے فارغ ہوں باقی رکھے جاتے تھے حضرت قبلہ نے ایک روز فرمایا کہ چراغ پردے اُٹھا دینے کے بعد گل کیا کرو تا کہ اتنی دیر بھی بوجہ اندھیرے کے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

(۳) فرمایا کہ درۃ المعارف ملفوظات حضرت شاہ غلام علی صاحب قدس سرہٗ میں خود شاہ صاحب کا یا کسی اور بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ یہ وظیفہ یعنی ''یا شیخ عبدالقادر شیئًا للّٰہ'' پڑھ رہے تھے تو غیب سے آواز آئی قل یا ارحم الراحمین

شیئا للہ اھ اوران وظائف کے پڑھنے والوں کو یہ تو سمجھنا چاہئے کہ جن حضرات کا اسم مبارک یہ لوگ وردزبان کرتے ہیں وہ کس نام کا وظیفہ بتایا کرتے تھے اور کس نام کے وظیفہ سے مقبول ہوئے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے اور تلاوت قرآن مجید سے پس وہی بات متبعین کو اختیار کرنا چاہئے اور جس کو ذرا بھی باطنی حس ہوگی اللہ جل شانہٗ کے نام کے سوا اور کسی نام کا وظیفہ پڑھتے وقت ضرور قلب میں کدورت پاوے گا۔

(ف) قال الجامع بلغني عن بعض اهل القلب انه وجده كذلك ۔

(۴) ۴ محرم رفرمایا کہ حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ اکثر غیر مقلدین کے مذہب کا حاصل مجموعۂ رخص ہے اھ۔ اور حضرت مولانا صاحب قبلہ نے فرمایا کہ متقدمین جو تقلید نہیں کرتے تھے تو بوجہ اتقاء کامل چونکہ اُن کا عمل بالاحوط ہوتا تھا اس لئے اُن کو تقلید شخصی کی حاجت نہ تھی وہ لوگ گویا سب علماء کے مقلد تھے اس لئے کہ خلافیات کی رعایت کرنے میں سب علماء کی تقلید کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔

(۵) ۵ محرم۔ فرمایا کہ ایک نواب نے مجھے آمد ورفت سفر کا جو صرف دیا تھا اس میں سے۔ ختم سفر پر بچ گئے تھے میرا معمول بقیہ کے واپس کردینے کا ہے مگر اُن کا واپس کرنا تو اُن صاحب کی شان کے خلاف تھا اور اس عمل سے اُن کی تحقیر ہوتی اور اُمراء کی تحقیر بلکہ کسی کی تحقیر جائز نہیں جیسے کہ کسی کی خوشامد بھی روا نہیں اور خود اس رقم کا رکھنا ذلت معلوم ہوتا تھا مگر اُن کی اجازت تھی اس لئے اُس رقم کو مرمت مسجد میں صرف کردیا اور رئیس صاحب کو اس تمام مضمون کے محصل کی اطلاع کردی۔

(ف) یہ ہے اتباع سنت اور تنزيل الناس منازلهم سبحان اللہ حضرت صاحب نائب صادق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں دامت فیوضہم وبرکاتہم زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۶) ۱۶ رمحرم۔ فرمایا کہ اب کی بار کان پور سے چلتے وقت میرے پاس تھے جس میں کچھ رقم تو لوگوں نے مجھ کو ہدیۃً دی تھی اور کچھ رقم مدرسہ (تھانہ بھون) کے لئے دی تھی جب میں واپس آنے لگا تو فیس منی آرڈر اپنے پاس سے دے کر رقم مذکور کا

منی آرڈر کرنے کے لئے ایک دوست سے کہہ آیا کیونکہ رقم کا اپنے ہمراہ ہونا بڑی تکلیف کا سبب ہے ہر وقت اس کی نگرانی کا خیال رہتا ہے حالانکہ روپیہ خود وقایہ جان ہے نہ کہ عکس اس لئے یہ خرچ میں نے گوارا کیا حالانکہ لوگ اس کو اسراف سمجھتے ہیں لیکن تامل کے بعد اس کا خیال نہیں ہوسکتا۔

(۷) فرمایا کہ سفر میں لوگ میرے آرام کا کچھ خیال نہیں کرتے دوپہر کے وقت بھی حاضرات کو بھی موجود کس وقت آرام کروں اور اگر چاہوں تو اُن کو روک بھی سکتا ہوں لیکن ایسا دل کہاں سے لاؤں اور ایسی زبان کیسے کرلوں یہ بھی ایک دینی خدمت ہے کہ مجھ سے ملنے کے بعد لوگوں کو ہدایت کا موقع تو مل جاتا ہے گو وہ اپنی بے پروائی سے اس طرف توجہ نہ کریں میری طرف سے تو کوتاہی نہیں ہوتی اور بعض مشائخ اپنی راحت کے واسطے جہاں جاتے ہیں پردہ ڈلواتے ہیں اور آرام کرتے ہیں ایسی صورت میں اُن کو راحت رہتی ہے لیکن دوسروں کو استفادہ کا موقع نہیں میسر آسکتا البتہ جس جگہ لوگوں کو کسی بزرگ سے اکثر ملنے کا موقع میسر آتا ہو وہاں تو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی ایک خاص وقت میں اُن سے نہ ملا جاوے پھر کسی دوسرے وقت مل لیا جاوے لیکن سفر میں تو یہ نہیں ہوسکتا بلکہ بعضے ملنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو ایک بار بھی ملنا بوجہ اپنے کاروبار اختیاریہ و اضطراریہ کے دُشواری سے میسر آتا ہے۔

(۸) ۱۹ محرم فرمایا کہ طالب علم اگر دو اَمر کا التزام رکھے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اچھا عالم ہو جاوے ایک تو بغیر مطالعہ سبق نہ پڑھے دوسرے جو کچھ اُستاد تقریر کرے اس کو غور سے سنے اور سمجھے۔ پھر اگر یاد بھی نہ رہے تو چنداں ضرر نہیں جب ضرورت تدریس کے وقت کتاب دیکھے گا اِن شاء اللہ تعالیٰ مطلب ذہن میں حاضر ہو جاوے گا۔

(۹) ۲۰ محرم۔ ایک صاحب نے ایک حرکت ناشائستہ کی وہ یہ کہ آکر حضرت کے سامنے کھڑے ہو گئے حضرت نے فرمایا کہ کچھ فرمایئے گا کہنے لگے جی ہاں فرمایا کہ کہنا تو بیٹھ کر بھی ممکن ہے پھر اس ایذاء دہ طریق سے کیا فائدہ عرض کرنے لگے کہ

معافی چاہتا ہوں فرمایا کہ میرے کہنے کا تو یہ جواب تھا کہ آئندہ ہم احتیاط رکھیں گے ایسا نہ کریں گے معافی سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میں نصیحت نہ کروں میں مواخذہ تو نہیں کرتا جس کے لئے معافی طلب کی جاوے۔

(ف) اور اگر ایذاء کی معافی چاہئے تھی تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ آئندہ احتیاط رکھوں گا اور اس وقت آپ کو جو تکلیف ہوئی اُس کی معافی دیجئے۔ قالہ الجامع۔

(۱۰) فرمایا کہ بزرگوں کی گستاخی سے بعضوں کا ایمان سلب ہو گیا ہے زمانہ ابتداء میں حضرت سیدنا و مولانا غوث اعظم قدس سرہٗ اور آپ کے ہمراہ ایک اور شخص مشہور با بن السقاء ایک مشہور بزرگ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے وہ شخص راہ میں کہنے لگے کہ میں تو اُن بزرگ کے امتحان کے لئے جاتا ہوں حضرت غوث پاک نے فرمایا کہ بھائی میں تو استفادہ کے لئے حاضر ہوا ہوں جب وہ شخص اور حضرت غوث پاک وہاں پہنچے۔ ان بزرگ نے (واقعہ مذکورہ بذریعہ کشف معلوم کر کے ۱۲۔ جامع) حضرت غوث پاک سے فرمایا کہ تم کو وہ رتبہ حاصل ہوگا کہ تم کہو گے قدمی علی ظھر کل ولی ﴿معناہ مذکور فی الکرامات الامدادیہ اوالکمالات الامدادیہ وغیرھا. ۱۲. جامع﴾ اور اُس شخص سے فرمایا کہ تو نصرانی ہو کر مرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۱۱) ۵ صفر۔ ایک صاحب نے عرصہ ہوا کہ خدمت والا میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ دریا پر سے میں بلا واسطہ کشتی وغیرہ خود پانی پر سے عبور کر گیا ہوں حضور والا نے تعبیر مرحمت فرمائی کہ تمہارا راہ طریقت بذریعہ جذب طے ہوگا۔

(۱۲) ۱۴ رصفر۔ فرمایا اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ دشمن سے تسامح کرنے اور اس کی شرارتوں کی طرف توجہ اور اس پر زجر نہ کرنے سے وہ شخص دلیر ہو جاتا ہے اس لئے ضرور مدافعت اور زجر کرنا چاہئے لیکن یہ قاعدہ اپنے عموم پر صحیح نہیں بلکہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ کفر اور اسلام کے باب میں تو یہ اصل صحیح ہے یعنی کافر کے کفر کی اگر مدافعت نہ کی جاوے (اور اسی طرح فاسق کے فسق کی مدافعت نہ کی جاوے) تو وہ ضرور دلیر ہو جاتا ہے

مگر اُمورِ دنیاوی میں تو تسامح کرنے سے دشمن بہت نرم ہو جاتا ہے یہ میرا تجربہ بھی ہے۔

(۱۳) فرمایا کہ پنجاب میں رسوم کا اتباع غایت درجہ کا ہے گویا کہ تکلف جبلی ہو گیا ہے اور میں چونکہ بے تصنع علماء کی خدمت میں ابتداء سے رہا ہوں اس لئے بے تکلفی جمیع اُمور میں مجھ کو قرآن مجید وحدیث شریف کا اتباع معلوم ہوتا ہے۔

(۱۴) فرمایا کہ جب کوئی میرے پاس ایسا شخص آتا ہے جس کی تعظیم کے لئے میں کھڑا ہوتا ہوں تو اہل مجلس کا کھڑا ہونا اپنے ساتھ مجھے گوارا نہیں اس لئے کہ آئندہ کی تعظیم میرے ذمے ہے نہ کہ دوسرے اہل مجلس کے ذمے۔

(۱۵) فرمایا کہ اہل مکہ تیز مزاج تو ہیں لیکن متکبر نہیں بازار میں بڑے بڑے متمول اپنا اسباب اپنے اُوپر لاد کر جبکہ کوئی مزدور موقع کا میسر نہ آوے خود لے جاتے ہیں۔

(۱۶) ۱۹/صفر۔ فرمایا کہ لوگوں کو تو غرباء پر رحم آتا ہے اور مجھے اُمراء پر رحم آتا ہے اس لئے کہ ان کے مصارف پر نظر کرنے سے ان کی حالت نہایت قابل رحم معلوم ہوتی ہے اور لوگ ان کی آمدنی پر نظر کرتے ہیں اس لئے آمدنی زیادہ دیکھ کر ان کو مالدار سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے مصارف پر بھی تو نظر ضرور ہے یہ لوگ جو کام کرتے ہیں اپنی وضع کے موافق اُس کو بڑھا کر ہی کرتے ہیں پس ہر کام میں خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے لہٰذا یہ زیادہ قابل رحم ہیں بخلاف غریب آدمی کے کہ اُس کے مصارف اکثر کم ہوتے ہیں اس میں شان صبر کی بھی ہوتی ہے نمائش بھی نہیں ہوتی۔ ایک صاحب متمول جو ہمارے سلسلہ کے سب بزرگوں کے کامل معتقد ہیں وہ جب دیگر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو یہاں بھی تشریف لاتے ہیں اور سب جگہ نذریں دیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے میں نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر اُن پر رحم کیا اور اُن کا نذرانہ لینا گوارا نہ کیا کہ اُن کا تو اس صورت میں بظاہر بڑا نقصان ہے لیکن اُن سے اگر یہ کہا جاتا تو ہرگز گوارا نہ کرتے اور اُن کی دِل شکنی ہوتی اس لئے میں نے اُن سے یہ کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جس طرح بعضے حضرات میرے بڑے ہیں او

بعض اعزہ مجھ سے چھوٹے ہیں اسی طرح کچھ احباب برابر کے بھی ہونے چاہئیں۔ منجملہ اُن حضرات منتخبہ کے ایک آپ کو بھی تجویز کیا ہے سو آپ مجھ سے برابری کا برتاؤ کیا کیجئے اور نقد نذر نہ دیا کیجئے کیونکہ ایسی حالت میں مجھے بھی آپ کو نذر دینا چاہئے اور مجھ سے یہ اہتمام نہ ہو سکے گا لہٰذا نقد نذر آپ نہ دیا کریں تو بہتر ہو وہ چونکہ فہیم آدمی تھے اس لئے اُنہوں نے اس درخواست کو بخوشی منظور کرلیا اور غیر نقد میں بھی میں نے قید لگا دی کہ اوّل مشورہ کرلیا کیجئے چنانچہ ایک بار انہوں نے مجھ سے بسکٹ بھیجنے کے لئے مشورہ کیا میں نے اس قید سے اجازت دی کہ ایک روپیہ سے زیادہ صرف نہ کیا جاوے اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اُنہوں نے اس کو بھی قبول کیا۔

(ف) سبحان اللہ کیا عقل وفہم ہے ۔ بینی اندر خود علوم انبیاء + بے کتاب و بے معید و استاد۔ زادہ الجامع عفی عنہ

(۱۷) فرمایا کہ جس قدر روپیہ حق تعالیٰ توکل کی حالت میں باوجود شرائط شدیدہ فی الاخذ مجھے مرحمت فرماتے ہیں اس قدر آمدنی ایسی شرطوں کے ساتھ بہت مستبعد ہے اللہ تعالیٰ کا بے حد مجھ پر احسان ہے۔

(۱۸) فرمایا کہ میں اپنے گھر میں جس قدر مالی خدمت کرتا ہوں کوئی اس قدر مالی خدمت اپنی زوجہ کی نہیں کرتا کل آمدنی میں سے نصف آمدنی میں سے نصف آمدنی اپنے پاس رکھتا ہوں اور نصف آمدنی اُن کو دیتا ہوں اور گھر کا مشترکہ خرچ بالسویۃ دونوں کے ذمہ ہے اور مہمانوں کا صرف جس کا جو مہمان ہو گھر کے خرچ سے علیحدہ وہ اُس کے ذمہ ہے (تذئیل اسطر ادی) یہ ارشاد ذیل بھی مضمون مذکور کے متصل فرمایا تھا اس لئے باوجود عدم ارتباط نقل کیا جاتا ہے۔ **قال لی دام ظلمھم العالی لاحباء اللّٰہ تعالیٰ بیوم یقع الخلاف فیہ بینی و بینک اھ وقال ایضاً انی ارجحک علیٰ اعزتی اھ فقلت لہ قد ستر اللّٰہ تعالیٰ عیوبی علیکم فترون ما ترون ولست اھلا لذلک قالہ الجامع عفی عنہ۔**

(۱۹) ۲۰ صفر۔ فرمایا کہ سائلین اور مستفتین کی عبارت میں خوب غور کر کے جواب لکھنا چاہئے یہ لوگ چالاکی کرتے ہیں سوال کو اس طرح لکھتے ہیں کہ جس میں اُن کا مطلوب ضرور ہی حاصل ہو جاوے لیکن محققین ایسے فریبوں میں نہیں آسکتے۔

(۲۰) فرمایا کہ بعض بزرگ اُمت محمدیہ میں ایسے گذرے ہیں کہ اُن کی حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی اور اُنہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور حضرت خضر علیہ السلام اُن کو نہ پہچان سکے چنانچہ ایک قصہ ہے کہ کچھ حضرات حطیم کعبہ مکرمہ میں حدیث کا دورہ فرما رہے تھے اور ایک بزرگ جدا بیٹھے ذکر و شغل کر رہے تھے اور وہ اس دورہ میں شریک نہ تھے حضرت خضر علیہ السلام بھی وہاں تشریف لائے اور اُن بزرگ سے دورۂ حدیث میں شریک نہ ہونے کی وجہ دریافت کی۔ ممدوح نے فرمایا میں راوی عن الرسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بلا واسطہ ہوں اور یہ حضرات بواسطہ زہری رحمہ اللہ وغیرہ رواۃ کے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس درجہ کے ہو فرمایا کہ اس کا یہ ثبوت ہے کہ آپ مجھے نہیں پہچانتے اور میں آپ کو پہچانتا ہوں کہ آپ خضر علیہ السلام ہیں کذا رایت فی بعض الکتب اور اس سے علم بلا واسطہ رواۃ کی افضلیت لازم نہیں آتی کما حقق فی موضعہ مقصود صرف یہ ہے کہ بعض اہل کمال کو حضرت خضر علیہ السلام بھی نہیں پہچانتے۔

(۲۱) ۲۱ صفر۔ فرمایا کہ الفاظ جیسے حضرت مولانا روم اور حضرت حافظ شیرازی قدس سرہما کو بلیغ و مؤثر میسر آئے ہیں اور کسی کو نہیں ملے گو معنی دوسرے حضرات بھی ادا فرما لیتے ہیں۔ (۲۲) ۲۴ صفر۔ فرمایا کہ اکثر یہ ہے کہ محبوب متقی کی طرف برا میلان نہیں ہوتا خواہ اس محبوب کا متقی ہونا محب کو معلوم ہو یا نہ ہو اور اس کا تجربہ ہو چکا ہے اور کوئی محب بہت ہی ناپاک ہو اُس کا ذکر نہیں۔

(۲۳) ۲۴ صفر۔ فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ نے کس قدر کتب کا

مطالعہ کیا ہوگا فرمایا کہ نظر تو میری کچھ بھی نہیں البتہ الحمدللہ تعالیٰ نماز و روزے کے مسائل میں مجھے کسی سے رجوع نہیں کرنا پڑتا وہ عالم فرمانے لگے کہ آپ تو بہت بڑے عالم ہیں اھ۔ پھر حضرت قبلہ صاحب ملفوظ نے ارشاد فرمایا کہ تمام مسائل فقہیہ کتابوں میں ایک طرف ہیں اور نماز کے مسائل ایک طرف ہیں اور باوجود اس کے پھر بھی اُس کے مسائل کا ہنوز استیعاب نہیں ہوسکا نماز کے مسائل نہایت مقصود اور مہتم بالشان ہیں۔

(۲۴) ۲۸ صفر۔ فرمایا کہ اکثر شہروں میں جو شخص عورت یا اُس کے ولی سے نکاح کی گفتگو کرتا ہے گو اُس کو نکاح کے اختیارات نہ دیئے گئے ہوں عوام الناس اُس کو عورت کا وکیل کہتے ہیں حالانکہ وکالت بغیر توکیل کے صحیح نہیں ہوتی اور یہاں کوئی لفظ توکیل کا نہیں ہے پس یہ شخص شرعاً وکیل کے حکم میں نہیں ہے۔

(۲۵) فرمایا کہ مالی مجاہدہ یعنی نفس کی سزا کے لئے کچھ صدقہ کرنا بہت زیادہ مؤثر ہے بہ نسبت اس کے کہ بہت سے نوافل نفس کی سزا کے لئے پڑھے جاویں کیونکہ بذل مال نفس پر نہایت گراں ہے اور حدیث سے اس کی اصل ثابت ہے چنانچہ ایام حیض میں جو کوئی صحبت کر بیٹھے تو بعض صورتوں میں نصف اور بعض میں ایک دینار تصدق کرنے کا (استحباباً) اُمر وارد ہوا ہے۔

(۲۶) ۲۹ صفر۔ فرمایا کہ قوت تقریر بغیر تحصیل عربی کی درسیات کے نہیں میسر آسکتی۔

(۲۷) فرمایا کہ حکیم عبدالمجید خان صاحب مرحوم کو نئی روشنی کے طرز و انداز سے سخت نفرت تھی ایک صاحب کا اُن کے پاس خط آیا جس میں ایک صفحہ لکھا تھا پھر دوسرا صفحہ صاف چھوڑ کر تیسرا صفحہ لکھا ہوا تھا حکیم صاحب اس کو دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور فرمانے لگے کہ خدا جانے لوگوں کو یہ کیا خبط ہوگیا ہے اور واقعی اس میں خواہ مخواہ حق تعالیٰ کی نعمت کو ضائع کرنا بھی ہے۔

(۲۸) فرمایا کہ مولوی انور شاہ صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم و فاضل ہیں اور اُن کی تقریر نہایت جامع گو مختصر ہوتی ہے جس میں ہر ہر جملہ ایک ایسا متن ہوتا

ہے جس کی شرح میں ایک معتدبہ رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔

(۲۹) ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر علوم درسیہ کا ترجمہ کر کے کوئی عالم اُردو میں ان علوم کی تعلیم دے تو کیا مقصود برآری ہوسکتی ہے فرمایا کہ معقولات کا فن تو اس طرح سے بالکل بھی نہیں حاصل ہوسکتا۔ ہاں سادہ منقولات خالی از ادلہ کسی قدر حاصل ہوسکتے ہیں لیکن فن دانی منقول کی بھی نہیں میسر ہوسکتی کیونکہ جس قدر ضبط عربی میں ہے ترجمہ میں ہرگز اس قدر ضبط نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ترجمہ کسی طرح اصل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ ترجمہ کسی عالم ہی سے کیوں نہ پڑھا جاوے البتہ تنہا مطالعہ کرنے کی نسبت عالم سے پڑھنا اس لئے زیادہ نافع ضرور ہے کہ غلطی سے اس صورت میں نجات رہتی ہے گوفن پر احاطہ نہ ہو۔

(۳۰) فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ مبغضین اولیاء رحمہم اللہ و صحابہ رضی اللہ عنہم کا چہرہ تو بدرونق اور متغیر ہوجاتا ہے اور کفار کا اتنا نہیں ہوتا میں نے کہا کہ ظاہراً یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفر تو اَمر باطن ہے اس لئے اُس کی ظلمت بھی باطن میں زیادہ موثر ہوتی ہے اور سب وشتم معصیت ظاہرہ ہے اس لئے اُس کی ظلمت بھی ظاہر چہرہ پر نمودار ہوتی ہے پھر فرمایا کہ یہ ایک لطیفہ ہے۔

(۳۱) فرمایا کہ سفر میں اکثر اوقات ہجوم کی وجہ سے مجھے خلوت میسر نہیں ہوتی جس میں آسائش حاصل ہوسکے اس لئے تکلیف ہوتی ہے بعض احباب نے سفر میں لوگوں سے ملاقات کے اوقات معین کرنے کا انتظام کرنا چاہا کہ خاص خاص وقت لوگوں سے ملاقات کی جاوے باقی اوقات میں لوگوں کو روک دیا جاوے۔

لیکن مجھے یہ اَمر پسند نہیں آیا کہ ہمارے بزرگوں نے کبھی ایسا نہیں کیا نیز اس میں ایک شان بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے یہی بہتر سمجھا کہ چونکہ قوی بھی اب ضعیف ہوچلے ہیں اور اَمر مذکور بھی سفر میں تکلیف دہ ہے پس گھر ہی سے باہر نہ جایا جاوے بجز اُس حالت کے جبکہ کوئی خاص سخت ضرورت پیش آوے۔

(ف): سبحان اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ میں کیسے فلاسفر اور حکماء پیدا کئے گئے ہیں ترقی خواہان قوم نے کبھی ایسی باتیں خواب میں دیکھی بھی نہ ہوں گی اور عمل تو در کنار ہے۔ (زادہ الجامع عفی عنہ)

(۳۲) ۴ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ جس وقت کوئی شخص کسی وجہ سے پریشان ہو اُس سے زیادہ باتیں نہ کرنی چاہئیں۔ (۳۳) فرمایا کہ جو مریض طبیب کی تشخیص کو نا قابلِ اعتبار اور غلط سمجھے اور اسی طرح جو مسترشد مرشد کی تشخیص کو غلط سمجھے ایسے مریض اور مستصلح ہمیشہ محروم ہی رہیں گے اور ان کی کبھی اصلاح نہ ہوگی۔

(۳۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جن ذرائع سے ترقی اسلام کی ہوتی تھی وہ مجھ کو بتلا دیجئے تا کہ میں لوگوں میں اُن اُمور کے پیدا کرنے کی سعی کروں جو کہ مسلمانوں سے اب مفقود ہو گئے ہیں فرمایا کہ آپ اپنے دماغ کا علاج کیجئے کہاں آپ کہاں یہ کام ہر شخص کو اپنی اہلیت کے موافق حوصلہ کرنا چاہئے۔ کیا آپ سنت خداوندی کو بدلنا چاہتے ہیں کہ اُس پیمانہ پر اہل اسلام کو لے جانے کی کوشش کرنے کی فکر میں ہیں۔

(۳۵) فرمایا کہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر لینا خود طالب کے اختیار میں ہے کہ مجھ سے با قاعدہ استفادہ کرے اور بے تکلفی کا برتاؤ رکھے اور جبکہ وہ خود بستہ طبیعت سے مجھ سے ملے تو میری طبیعت اُس سے کیونکر انشراح کے ساتھ مل سکتی ہے بلکہ میرا تو یہ حال ہے کہ جس شخص کو میں بستہ طبیعت دیکھ لوں اور تقریر کر رہا ہوں تو میری طبیعت اُس کو دیکھ کر خود بستہ ہو جاتی ہے اور تقریر کی آمد موقوف ہو جاتی ہے کہ وہ شخص بے حس تقریر میں بیٹھا ہوا ہے نہ کچھ تقریر میں شبہ نکالتا ہے نہ کوئی سرور ظاہر کرتا ہے اور یہ اَمر بالکل لغو اور بے قاعدہ ہے کہ کسی تقریر میں شریک ہو اور محض بے پروائی سے بیٹھا رہے اور یہ کفرانِ نعمت خداوندی بھی ہے کہ نافع تقریر کی قدر نہیں کرتا نہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ جب تقریر فرماتے تھے تو طلبہ کے

چہروں کی جانب دیکھا کرتے تھے جس کا چہرہ شاد اور مسرور پاتے تھے اُس کی طرف متوجہ ہو کر خوب تقریر فرماتے تھے اور پھر آئندہ بھی اس شخص کو مخاطبت اور تقریر میں مخصوص فرماتے تھے اور جس کا چہرہ بستہ پاتے تھے اور حرکت نشاطیہ اس میں معلوم نہ ہوتی تھی اس سے بالکل مخاطبت نہیں فرماتے تھے۔

(ف) سبحان اللہ طالبین کے لئے کیا مفید تحقیق ہے۔

(۳۶) ۵ ربیع الاوّل۔ ایک جگہ حضرت والا کی ضیافت ہوئی چنانچہ تشریف لے گئے احقر بھی ہمراہ خدمت والا تھا جب کھانے سے فراغت ہوئی تو حضرت کی مسجد میں جو شخص اذان کہتے تھے وہ اذان کہہ کر حضرت کو اُسی موقع ضیافت پر اطلاع کرنے گئے صاحب دعوت نے اُن کو بھی شریک طعام کرنا چاہا حضرت نے بہت نرمی سے اُن صاحب کو سمجھا دیا کہ اس وقت ان کو کھانا کھلانا کسی طرح مناسب نہیں اس وقت کھلانا تو ایسا ہے جیسے کوئی نظر لگ جانے کے خوف سے کسی کو کھانا دیوے یا یہ کہ گویا یہ شخص کھانے ہی کی طمع میں آیا تھا اور اس صورت میں ان کی ذلت ہے وہ کہنے لگے کہ ان کے قیام گاہ پر کھانا پہنچا دوں فرمایا نہیں اب یہ بھی مناسب نہیں اگر کھانا کھلانا تھا تو پہلے سے ضیافت کی ہوتی۔

(۳۷) فرمایا کہ ہندوستان کے اطراف کے لوگ اکثر بہت بھولے اور قلیل الذکاء ہوتے ہیں خواہ شہری ہوں یا دیہاتی اور اسی طرح اس طرف کے اہل علم اور اُن دیگر اطراف کے اہل علم میں بھی ایسا ہی تفاوت ہوتا ہے۔

(۳۸) فجر کی نماز کے وقت حضرت نے دیکھا کہ حضرت کی جانماز پر جو کہ محراب میں بچھی ہے کچھ پانی پڑا ہوا ہے فرمایا کہ اگر کسی نے وضو کر کے یہاں سجدہ کیا ہے اور یہ پانی اُس کی پیشانی کا یہاں ٹپکا ہے سو اگر اتفاقاً ایسا ہو گیا تو مضائقہ نہیں اور اگر خاص اس قصد سے یہاں سجدہ کیا ہے کہ یہ حصہ جانماز کا میرے پیر رکھنے کی جگہ ہے تو یاد رکھو کہ یہ بت پرستی اور شرک ہے آئندہ ہرگز ایسا نہ کیا جاوے۔

(۳۹) فرمایا کہ بحمد اللہ تعالیٰ تعلیم طریقت میں شاید فی صدی دو غلطیاں مجھ

سے ہو جاتی ہوں ورنہ اکثر صحیح بات سمجھ میں آ جاتی ہے ولایت وکشف میرے پاس نہیں ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ تجربہ کافی ہے اور مجرب سے غلطیاں کم ہوتی ہیں۔

(ف) فہم ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت کا اعلیٰ پیمانہ پر ہے اور نہایت بیدار مغز ہیں بلا مبالغہ حضرت والا میں بڑے سے بڑے انتظامی کام کی قابلیت ہے۔ زادہ الجامع عفی عنہ

(۴۰) فرمایا کہ طالب حق جب ضلالت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے آثار اور ہوتے ہیں اور جب دنیا میں منہمک ہوتا ہے تو اُس کا اثر دوسرا ہوتا ہے۔

(۴۱) فرمایا کہ بزرگوں کی تصانیف دیکھ کر جزئیات طریقت کی تعلیم کرنا اپنے نفس کو یا غیر کو ہرگز نہ چاہئے مرض کی تشخیص کسی شیخ سے کرانی چاہئے تصانیف میں تو اکثر کلیات ہیں نہ کہ جزئیات۔ البتہ اگر چندے کسی شیخ کی صحبت سے طریق کے ساتھ کافی مناسبت ہوگئی ہو تو پھر تصانیف بھی معین ہوتی ہیں۔

(۴۲) فرمایا کہ میرے مزاج میں تیزی تو ہے لیکن بحمد اللہ عزوجل تکبر نہیں اور یہ تیزی ایسی نرمی سے بہتر ہے جو تکبر کے ساتھ ہو۔

(ف) جناب والا حقیقت میں لطیف المزاج ہیں نیز اصلاح طالبین کے لئے سیاست کی بھی حاجت ہے اس لئے اکثر بظاہر طالبین کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا ہے وہ صورۃً تیزی معلوم ہوتی ہے ورنہ فی الحقیقت وہ آپ کا اہتمام اور انتظام ہوتا ہے چنانچہ وہ لوگ طالب و مستصلح نہیں ہیں اُن کی بڑی بڑی بے موقع باتیں حضرت والا تحمل فرما لیتے ہیں۔ **ھٰذا ماسنح لی بطریق الانصاف لا بطریق الاعتقاد و غلبة محبة الاحباب زاده الجامع عفی عنه۔**

(۴۳) ۶ محرم۔ فرمایا کہ دو مولوی صاحبوں میں بہت بڑی دوستی ہے حضرت قطب گنگوہی قدس سرہٗ نے ایک باران حضرات سے فرمایا کہ آپ لوگوں میں کبھی لڑائی بھی ہو جاتی ہے یا نہیں مولوی صاحبین نے عرض کیا کہ جی ہاں فرمایا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو بقاء مودت کی اُمید ہے اس لئے کہ جب باہم محبت شدیدہ ہوتی ہے تو ذرا سے

تکدر کو بھی کوئی دوست اپنے دوست کی طرف سے دل میں رکھنا نہیں چاہتا بلکہ تکدر پھر کر کے صفائی کر لیتا ہے اور تکدرات پیش آتے ہی رہتے ہیں اور جب زیادہ بے تکلفی اور محبت نہیں ہوتی تو ایک دوسرے کی جب کوئی ایسی بات سنے گا جس سے تکدر پیدا ہو تو ظاہر نہ کرے گا دل کی دل ہی میں رہے گی اور اسی طرح یہ قصہ دراز ہو جاوے گا اور خاصی عداوت یا مثل عداوت پیدا ہو جاوے گی۔

و یبقی الود ما بقی العتاب

(۴۴) فرمایا کہ (اکثر) غرباء تندرست اور قوی ہوتے ہیں بہ نسبت (اکثر) امراء کے۔ (۴۵) فرمایا کہ علماء کے لئے قلت مال ہی بہتر ہے اور قدر ضروری معاش کافی اور اصلح ہے دین کا کام وہی کرتا ہے جو متوکل ہے یا معمولی تنخواہ پر نوکر ہے ورنہ جہاں بڑی تنخواہ کی نوکری ملی یا کہیں کسی نواب کی ریاست سے وظیفہ مقرر ہو گیا تو ان میں ریاست اور عیش و عشرت کی پیدا ہو جاتی ہے اور دین کا کام ان سے نہیں ہو سکتا۔

(۴۶) پرانے غیر مسلم اکثر مسلمانوں کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے ہیں اور انہی پر کیا منحصر ہے اکثر پرانے لوگوں میں محبت کا مادہ ہے اور تعصب نہیں۔

(۴۷) فرمایا کہ میری اور میرے بھائی کی جبلی خصلت ہے کہ حیاء مزاج میں زیادہ ہے ہم لوگ کسی شخص کو گو وہ کیسا ہی محب یا عزیز و قریب ہو اپنے کسی کام کے لئے کبھی مجبور نہیں کرتے ہاں اگر خود اسی کی کوئی مصلحت ہو تو کوئی کام زور دے کر بھی اس سے کرا لینا گوارا ہو جاتا ہے مگر اپنے لئے کسی پر زور ڈالنا یا کسی دوسرے کے لئے کسی پر زور ڈالنا ہمارے لئے موت سے بڑھ کر ہے اور اس امر کا شرع کے خلاف ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

(۴۸) فرمایا کہ کان پور کی جامع مسجد میں ایک پادری نے مجھ سے اپنے مسلمان کرنے کی درخواست کی مگر یہ بھی کہا کہ دو سو روپیہ چندہ کرا دیجئے تا کہ میں اس ذریعہ سے کچھ معاش کی سبیل کر لوں اور لوگوں سے سوال کر کے اسلام کو بدنام نہ کروں۔ میں نے کہا روپیہ ایک بھی نہ ملے گا اگر اس دین کو حق سمجھتے ہو تب تو بلا شرط

مسلمان ہو جاؤ ورنہ وہ اسلام کس کام کا جو ایک دنیا کی منفعت پر معلق ہو وہ کہنے لگے میں تو اسلام کو حق سمجھ کر مسلمان ہوتا ہوں خواہ روپیہ ملے یا نہ ملے میں نے تو صرف بمصلحت یہ کہا تھا چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ ہم کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی کو طمع دے کر مسلمان کریں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو وہ عزت دی ہے کہ ایسے اُمور کی ہرگز احتیاج نہیں رہی اور تالیف قلوب کا زمانہ گیا اور **فمن شاء فلیؤمن** کا زمانہ نمودار ہوا اور کوئی قوم ایسا برتاؤ کر کے نہیں دکھا سکتی۔ **و للہِ الحمد**

(۴۹) ۹ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ آج کل اکثر اہل علم اور اہل تقویٰ میں انتظام نہیں رہا بلکہ تقویٰ و علم اور انتظام میں منافاۃ سمجھی جاتی ہے حالانکہ یہ سخت غلطی ہے بہت بڑا انتظام اور بیدار مغزی تو ان ہی حضرات میں ہونا چاہئے۔

مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم سابق مدرسہ دیو بند جو کامل درویش تھے گو اصطلاحی مولوی نہ تھے مدرسہ کا نہایت اعلیٰ انتظام بہت سہولت سے فرماتے تھے میں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت ان انتظامات میں آپ کو کچھ انتشار اور کلفت نہیں ہوتی فرمانے لگے کچھ نہیں اور یہ تو کیا ہے اگر کوئی بہت ہی بڑا کام ہمارے سپرد ہو تو ہم تو اس کا بندوبست بھی اسی سہولت سے کرلیں۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ

(۵۰) فرمایا کہ جس عقد میں حرمت ذاتیہ ہوتی ہے جو مال اُس سے حاصل ہو وہ تبدل ملک سے کسی کے لئے حلال نہیں ہو جاتا اور جس میں حرمت باعتبار بعض کے ہو اور باعتبار بعض کے نہ ہو وہ تبدل ملک سے حلال ہو جاتا ہے پہلے کی مثال بیوع باطلہ ہیں کہ اُن کا ثمن اور مبیع کسی کے لیے حلال نہیں دوسرے کی مثال زکوٰۃ ہے کہ وہ بنی ہاشم پر حرام ہے اور اگر کوئی فقیر اس کو لے کر اور اپنی ملک میں داخل کر کے اپنی طرف سے بنی ہاشم کو ہدیۃً دے دے تو یہ مال اُن کے لئے حلال ہو جاوے گا۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ دوسری صورت میں محمول ہے اور بہت ظاہر ہے۔

(۵۱) ۱۲ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ میں لڑکیوں کو قرآن مجید پڑھا رہا تھا کہ یہ

آیت آئی فاتلهم الله لڑکیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو مخلوق کو کوسنا دیتے ہیں اس میں کیا مصلحت ہے میں نے کہا کہ اس بدعا سے پہلے کفار کی جو حرکات شنیعہ مذکور ہیں اُن کو پڑھ کر قاری کا دل بددعا دینے کو چاہتا ہے لیکن وہ قرآن میں اپنی بددعا شامل نہیں کر سکتا تھا کہ ناجائز ہے اس لئے خود ہی حق تعالیٰ نے برعایت قرآن خواں کے یہ جملہ بڑھا دیا تا کہ جس بات کے کہنے کو اُس کا دل تقاضا کرتا تھا وہ خود خدا ہی نے کہلوا دیا پھر فرمایا کہ اچھا نکتہ ہے۔

(۵۲) ۱۳ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ ہندوستان کے لوگ مصارف خیر میں بہت صرف کرتے ہیں چنانچہ متوکلین کو بھی دیتے ہیں مدارس میں بھی دیتے ہیں گداگروں کو بھی دیتے ہیں اور ممالک میں یہ بات نہیں ہے۔ (۵۳) فرمایا کہ ہندوستان کے بعضے اطراف میں اس قدر دینداری ہے کہ تمام دنیا میں نہیں ہے۔

(۵۴) ۱۴ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ عشق کا تعلق خاص اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے پس کسی مخلوق سے ایسی محبت ہو جانا جو درجہ عشق تک پہنچ جاوے گو اضطراراً ہو محمود نہیں ہے گو بے اختیاری میں گناہ بھی نہیں جب عفت کے ساتھ ہو حق تعالیٰ کو غیرت آتی ہے کہ اس کے حق میں کوئی دوسرا شریک ہو جیسے کہ مخلوق میں کسی کی عورت کو کوئی چاہنے لگے گو وہ پاک ہی محبت کیوں نہ ہو لیکن زوج کو نہایت ہی سخت ناگوار ہوتا ہے۔

(ف) اگر محض حبۃ للہ تعالیٰ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یا اپنے مرشد یا دینی استاد سے اس درجہ کی محبت ہو جاوے تو وہ غیر محمود نہیں بلکہ حکما وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے مراد اُس عشق غیر محمود سے وہ ہے جس کی بناء تعلق مع اللہ نہ ہو محض محبوب کی صفت حسن و جمال ہو۔ اور عشق مخلوق میں جبکہ عاشق عفت کے ساتھ رہے اُس کو شہادت کا ثواب ملنا کما ورد فی الحدیث الصحیح الذی اورده فی المقاصد الحسنة یہ اُس کی محمودیت من کل وجہ پر دال نہیں ہے اُس سے تو صبر و عفت کی محمودیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ عشق کی زاده الجامع عفی عنه۔

(۵۵) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب اپنے اشتہارات کتب میرے خطوط میں رکھ دیا کرتے تھے تا کہ اُن کی کتابوں کی اشاعت ہو جاوے اور اس میں میرا کچھ ضرر نہ تھا لیکن اس کا یہ انجام ہوا کہ بعض اہل معاملہ اپنے معاملات کی نسبت مجھ پر الزام دینے لگے محض اس وجہ سے کہ میرے خطوط میں اشتہارات جاتے تھے اور نہایت سخت الفاظ لکھنے لگے کہ تمہارے یہاں بڑی بدمعاملگی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ مجھ سے ان معاملات سے کچھ بھی علاقہ نہیں جب یہ ہونے لگا تو میں نے اپنے خطوط میں اشتہارات رکھنے کی ممانعت کردی اللہ تعالیٰ نے مجھے آزاد رکھا ہے تو پھر میں کیوں بلا ضرورت بدنامی گوارا کروں کہ یہ کفران نعمت آزادی ہے۔

(ف) وقد قال صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اتقوا مواضع التھم اخرجه البخاری فی تاریخه کذا فی کنوز الحقائق زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۵۶) فرمایا کہ آج کل مناظرہ ومجادلہ کرنے سے فریقین کی نیت اچھی نہ ہونے سے اکثر فساد بڑھتا ہے اور گروہ بندی ہو جاتی ہے اگر کسی کی اصلاح کرنا مقصود ہو تو مناظرہ معروفہ فی زماننا اس کا طریق نہیں ہے بلکہ اس کا یہ طریق ہے کہ پہلے تو لوگوں سے مناسبت پیدا کرے مگر اپنا دین خراب نہ کرے اور تالیف قلوب کے بعد رفتہ رفتہ ان کی تربیت کرے کبھی کسی بات پر تنبیہ کردی جب اس پر عمل ہونے لگا تو دوسری بات پر تنبیہ کردی وعلیٰ ہذا القیاس یہ طریقہ ہے افادہ اور اصلاح کا میں نے جب مکان پر مستقل قیام کیا ہے تو یہی طریق اختیار کیا تھا بحمد اللہ تعالیٰ اب تقریباً پورا قصبہ بدعات ورسوم مذموم سے پاک ہو گیا۔

(ف) قال الجامع یدل علیه قول عز من قائل اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ ۔

(۵۷) فرمایا کہ جس زمانہ میں یہاں اسلامی سلطنت تھی تعلیم دین کا اتنا چرچا نہ تھا وجہ یہ کہ عوام الناس کو طلبہ وعلماء کی خدمت کا اہتمام نہیں تھا سلطنت پر اطمینان تھا

کہ اس کی طرف سے بندوبست ہو جاوے گا اور اب عام توجہ ہے یہاں کے عوام کی بھی یہی حالت تھی۔ (۵۸) فرمایا کہ ریاستوں سے جن علماء کے وظائف مقرر کیے جاتے ہیں خود اُن لوگوں میں بھی اکثر ریاست کی شان آ جاتی ہے دینی خدمت کم کرتے ہیں اگر وظائف کا انتظام ریاست سے کسی متدین عالم کے سپرد کیا جاوے اور خرچ سے زیادہ وظائف نہ دیئے جاویں اور جن کے سپرد ہو وہ گاہ گاہ نگرانی بھی کریں تو البتہ دینی نفع حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ عالم منتظم تنقید اور خبر گیری سے بندوبست کرے جو کام میں لگا ہو اس کی خدمت کرے اور جو بطّال اور معطل ہو اس کو نہ دے اور نیز بوجہ کفایت سے زیادہ نہ ہونے کے علماء میں شان ریاست بھی پیدا نہ ہو۔

(۵۹) فرمایا کہ آداب کلام سے ایک یہ بات ہے کہ سوال کا جواب دینے میں بلاضرورت تامل نہ کیا جاوے کہ اس میں سائل کو انتظار کی کلفت اٹھانا پڑتی ہے۔

(۶۰) فرمایا کہ اگر طالب علموں کے اخلاق کی اصلاح کی جاوے تو اُن کو ناگوار ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ پڑھانے میں اس سے کیا تعلق حالانکہ یہ لغو بات ہے اور کج فہمی ہے لیکن خیر بعد فراغت علوم تو استصلاح اخلاق و اصلاح عادات مناسب ہے اور اس صورت میں طالب کو مصلح کا کچھ کہنا سننا ناگوار بھی نہ ہوگا کہ وہ خاص اسی کام کے لئے مصلح کے پاس حاضر ہوا ہے۔

(۶۱) ۲۰ ربیع الاوّل۔ ایک صاحب نے حضرت والا سے بذریعہ تحریر دریافت کیا تھا کہ میں ایک جوڑہ نعلین اپنے ہمراہ خدمت بابرکت میں پیش کرنا چاہتا ہوں حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ میرے پاس آج کل جوڑے متعدد ہیں اس لئے تم تکلیف نہ کرنا اور وہ صاحب حضرت سے منتسب بھی تھے سو جب وہ یہاں حاضر ہوئے تو تب بھی جوڑہ ہمراہ لائے۔ پیش کیا حضرت نے واپس فرما دیا اور فرمایا کہ یا تو تم نے مجھ سے دریافت نہ کیا ہوتا اور اگر دریافت کیا تھا تو اس پر عمل کیا ہوتا میرے جواب کو فضول اور لغو سمجھا جب تو اس پر عمل نہیں کیا۔ کیا انتساب کے یہ آداب ہیں۔

(۶۲) ۲۳ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ جن لوگوں کا مجھ سے فقط بیعت کا تعلق ہے اور علمی تعلق بالکل نہیں نہ اُنہوں نے مجھ سے پڑھا اور نہ اُن سے گفتگو علمی ہوتی ہے بہ نسبت ایسے لوگوں کے مجھے ایسے لوگوں سے زیادہ محبت ہے جن سے علمی تعلق ہے خواہ باقاعدہ تلمذ ہوا ہو یا گاہے گاہے گفتگو علمی ہوتی رہتی ہو اور یہ میرا مذاق طبعی ہے جس میں مضطر ہوں۔

(۶۳) ایک تاجر حضرت سے بیعت تھے اُنہوں نے سخت گستاخیاں کیں تحریراً و تقریراً پھر معافی چاہی لیکن بے قاعدہ طریق سے پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے متعلقین اور منتسبین کی حرکات ناشائستہ پر طبعی طور پر رنج ہوتا ہے بہتر ہے کہ تم بیعت کا تعلق مجھ سے قطع کر دو اور اس کا اعلان کر دو بس میرا دل تم سے بالکل صاف ہو جاوے گا حالانکہ یہ اُمر دوسرے پیروں کے یہاں مزید بغض کا باعث ہے لیکن میں اس کو صفائی باہمی کا سبب قرار دیتا ہوں وجہ یہ کہ جن سے میرا خاص تعلق نہیں چونکہ اُن کی اصلاح میرے ذمہ نہیں اس لئے مجھے اُن سے رنج نہیں رہتا اور جن کی اصلاح متعلق ہے اُن سے اگر تسامح کیا جاوے تو یہ خیانت ہے کہ اصلاح کی ذمہ داری کر کے پھر تساہل کیا جاوے اس لئے اُن پر مجھے بڑا غصہ آتا ہے اور علاوہ اس کے تجربہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں نرمی سے اخلاق درست نہیں ہوتے۔

(۶۴) میں نے عرض کیا کہ خدمت گار جیسے کہ خاکروب وغیرہ اگر اپنے حقوق واجبہ مقررہ سے زائد بطریق تبرع طلب کریں تو اُن کو دینا جائز ہے یا ان کا از خود طلب کرنا سوال ممنوع ہے جس میں یہ حکم ہے کہ کچھ نہ دیا جاوے فرمایا جائز ہے اوّلاً اس وجہ سے کہ یہ لوگ اپنے حقوق واجبہ پر زیادت چاہتے ہیں جیسے زیادت ثمن یا زیادت مبیع کی بعد بیع درخواست کرنا اور ثانیاً اس وجہ سے کہ سوال وہاں منع ہے جہاں سوال کی وجہ سے تذلل ہو ورنہ بے تکلفی کی جگہ سوال منع نہیں جیسا کہ باہم دوستوں میں ایک دوسرے سے کچھ مانگ لیتے ہیں پس اسی طرح ان لوگوں کا مانگنا بھی ہے یہ عرفاً ذلت نہیں شمار کیا جاتا۔

(۶۵) فرمایا کہ جیسے متقدمین کے علوم ہیں گو اُن میں تہذیب اور ترتیب زیادہ ملحوظ

نہیں متاخرین کے علوم اُس شان کے نہیں گو اُن میں تہذیب وترتیب بہت کچھ ہے چنانچہ مثنوی معنوی اور عوارف بھی اس کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے کہ ان میں کیسے کیسے علوم ہیں۔

(٦٦) ۲۴ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ بالکل تارک الدنیا اور شیخ کامل نیز اکابر علماء میں سے تھے اور طبعی تیزی مزاج مبارک میں تھی جس کا سبب تکبر ہرگز نہ تھا مگر متکبرین اُس کی برداشت نہ کر سکتے تھے چنانچہ ایک تعلق دار ضلع لکھنؤ نے مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب کے یہاں لوگوں کی بڑی اہانت ہوتی ہے کسی ایسے بزرگ کا پتہ بتلاؤ جو مریدوں کی قدر اور عزت اور خاطر کرے بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں پیر سے خاطر و عزت کے خواہاں ہوتے ہیں دیکھو حکیم عبدالمجید خان صاحب مرحوم بعض اوقات بڑے بڑے رؤساء سے نہایت ہی خشونت کا برتاؤ کرتے تھے اور وجہ اُس کی یہ تھی کہ حکیم صاحب پیشہ ور طبیب نہ تھے نہ مدار بسر اوقات طبابت کو سمجھتے تھے بلکہ صاحب کمال تھے اور ایک شان ریاست قدرتی طور پر ان کے اندر ہویدا تھی۔

جیسا کہ ہر اہل کمال کے لئے ایسی شان کا ہونا ایک محدود درجہ تک لازم ہے۔ اور وہ شان استغناء ہے تکبر نہیں ہے اور اس برتاؤ کو سب جھیلتے تھے سو حیرت ہے کہ طبیب جسمانی کے تو ایسے نخرے اُٹھائے جاویں اور طبیب روحانی کا امتحان اور اس کی تنقید بداخلاقی شمار کی جاوے بڑی بے انصافی کی بات ہے مریض اور طبیب کا باہمی جو برتاؤ ہوتا ہے وہی برتاؤ پیر اور مرید کا ہونا چاہئے پیروں سے خاطرداری کی اُمید رکھنا اور آرزو کرنا بڑی حماقت ہے دیکھو مریض پر شفقت تو طبیب کو بہت ہوتی ہے لیکن اس کی خاطر و مدارات بالکل معمولی طور پر کرتا ہے اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ مجھے تو خود پیر کو مرید سے خدمت و تعظیم کی خواہش کرنا بھی بُرا معلوم ہوتا ہے اور مرید بھی اس کا زیادہ اہتمام نہ کرے بلکہ باہم ایسی بے تکلفی ہونا چاہئے کہ مرید پیر کا ادب تو کیا کریں بے تمیزی سے پیر کے ساتھ پیش نہ آویں لیکن تعظیم زیادہ نہ کریں مثلاً التزاماً

جہاں پیر کھڑے ہوئے فوراً خود بھی اسی طرح کھڑے ہو گئے ایسی تعظیم سے پیر کو بھی ایذاء ہوتی ہے بس قیام کا التزام نہ کریں گو اُس وقت بیٹھنا رہنا مرید پر بار ہی ہو ورنہ یہ تو اپنے نفس کی اطاعت ہوگی اور پیر کی صریح نافرمانی ہے۔

ہاں اگر کبھی اتفاقاً ایسا بھی ہو جاوے تو مضائقہ نہیں لیکن عادت ڈالنا ایسی باتوں کی بے شک مذموم ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے واسطے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قیام کو پسند نہ فرماتے تھے آپ کو ناگوار ہوتا تھا اسی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے لئے قیام چھوڑ دیا تھا حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ جب حدیث پڑھانے تشریف لاتے تھے تو ہم تلامذہ کھڑے ہو جاتے تھے کیونکہ نشست کا تحمل نہ ہوسکتا تھا لیکن مولانا صاحب کے چہرے پر بل پڑ جاتا تھا چنانچہ ایک روز فرما ہی دیا کہ اس قیام سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اس روز سے ہم نے قیام چھوڑ دیا اور مولانا کی راحت کو اپنی راحت پر ترجیح دی۔

(۶۷) فرمایا کہ ولی محمد شارح مثنوی مولانا روم قدس سرہٗ ماہر فن تو بڑے ہیں مگر کہیں کہیں مطالب مثنوی کے بیان کرنے میں حد شرعی سے تجاوز ہو جاتا ہے اور مولانا شاہ بحر العلوم قدس سرہٗ نے جس زمانے میں مثنوی کی شرح کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک تصوف کا رنگ ان میں کم تھا مگر شریعت سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۶۸) فرمایا کہ ایک صاحب حضرت مولانا قطب دوران فضل الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا اسباب مسجد میں رکھدیا مولانا نے روکا مگر وہ نہ مانے مولانا صاحب نے آواز دی کوئی ہے وہ مسافر بولا بھلا کوئی آئے تو سہی کوئی نہ آیا۔ مولانا ان کا اسباب خود اُٹھا کر باہر رکھ آئے۔ انہوں نے پھر لا کر مسجد میں رکھ لیا پھر حضرت خود اسباب باہر رکھ آئے اسی طرح تین بار ہوا مولانا خاموش ہو گئے کھانا بھیجا تو اُس نے واپس کر دیا مولانا تشریف لائے اور سخت وسُست کہا پھر اس سے معافی چاہی اور فرمایا چونکہ میرے پاس کثرت سے اہل دنیا اپنے مقاصد کے

لئے دُعا وغیرہ کرانے آتے ہیں مجھے ان سے وحشت ہوتی ہے تمہارے ساتھ بھی اسی خیال کی بناء پر ایسا برتاؤ کرنے لگا حسبۃ للہ تعالیٰ معاف کردو پھر اس سے اپنا مطلب ظاہر کیا کوئی خاص باطنی اصلاح مقصود تھی وہ مولانا صاحب کی توجہ سے حاصل ہوگئی اور دُشواری رفع ہوگئی دُعائیں دیتے چلے گئے اس قصہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا صاحب میں مطلق نفسانیت نہ تھی محض طبعی لطافت اور نزاکت تھی جس سے ایک خاص محبوبانہ شان نظر آتی تھی اور میں نے حضرت سے حصن حصین پڑھی ہے ایک مقام پر آپ نے شوق کا ترجمہ تڑپ کے ساتھ فرمایا تھا۔

(۶۹) خدام سے فرمایا کہ جب میں تم لوگوں سے کسی کام کو کہا کروں تو اس کام کو پورا کر کے مجھے اطلاع بھی کر دیا کرو کہ ہم نے یہ کام کر دیا ورنہ فکر رہتی ہے کہ تم نے کیا یا نہیں بھول گئے یا یاد رہا۔ (۷۰) فرمایا کہ ہدیہ میں تو اصل مقصود ایک مسلمان کو خوش کرنا ہوتا ہے اور گو اسی میں ثواب بھی حاصل ہوتا ہے مگر واہب کو ثواب خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ محض سرور مسلم مقصود ہوتا ہے اور صدقہ اس کے بالعکس ہے اسی وجہ سے ہدیہ میں عرفا موہوب لہ کا اکرام ہوتا ہے اور صدقہ میں متصدق علیہ کا تذلل۔

(۷۱) بعض لوگ حرف ''اَمّا'' کا ترجمہ لیکن کے ساتھ کرتے ہیں اور غیاث اللغات اور کریم اللغات میں بھی یہی لکھا ہے بلکہ کریم اللغات ثانی میں لیکن کے ساتھ مگر بھی یعنی دونوں ترجمے لکھے ہیں اور بعض لوگ بہر حال کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں اس میں ایک بار احقر نے حضرت سے عرض کیا حضرت نے ترجمہ قرآن مجید شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ اور ترجمہ قرآن مجید حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمہ اللہ دیکھ کر فرمایا کہ ''اَمّا'' کا ترجمہ ان حضرات نے ''جو'' کے ساتھ کیا ہے اور یہ لیکن اور مگر دونوں ترجموں سے بہتر ہے اور اسی میں تفصیل کے معنی مع مراعاۃ معنی تاکید جو تعلیق مقدر فی اما کو لازم ہے اچھی طرح حاصل ہیں یہ ترجمہ اُس جگہ منطبق ہوسکتا ہے جہاں ''اَمّا'' تفصیلیہ ہو ورنہ جہاں استینافیہ ہو جیسے ''اما بعد'' اور ''اما زید فمنطلق'' تو

یہاں یہ ترجمہ کرنا ابھی جی کو نہیں لگا اور قرآن مجید میں اما تفصیلیہ ہی پایا جاتا ہے غالباً اما استینافیہ کہیں وارد نہیں ہوا اور نہ ان تراجم میں اُس کو بھی دیکھا جاتا اور لفظ بہر حال جس کے ساتھ بعضے اس کا ترجمہ کرتے ہیں اُردو میں نہ تفصیل کے لئے مستعمل ہے اور نہ استیناف کے لئے بعد لفظ لیکن گو تفصیل کے لئے اُردو میں آتا ہے اور استثناء کے لئے بھی لیکن تفصیل میں مکرر نہیں آتا اور اما مکرر آتا ہے اس لئے لیکن بھی غیر مناسب ہے اور استیناف کے لئے تو لیکن مستعمل ہی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ ''فاما ان کان من المقربین'' میں جبکہ ''اما'' تفصیلیہ ہے یہ فا تفصیل کے لئے نہ ہوگی پھر یا تو محض عطف کے لئے بمعنی واو ہے یا تعقیبی ہے اور ناظرین سے التماس ہے کہ جب تک ''اما'' استینافیہ کا کوئی ترجمہ ایسا میسر نہ ہو جو استیناف اور تعلیق دونوں کا جامع ہو اُس وقت تک احقر کے نزدیک اس کا ترجمہ بھی جو کے ساتھ مناسب ہے اور اگر ہماری اس تحقیق کے خلاف یا اس سے بہتر کسی صاحب کو کوئی تحقیق میسر آوے تو ازراہِ کرم افادہ فرمادیں۔ زادہ الجامع عفی عنہ

(۷۲) ۲۷ ربیع الاوّل۔ ایک صاحب کا عربی میں خط آیا تھا جو نہ خود عرب تھے اور نہ عربی زبان سے اچھی طرح واقف تھے حضرت نے اس کا یہ جواب لکھا کہ جب اپنی زبان میں مطلب ادا ہوسکتا ہے تو اس تکلف اور اظہارِ شانِ علم کی کیا حاجت ہے اُردو میں خط آوے گا تو جواب دیا جاوے گا اور ان کے سوالات کا جواب نہیں دیا چنانچہ اس کے بعد اُردو میں خط مع معذرت آیا۔

(ف) اہل فہم اس مضمون کی قدر فرماویں گے۔ (زادہ الجامع عفی عنہ)

(۷۳) فرمایا کہ جو طلبہ شائق علم ہوتے ہیں ان کا سبق ناغہ کرنے کو بعذر بھی دل نہیں چاہتا۔ (۷۴) ایک صاحب نے برسر مجلس حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا فرمایا کہ آپ نے یہ ہدیہ بے قاعدہ عنایت فرمایا اس لئے میں معذور ہوں قبول نہیں کرسکتا وجہ یہ ہے کہ معطی کو نقد ہدیہ بطریق اظہار اور برسر مجلس پیش کرنا مناسب

نہیں کہ اس میں بوجہ اس کے کہ عرفا تذلّل سمجھا جاتا ہے آخذ کو خجلت ہوتی ہے البتہ آخذ کو خود اظہار مناسب ہے بخلاف غیر نقد کے کہ اس میں اخفاء کا اہتمام ذرا دُشوار بھی ہے نیز عرفا یہ تذلّل بھی شمار نہیں ہوتا کیونکہ باہم احباب میں غیر نقد اس طرح لیا دیا جاتا ہے اور نقد اظہار کے ساتھ دینے میں صوُرت ریاء کی بھی ہے گو نیت نہ ہو۔ (جامع کہتا ہے کہ اگر غیر نقد میں بھی اخفاء سہولت سے ممکن ہو تو زیادہ مناسب ہے)۔

(۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کی فارسی دانی کی ایک زبان داں مدح کرتے تھے مگر باوجود اس کے حضرت حاجی صاحب اس قدر سادہ اور بے تکلف تھے کہ ایک شخص نے فارسی میں آپ سے گفتگو کی اور آپ نے اُردو میں جواب دیا اگرچہ فارسی بولنے پر بخوبی قادر تھے۔ میں نے (یعنی جامع نے) عرض کیا کہ اگر عربی خط کا جواب عربی میں محض اس نیت سے دیا جاوے کہ باہم تناسب حاصل ہو جاوے تو اس میں کچھ تکلف اور ذم تو نہیں ہے فرمایا کہ اس قصد کے بعد کوئی ذم نہیں۔ (۷۶) ایک شخص نے عرض کیا کہ عربی طلبہ عربی گفتگو بے تکلف نہیں کر سکتے بخلاف انگریزی طلبہ کے اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ اس طرف اُن کی توجہ نہیں اور اس بے توجہی کے کئی سبب ہیں:

(۱) کوئی ان کا قدردان نہیں اور بڑی وجہ یہی ہے۔

(۲) ان کو علوم کی تحصیل کی طرف زیادہ توجہ ہے بہ نسبت تحصیل زباندانی کے۔

(۳) وقت بہت کم میسر آتا ہے اطمینان نہیں اس لئے اُس وقت کو تحصیل علوم ہی کے لئے کہ بہ نسبت کمال زباندانی کے وہ اہم بھی ہے غنیمت سمجھتے ہیں۔

(۴) عربی زبان میں قواعد بہت زیادہ ہیں۔

(۵) انگریزی خواندگی میں علوم دقیقہ نہیں اس لئے سبق کی تقریر انگریزی میں سہل ہے پھر اُس سے مہارت بڑھ جاتی ہے بخلاف عربی خواندگی کے کہ اس میں نہایت دقیق اور نفیس علوم ہیں (اسی وجہ سے انگریزی خواں کتنے ہی بڑے فاضل ہوں عربی

خواں سے تقریر و تحریر میں مقابلہ نہیں کر سکتے ۱۲۔ جامع) پس ان علوم کی تقریر کرنا عربی میں مدرس کو اور پھر اُس کا سمجھنا یا اُس پر کچھ سوال کرنا طالب علم کو کسی قدر دُشوار ہے۔

(۶) انگریزی کلام میں اجزاء کی ترتیب ہماری زبان اُردو کے قریب ہے اس لئے انگریزی میں بیان کرنے میں زیادہ تقدیم وتاخیر کرنا دُشوار نہیں بخلاف عربی کے کہ اس میں ترتیب اجزاء کی اُردو سے نہایت بعید ہے اس لئے بھی اُردو زبان کے مضامین کو عربی میں لانا دُشوار ہے مگر تاہم جس کو مہلت واطمینان میسر ہو اُس کو مناسب ہے کہ گفتگو عربی کی کامل قابلیت پیدا کرے اور علوم ادبیہ میں مہارت حاصل کرے۔

(۷۷) ۲۹ ربیع الاوّل۔ فرمایا کہ میرے نزدیک دفع مضرت کے لئے خوشامد جائز ہے اور جلب منفعت کے لئے ناجائز۔

(۷۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ شیخ طریقت کو مثل طبیب جسمانی کے ہونا چاہئے کہ طالب کو اس کی استعداد علمی اور قوت جسمی اور فراغت اور مشاغل اور تحمل وفہم سب کا لحاظ کر کے ذکر وشغل اور دیگر اُصول وفروع تصوف کی تعلیم کرے پھر حضرت قبلہ صاحب ملفوظ نے فرمایا کہ خلوت اور مجاہدہ وغیرہما یہ معین تصوف ہیں اور اُصول تصوف اور چیز ہیں سو جو شخص اُصول سے واقف ہوتا ہے اور اُس کے مطابق تعلیم کرتا ہے وہ تعلیم زیادہ کار آمد ہوتی ہے اور بہت جلد مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

(۷۹) فرمایا کہ مجھ کو کسی بزرگ کی وفات سے بوجہ محبت طبعاً تو رنج ہوتا ہے لیکن یہ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ اسلام کا فلاں کام ان کی وفات سے رُک جاوے گا کیونکہ یہ پورا یقین ہے کہ حق تعالیٰ اپنے دین کا خود حامی ہے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف سے دین کا کام نہ رُکا تو کوئی عالم یا درویش تو کدھر ہے۔

(۸۰) فرمایا کہ میری طبیعت میں اوّل سے جبلی آزادی ہے دوسرے ابتداء عمر سے نہایت راحت اور ناز میں رہا ہوں اس وجہ سے مزاج میں تحمل کم ہے بہتر ہے کہ اب تو احباب مجھ سے بیعت کی فرمائش نہ کریں ہاں تعلیم سے عذر نہیں ہے کیونکہ

بیعت میں ذمہ داری زیادہ ہے اس لئے اس سے میرا جی گھبراتا ہے بیعت کے لئے اور بہت سے حضرات تشریف فرما ہیں یہ اُمر تو مثل اُمر سلطنت کے ہے۔ اس کے لئے شان تحمل اور وقار کی ہونی چاہئے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار　　کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

(۸۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی برکت ہے جو میرے قلب پر مضامین عالیہ وارد ہوتے ہیں ورنہ میں اس قابل کہاں ہوں۔

(۸۲) عرصہ ہوا کہ ایک شخص نے ایک خواب کی تعبیر دریافت کی تھی۔

سو خواب مع تعبیر مندرجہ ذیل ہے:

''ایک صوفی نے خواب میں دیکھا کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکان میں لیٹے ہیں اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی خطا ہوگئی ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کے لئے شرعاً تعزیر کا حکم ہوا ہے اور رائی معزز قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیوے پس وہ اس کام کو کرنا چاہتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو قدرت نہیں دیتے اس پر اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور آپ مخاطب بھی ہوئے۔ نیز یہ بھی دیکھا لیکن حالت مرض میں دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو نمازِ تہجد کے لئے اُٹھنے سے منع فرمایا اور اس میں بوجہ مرض قدرت بھی اُٹھنے کی نہ تھی۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ دوا اس وقت نہ پیو یہ دوا پینے کا وقت نہیں ہے اور واقعی وہ وقت ایسا ہی تھا۔ حضرت نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ اوّل کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ رائی کسی فاروقی بزرگ کی خطاء پر معترض ہے خواہ وہ فاروقیت حقیقیہ ہو یا حکمیہ اور وہ بزرگ رائی کے شیخ ہوں یا نہ ہوں اور اپنے کو اُن سے بہتر خیال کرتا ہے یا اچھا خیال نہ بھی کرتا ہو بہرحال معترض ہے اور یہ اُمر اس کے حق میں مضر ہے اور دوسرے خواب کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ رائی سے اعمال میں کوئی علمی غلطی ہو

رہی ہے مجھے تعبیر میں ملکہ نہیں ہے جو سمجھ میں آیا وہ بیان کر دیا ہے۔

(۸۳) فرمایا کہ جب کوئی مجھ سے کسی کی شکایت کرتا ہے تو میں جب تک دونوں شخصیتوں کو مقابل کر کے اصل واقعہ کی تحقیق نہیں کر لیتا اس وقت تک ظاہراً یا باطناً اس شکایت پر بالکل عمل نہیں کرتا ہاں اس شکایت سے طبعی شبہ ضرور ہو جاتا ہے اور یہ غیر اختیاری ہے لیکن اس پر عمل بالکل نہیں کرتا کہ یہ اختیاری ہے۔

(۸۴) احقر نے عرصہ ہوا کہ تحریری سوال کیا تھا کہ شامی مصری جلد ثالث صفحہ ۳۲۴ کے داہنے حاشیہ پر ہے:

"فرد الزیادی ان الانسان اذا ضاع له شیٔ واراد ان یردہ اللّٰہ سبحانه علیه فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلة و یقرأ الفاتحة و یهدی ثوابها للنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم یهدی ثواب ذلک سیدی احمد بن علوان رحمه اللّٰہ و یقول یا سیدی احمد یا ابن علوان ان لم ترد ﴿فی العبارة تقدیر بحوان لم ترد علی ضالتی یکون شرالک فرد علیٰ ضالتی والانزعتک من دیوان للاولیاء.۱۲﴾ علی ضالتی والانزعتک من دیوان الاولیاء فان اللّٰہ تعالیٰ یرد علی من قال ذلک ضالته ببرکته اجهوری مع زیادة کذا فی حاشیة شرح المنهج للداوٗدی رحمه اللّٰہ اہ منه."

اس کا جو ظاہری مطلب ہے اس میں چند خدشات ہیں۔ اوّل یہ کہ حرف یا حضور پر دال ہے اس سے سماع اولیاء کرام کا بعید و قریب سے ثابت ہوتا ہے اور سماع موتی مختلف فیہ فقط قریب سے ہے بعید کا کوئی معتبر عالم قائل نہیں ولو کان احد فاطلعونی مع دلیل۔ ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ داعی حق تعالیٰ سے ملتجی ہے کہ یہ گفتگو میری ان بزرگ تک اسی طور سے پہنچا دی جاوے تو وسعت ہے۔ مگر باقی خدشات کی تاویل فہم میں نہیں آئی اور وہ یہ ہیں کہ نزعتک الخ۔ (۱) اَمرِ غیر اختیاری محض لغو ہے۔ (۲) نیز ایک بزرگ کی جو محبوبِ حق ہے اس میں بے ادبی ہے

جو ممنوع ہے اور پھر (۳) معصیت کا ارتکاب کر کے اس معصیت کے ذریعہ سے حصول مراد کی اُمید رکھنا کس قدر مذموم ہے خصوصاً جبکہ ایسے اُمور کا اعلان اور ترغیب دلائی جاوے علامہ شامی رحمہ اللہ جیسے متبحر عالم سے ایسی بات سخت بعید ہے۔ ہاں احقر کے نزدیک یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی مجذوب غیر مکلف بزرگ سے یہ الفاظ غلبہ حال میں صادر ہوئے ہوں گے اسی کو جہال نے ایک معمول قرار دے لیا ہے اور علامہ موصوف نے بھی غلطی فاش سے اس کو صحیح سمجھا اور کتاب میں لکھ دیا۔ اگر کوئی اور مطلب جو مخالف شریعت وطریقت نہ ہو جناب کے فہم میں آوے تو ارشاد ہو اس کا حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ میں اس عمل کو بالکل ناجائز سمجھتا ہوں۔ اھ۔

(۸۵) ۶ ربیع الاخر۔ فرمایا کہ ایک بیرونجات کے رئیس نے مجھے اپنے مکان پر بلایا تھا اور اس وقت مجھ سے بیعت کی درخواست کی میں نے کہا کہ آپ میرے مکان پر تشریف لا کر میرے تفصیلی حالات ملاحظہ فرمایئے پھر بیعت کا تذکرہ فرمایئے اس لئے کہ سفر میں میری اصلی حالت نہیں معلوم ہو سکتی وطن میں جیسا لوگوں سے میرا برتاؤ ہے جیسے میرے معاملات اور عبادات ہیں وہ سب بے تکلف معلوم ہو سکتے ہیں باقی سفر میں مثل وطن کے کوئی شخص بے تکلف نہیں رہ سکتا اس لئے ممکن ہے کہ جو عقیدت اس وقت آپ کو مجھ سے ہے وطن میں میری حالت دیکھ کر باقی نہ رہے اور پھر بیعت ہو کر افسوس ہو۔

(ف) **قلت و هٰذا كما ترى يدل على الشفقة الكاملة بالخلق والاخلاص التام فانه قل من كان موصوفاً بمثل هٰذه الصفات و ان كان يعد في جماعة العلماء والفقراء زاده الجامع عفى عنه ۔**

(۸۶) ۸ ربیع الآخر۔ فرمایا کہ مسلمانوں میں سادگی نہیں رہی خطوط اور تحریرات میں بھی تکلف کی عبارتیں درج کرتے ہیں حتیٰ کہ عورتیں بھی۔ یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔

(۸۷) ۱۰ ربیع الآخر۔ فرمایا کہ دیکھا ہے اکثر کم عقل لوگ معاش سے مطمئن رہتے ہیں اور عقلاء کو معاش میں تضییق ہوتی ہے حق تعالیٰ کی شان عجیب نظر آتی ہے۔

(ف) احقر کہتا ہے کہ چونکہ عقل نعمت عظمیٰ ہے اور وسعت فی الرزق سے وسعت فی العقل اعلیٰ ہے لہٰذا عقلاء کو ضیق معاش پر صبر کرنا چاہئے اور یوں تسلی کر لیں کہ ہم کو اعلیٰ درجہ کی نعمت حاصل ہے زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۸۸) ۱۱ ربیع الآخر۔ احقر نے عرض کیا کہ قاعدہ اُصولیہ کہ احتجاج المجتہد بحدیث ہو۔ تصحیح ﴿قلت معناه عندی انه قابل للاحتجاج به دون التصحیح الاصطلاحی فافهم ۱۲. جامع﴾ لہ مخدوش ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ مجتہد نے کوئی حدیث حسن یا صحیح کے میسر نہ آنے سے ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہو چنانچہ احادیث ضعاف سے استدلال درصورت فقدان حدیث حسن و صحیح حنفیہ کے نزدیک جائز ہے قالہ ابن حزم کما فی الخیرات الحسان اور نیز حنابلہ کے نزدیک بھی کما فی السعایۃ پس استدلال مستلزم نہ ہوا حکم بالصحت کو فرمایا کہ یہ خدشہ صحیح ہے پس یہ تصحیح ظنی قرار دی جاوے گی۔

(ف) احقر کہتا ہے کہ پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ جس حدیث کی تحسین یا تصحیح صریح ہوگی وہ ایسی تصحیح یا تحسین ظنی پر راجح قرار دی جاوے گی البتہ جو امام مجتہد ایسا ہو کہ اس کی عادت بحجت صحیحہ ثابت ہو چکی ہو کہ وہ بجز ثقات کے کسی ضعیف سے روایت نہیں کرتا اُس کی روایت کرنا البتہ صریح تحسین یا تصحیح عندہٗ کے حکم میں ہوگا کالامام مالک فانهم صرحوا بانه لا یروی الاعن الثقات عنده و ان کان ضعیفا عند غیره بلکہ اس صورت میں تو راوی کا مجتہد ہونا بھی ضروری نہیں ہے فافهم زادہ الجامع عفی عنه۔

(۸۹) فرمایا کہ جس ہدیہ کو میں واپس کر دیتا ہوں اور مہدی چاہتا ہے کہ وہ طلبہ کو دے دیا جاوے میں اس کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ طلبہ کے لئے مردود شے تجویز کی جاوے کہ اس میں اُن کو ذلیل سمجھنا ہے گو کسی درجہ میں سہی۔

(۹۰) فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھے بلانے کا خط لکھا اور اس خط کے ہمراہ دو سو روپیہ مدرسہ کے لئے بھی بھیجے میں نے جواب لکھا کہ آپ کو میرے بلانے کے خط

کے ساتھ یہ رقم ارسال کرنا نامناسب تھا اس لئے کہ اس کا طبعی اثر یہ ہے کہ اس روپیہ کے ذریعہ سے مجھ پر زور پڑے اور میں آنے سے انکار نہ کرسکوں اور گو آپ کے دل میں یہ بات نہ ہو مگر اُس کی صورت یہی ہے میں بطور امانت ڈاک خانہ میں یہ رقم رکھائے دیتا ہوں تا کہ فوری واپسی سے آپ کی دل شکنی نہ ہو اگر اس کا جواب میرے مزاج کے موافق نہ آیا اُس وقت واپس کردوں گا اُنہوں نے معذرت لکھی کہ مجھ سے واقعی غلطی ہوئی بلانے کی فرمائش کو میں واپس لیتا ہوں آپ یہ رقم قبول فرما کر مدرسہ میں داخل فرمالیجئے۔ پس میں نے اس فرمائش کو قبول کرلیا اور اُن کو ایک تسلی آمیز خط لکھ دیا کہ کسی وقت پر اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کو ملاقات کا موقع دوں گا۔

(۹۱) فرمایا کہ جب کبھی ضروری خرچ سے بہت زیادہ کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے اس کے اِخراج کی فکر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ طبیعت میں اس قدر آزادی ہے کہ اگر اس وقت مجھے کہیں پانچ (یا زیادہ) سال کے لئے بھی سفر کی حاجت ہو تو بلا تکلف فوراً ہی جا سکتا ہوں کوئی خلجان ہی نہیں سب کام سے ہر وقت فارغ رہتا ہوں اور اگر موت آئے جب بھی بفضلہ تعالیٰ کسی طرف قلب کا تعلق نہ رہے۔

(ف) سبحان اللہ تعالیٰ کیسی حیٰوۃ طیبہ ہے ہر مسلمان کو ہر وقت سفر آخرت کا خیال کر کے حتی المقدور فارغ رہنا چاہئے زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۹۲) فرمایا کہ تبلیغ دین کا کام مشائخ صوفیہ سے زیادہ ہوتا ہے کہ اُن کے اطوار وافعال سے بھی لوگوں کو اسلام کی طرف جذب ہوتا ہے اور نری قولی مجالس تبلیغ کا بہت ہی کم اثر ہوتا ہے اور ایک انگریز نے لکھا ہے کہ اسلام مشائخ صوفیہ اور تجار کے ذریعہ سے پھیلا ہے تجار جہاں پہنچتے ہیں تجارت کے ساتھ تبلیغ بھی کرتے ہیں اور ہر مسلمان گویا اپنی ذات پر تبلیغ لازم سمجھتا ہے۔

(۹۳) ۱۵ ربیع الآخر۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ تہجد کو میری آنکھ نہیں کھلتی فرمایا کہ عشاء کے بعد تہجد پڑھ لیا کرو اِن شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں اس کی

برکت سے تہجد کو آنکھ کھلنے لگے گی۔

(۹۴) ۱۶ ربیع الآخر۔ اثنائے درس مثنوی شریف میں ایک شخص نے حاضر ہو کر حضرت کو سلام کیا اور پھر مصافحہ کرنے کے لئے پڑھاتے ہی میں اس طرح آگے بڑھے جس سے بعض علماء کو جو متعلم مثنوی شریف تھے اُن کے اس طرح مصافحہ کے لئے آگے بڑھنے سے کلفت ہوئی حضرت اس بے تمیز شخص پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ لوگوں کو پھاند کر جانے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے اس نے کہا کہ میں گنوار ناواقف ہوں فرمایا کہ اگر اس جگہ کوئی ڈپٹی یا تھانہ دار بیٹھے ہوتے تو کیا تم اُن کے سامنے بھی اسی طرح اُن کو تکلیف دیتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے بڑھتے، کہنے لگے نہیں فرمایا کہ اُن کے لئے گنوار نہیں ہو اہل علم کی ایذاء کے لئے گنوار ہو معلوم ہوا کہ تم اہل دنیا کو معزز اور اہل دین کو ذلیل سمجھتے ہو ہم ایسے شخص کو سخت حقیر سمجھتے ہیں جو دینداروں کی بے وقعتی کرے یہ لوگ نائب رسول ہیں کیا ان کا تمہارے ذمے یہی حق ہے افسوس مسلمانوں پر کیا بلا نازل ہوگئی ہے پھر فرمایا کہ اہل علم کی خوش اخلاقی نے عوام کے دماغ بگاڑ دیئے ہیں اعتدال ہر شے میں محمود ہے اور پھر اس شخص کو نرمی سے سمجھایا اور بہت تالیف قلب اور محبت کی باتیں کیں حتیٰ کہ قصور معاف کرایا۔ احتیاطاً کہ ممکن ہے کچھ تجاوز ہوگیا ہو اور فرمایا کہ مشغول بالدین کو سلام بھی کرنا منع ہے چہ جائیکہ مصافحہ۔

(۹۵) ۱۸ ربیع الآخر ۳۴ھ۔ اثنائے درس جلالین شریف میں قولہ تعالیٰ انذرتھم الخ میں فرمایا کہ اس تفسیر میں چار قراءتیں لکھی ہیں اور واقع میں پانچ قرأت متواترہ ہیں ایک ترک ہوگئی ہے تفصیل ان کی یہ ہے:

"الاولی تسهیل الثانیة بین الهمزة والالف وادخال الف بینهما لقالون وابی عمرووهو وجه لهشام (و هذا هو المراد بقوله تسهیلها و ادخال الف بین الخ) الثانیة تسهیل الثانیة و عدم ادخال الف بینهما لورش و ابن کثیر (وهذا هوالمراد بقوله تسهیلها

ونر که) الثالثة: تبدیل الثانیة حرف مدوهو وجه لورش (وهو المراد
بقوله ابدال الثانیة الفا) الرابعة: تحقیق الهمزة الثانیة و ادخال الف
بینهما لهشام فی وجه (وهذا لم یذکره المفسر) الخامسة: التحقیق
والقصر الباقین (و هو المراد بقوله بتحقیق الهمزتین) و اما الهمزة
الاولٰی فالکل متفقون علی تحقیقها اهـ"

(۹۶) ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ چاندی کے بٹنوں کی متعارف زنجیر باتفاق ناجائز ہے احقرؔ نے عرض کیا کہ زنجیر تابع ہے فرمایا کہ بٹن بغیر اس کے رُک سکتے ہیں پھر احقر نے عرض کی کہ تبعیت کے لئے اضطرار تو ضرور نہیں فرمایا کہ اس طرح ایک زنجیر کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ تابع کر دی جاوے لیکن آج کل کئی کئی زنجیریں لگاتے ہیں وہ سب تو تابع نہیں کہی جاسکتیں احقر نے عرض کیا کہ درست ہے اور زنجیر میں باتفاق کی قید اس لئے ہے کہ خود بٹن میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے۔

(۹۷) ۱۹ ربیع الآخر۔ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے مسئلہ تقدیر میں بدرجہ وسوسہ شبہ ہے اور فوری علاج چاہا۔فرمایا کہ یہ وساوس کتنی مدت سے آتے ہیں عرض کیا کہ دو تین برس سے فرمایا کہ اتنے پرانے مرض کا علاج اس قدر جلد دو منٹ میں کس طرح ہوسکتا ہے ایک ماہ آپ یہاں رہئے اور میری باتیں سُنا کیجئے اِن شاءاللہ تعالٰی یہ وساوس خود بخود دفع ہو جاویں گے اور اصل تو یہ ہے کہ قیل و قال سے کبھی شبہات دفع نہیں ہو سکتے بلکہ احوال پیدا ہونے سے وساوس کا انقطاع ہوتا ہے اور احوال پیدا ہوتے ہیں دو چیز سے ایک صحبت محققین سے جو جامع ہوں شریعت اور طریقت کے اور ذی فہم ہوں دوسرے ذکر اللہ تعالٰی سے اور جو طریق آپ نے اس کے علاج کے لئے اس قلیل مدت یعنی چند منٹ میں تجویز کیا ہے یہ صورت تو امتحان کی ہے استفادہ کی نہیں ہے۔اور نہ تقریر سے اس میں کچھ فائدہ ہوسکتا ہے گو یہ میرا جواب بے مروّتی اور دفع الوقتی و عجز عن الجواب پر مبنی کیا جاسکتا ہے لیکن مجھے اظہار حق میں ایسی باتوں کی

پرواہ نہیں ہے بلکہ میں تو خود بھی اپنے جہل کا مقر ہوں۔ اور جاننا چاہئے کہ اگر قیل و قال سے یہ مرحلہ طے ہو جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے مخلصین اور محققین کو اسباب میں گفتگو کرنے سے جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جیسے شفیق معلم ہرگز منع نہ فرماتے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم اہل حال ہوئے تو پھر کبھی یہ گفتگو زبان پر بھی نہ آئی اور حقیقت یہ ہے کہ عشق اور عظمت یہ ہو کہ یہ دو باتیں ایسی ہیں جن سے احکام محبوب یا حاکم کی نسبت خواہ وہ مفہوم عند العقل بھی نہ ہوں تسلی کامل حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ سلاطین دنیا کے بعض قوانین کی بنائیں یقیناً عوام کی سمجھ میں نہیں آتیں لیکن سلطنت کی عظمت سے بڑے بڑے عقلاء رعایا اس کے سامنے سر تسلیم ہی خم کر دیتے ہیں اور اس میں اُن کو ذرا بھی تامل نہیں ہوتا جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اُن کی عظمت قلب میں ہوتی ہے پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ حق تعالیٰ جیسے محبوب و سلطان السلاطین کے احکام میں اتنی بھی تسلی نہ ہو جس کی وجہ وہی عظمت و محبت کا نہ ہونا ہے سو بزرگوں کی صحبت سے یہی محبت اور عظمت خداوندی پیدا ہو جاتی ہے جو قاطع وساوس ہے۔ اور ایک مرتبہ قطع وساوس سے آگے انکشاف اسرار کا ہے سو قیل و قال سے وہ بھی میسر نہیں ہوتا اُس کا طریق صرف یہ ہے کہ جب انسان اطاعت کاملہ کرتا ہے تو اُس پر اسرار الٰہیہ خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں لیکن اطاعت کشف اسرار کی نیت سے کرنا سخت بے ادبی ہے اور نہ اس طرح اس میں کامیابی ہوتی ہے بلکہ اطاعت تو محض اس قصد سے کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ ہمارے مالک اور آقا ہیں اور ان کی اطاعت ہم پر واجب ہے اور ہم اس کو ادا کر رہے ہیں۔ ہاں اس پر اگر کچھ اس کی طرف سے عنایت ہو جاوے تو عین کرم الٰہی ہے ورنہ کچھ بھی شکایت نہیں اسرار الٰہیہ کی مثال بیگمات شاہی کی سی ہے اگر کوئی شخص بیگمات کو دیکھنا چاہے تو اُن کا ذریعہ اگر ہے تو کامل اطاعت ہے لیکن نہ بایں ارادہ کہ یہ مقصود حاصل ہو جاوے کیونکہ اگر اس نیت کی خبر بادشاہ کو ہو گی تو فوراً اس کو قتل کرا دے گا۔ بلکہ اطاعت تو سلطان کا حق سمجھ کر کرے اس کے بعد عجب نہیں کہ

بادشاہ اس مطیع کامل کو اپنے خاص زنان خانہ میں اوّل پردہ کے ساتھ لے جاوے اور پھر رفتہ رفتہ اپنی بیگمات سے کہہ دے کہ ہم کو اس شخص کے تدین اور محبت پر غایت اعتماد ہے اس لئے تم اس سے پردہ ترک کردو اور بجائے اولاد کے سمجھو کہ یہ بھی ہم کو باپ اور تم کو اپنی ماں سمجھتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی قدس سرہٗ سے کسی نے ایاز کے ساتھ زیادہ محبت کرنے کا سبب دریافت کیا تھا اُس وقت تو انہوں ٹال دیا پھر ایک روز اس طور سے بتلایا کہ ایک قیمتی موتی توڑنے کا حکم باری باری سب ارا کین کو نیز ایاز کو بھی دیا بوجہ نہایت گراں بہا ہونے کے کسی کی جرأت اس حکم پر عمل کرنے کی نہ ہوئی مگر ایاز نے تعمیل کردی بادشاہ نے اس پر خفگی ظاہر کی کہ تم نے ایسی حرکت کی کہ ایسی قیمتی چیز ضائع کردی کہنے لگا مجھ سے قصور ہوا اور یہ نہ کہا کہ آپ ہی کا حکم تھا دیکھو حکم پر عمل بھی کیا اور پھر اس کو اپنی خطاء بھی قرار دیا۔ اس قصہ کے بعد سلطان نے ارکان سے کہا کہ یہ باعث ہے از دیاد محبت کا اس سے سبحان اللہ کم سے کم حق تعالیٰ کے حکم کے ساتھ اتنا تو علاقہ ہونا چاہئے اطاعت کاملہ یہ ہے جو سبب ہو جاتا ہے حب وقرب خاص کا۔

(۹۸) ۲۵ ربیع الآخر۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ کے خاص بندوں کو جب اللہ والا سمجھا جاوے تو اُن کی ہر طرح ایسی برداشت کرنی چاہئے جیسے حق تعالیٰ کی۔ پھر فرمایا کہ میں پہلی بار حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے دربار میں حاضر ہوا تو بہت حدت سے پیش آئے تھے اور شان جلال کا ظہور ہوا تھا اور دوبارہ جب حاضر ہوا تو نہایت خاطر سے پیش آئے اتنا کہ میں آنا چاہتا تھا مگر نہ آنے دیتے تھے اور کئی روز تک مہمان رکھا اور ایسے کھانے کھلائے کہ کبھی حضرت نے کسی رئیس کے بھی ایسا کھانا نہ کھلایا ہوگا۔ مگر میرے قلب میں پہلی بار بھی کچھ تغیر نہیں ہوا اس لئے کہ جب میں حضرت کو بزرگ سمجھ کر خدمت میں حاضر ہوا تو پھر تغیر کے کیا معنی۔

(۹۹) مؤذن سے فرمایا کہ جب میں کسی کام میں مشغول ہوں تو کھڑے ہو کر مجھے کسی اُمر کی اطلاع نہ کیا کرو کہ یہ بے تمیزی ہے اس میں ایک تقاضا سا معلوم ہوتا

ہے بیٹھ کر فرصت دیکھ کر تب کچھ کہا کرو۔

(۱۰۰) یکم جمادی الاولیٰ۔ فرمایا کہ حضرت غوث اعظم اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہا کو جس قدر علماء میسر آئے یعنی اُن کے مرید ہوئے اس قدر شاید ہی کسی کو میسر آئے ہوں اور یہ تو متقدمین مشائخ کی حکایت ہے اور متاخرین میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کو جس قدر علماء میسر آئے غالباً اس قدر کسی اہل سلسلہ کو نہیں ملے ہوں گے۔

(۱۰۱) فرمایا کہ ایک جید عالم جن کی دستار بندی مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمائی تھی تیز مزاج تھے شرح جامی پڑھاتے میں مولانا جامی پر نازیبا عنوان سے کوئی اعتراض کیا خواب میں جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس طرح دیکھا کہ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ حضرت رسول پاک سے ان کی شکایت کررہے ہیں کہ انہوں نے مجھ پر خواہ مخواہ اعتراض کیا ہے حضور نے فرمایا کہ تم دونوں صاحب شرح جامی کے اس مقام کی تقریر کرو اس کے بعد ہم فیصلہ کریں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جامی ٹھیک کہتے ہیں تو یہ عالم صاحب کیا کہتے ہیں کہ یارسول اللہ ذرا سوچ کر فرمایئے ارشاد ہوا کہ تم تو مجنون ہوں آنکھ کھلی تو مجنون تھے پھر جنون ہی رہا آخر عمر تک۔

(۱۰۲) ۱۲/جمادی الاولیٰ۔ فرمایا کہ اہل کشف نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جو حادث عظیم عالم میں اُن کو پیدا کرنا ہوتا ہے اس کا القاء عام لوگوں کے دل میں پہلے سے فرمادیتے ہیں۔

(۱۰۳) ۲۲ جمادی الاولیٰ۔ فرمایا کہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کشاف لے کر امام غزالی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت امام نے فرمایا انت من علماء القشر۔ زمخشری رحمہ اللہ کو اسی پر فخر تھا چنانچہ کہا کرتے تھے کہ غنیمت ہے اتنے بڑے امام نے مجھے علماء میں تو شمار کیا پھر فرمایا کہ حضرت امام کی جرأت اور حقانیت کو دیکھو کہ ذرا نہ جھجکے حالانکہ اہل کمال کا اکثر رعب چھا جاتا ہے اس طرح بے تکلف گفتگو دشوار ہوتی ہے۔

(ف) اور علامہ موصوف کا انصاف بھی قابل قدر ہے کہ ایسے کلام سے برا نہیں مانا بلکہ اُس کی قدر کی جس سے انصاف اور تواضع صاف ظاہر ہے رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ آمین زاد الجامع عفی عنہ۔

(۱۰۴) فرمایا کہ بعض اہل باطل فرق کے جو خداعات سنے جاتے ہیں کہ وہ اہل حق کو کھانا کھلاتے ہیں تو اس میں نجاست تھوک وغیرہ ملا دیتے ہیں ایک بار تو مجھے خود اسی قسم کا تجربہ ہوا ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب ایسے ہی کان پور میں رہتے تھے اُنہوں نے ایک بار ایک پرانے کپڑے پر ڈھاک کے پتے اور اُن پر راکھ بچھا کر اُس پر براز رکھا اور اس کو لپیٹ کر ہمارے گھر پھینک دیا کھولا تو یہ عجیب مجموعہ اور ایک صاحب خود مجھ سے لکھنؤ کا قصہ اپنا چشم دید بیان فرماتے تھے کہ ایک ایسے ہی شخص نے افطار کے وقت مزعفر میں براز اسقل میں رکھ کر مسجد میں بھیجا تھا اللہ تعالٰی پناہ میں رکھے ان لوگوں سے سخت اجتناب چاہئے۔

(۱۰۵) ۲ جمادی الاخری۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر استفاضہ عن القبور کی غرض سے کشف و معرفت قبر بزرگان اس طرح حاصل کرے کہ جو وظائف "ضیاء القلوب" میں کشف قبور کے لئے مرقوم ہیں اُن میں سے کوئی وظیفہ پڑھے تو اُن وظائف سے یہ مقصود حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی ظناً کشف و معرفت صاحب قبر حاصل ہو جاتی ہے یا نہیں فرمایا کہ مشق کے بعد ایسا ہو جاتا ہے دو ایک بار میں نہیں ہوتا اور احقر نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ بلا وظیفہ پڑھے بھی یہ معرفت اُس کو حاصل ہوسکتی ہے جس کو کثرت سے کشف ہوتا ہو فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اگر کشف بھی نہ ہو تب بھی محض انتقال فیض کا خیال کر کے اُن بزرگ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاوے تو اس قدر بھی اس استفاضہ کے لئے کافی ہے جس کا حصول ذوق سے معلوم ہوگا اور ان اُمور میں اعتبار ذوق کا ہے اور واقعات میں اعتبار کشف و رفع حجاب کا ہے۔

(۱۰۶) فرمایا کہ رفع حجاب کو کشف اور القاء فی القلب کو الہام کہنا اولٰی ہے گو

ایک پر دوسرے کا اطلاق جائز ہے اور الہام عام ہے خواہ اُمور دینیہ کے بارے میں ہو یا واقعات کونیہ کے باب میں۔(۱۰۷) فرمایا کہ انتفاع بالقبور میں اہل کشف اور غیر اہل کشف سب مساوی ہیں البتہ مستفیض کا صاحب نسبت ہونا شرط ہے۔

(۱۰۸) احقر نے عرض کیا کہ اگر زندہ بزرگ کی طرف متوجہ ہو کر کوئی شخص بیٹھے تو اس کو نفع باطنی ہوگا یا نہیں خواہ اُن بزرگ کو اطلاع ہو جبکہ وہ اہل کشف ہوں یا اطلاع نہ ہو جبکہ وہ اہل کشف نہ ہوں فرمایا کہ نفع دونوں صورتوں میں ہوگا لیکن پہلی صورت میں زیادہ ہوگا کیونکہ اُن بزرگ کو جب کشف کے ذریعہ سے معلوم ہوگا تو وہ خود بھی توجہ فرماویں گے۔

(ف) زندہ اور مردہ بزرگوں سے اس طرح استفاضہ کرنا کہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے زیادہ نافع اہل نسبت کو ہے اور فی الجملہ نفع غیر اہل نسبت ذاکر شاغل کو بھی ہوتا ہے اور محض عامی شخص کو جو ذاکر شاغل نہ ہو خاص نفع نہیں ہوتا۔قالہ الجامع عفی عنہ۔

(۱۰۹) فرمایا کہ قبور سے نفع ہونے کی شرط عادی یہ بھی ہے کہ ایسے بزرگ کی قبر سے استفاضہ کرے جن کے ساتھ اس شخص کو کچھ مناسبت بھی ہو ورنہ انقباض کا ضرر ہو جاتا ہے اور اہل کشف مستفیض کو تو یہ اُمر کشف سے محسوس ہو سکتا ہے اور غیر اہل کشف کو تجربہ وجدان سے پس غیر اہل کشف کو اگر (نفع نہ ہویا) انقباض ہو تو یہ سمجھ لے کہ میری نسبت ان صاحب قبر کی نسبت سے کسی قدر متباین ہے لہٰذا استفاضہ چھوڑ دے۔گو نفس نسبت بقدر مشترک سب بزرگوں میں ہے لیکن ہر نسبت کا رنگ جدا ہے اس لئے اس کا اثر بھی جدا ہے۔

(۱۱۰) فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احوال کی اولیاء کو ہوا بھی نہیں لگی اور اولیاء کے احوال کا فی الجملہ حصہ ہر عام مؤمن کو میسر ہے۔

(۱۱۱) احقر نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی مردہ بیوی کا خیال کر کے التذاذ حاصل کرے تو یہ گناہ ہے یا نہیں کیونکہ نکاح منقطع ہو چکا ہے فرمایا چونکہ یہ تصور والتذاذ ایام زوجیت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ زمانہ انقطاع نکاح کے اعتبار سے اس لئے گناہ نہیں فافہم۔

(۱۱۲) ۲۰ ذی الحجہ۔ فرمایا کہ مسلمان کو چاہئے حق تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست اور صاف رکھے اس کے بعد معتقدین یا مخالفین کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے ایسے شخص کو دارین میں کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ (۱۱۳) فرمایا کہ فلاں نواب صاحب مرحوم نے جب فلاں بیگم صاحب مرحومہ والیہ فلاں ریاست سے شادی کی تو اس حالت میں نواب صاحب کو حسب سابق بیگم صاحبہ ہی کے ملازم رہے مگر اس قدر باحیا تھے کہ اپنی تنخواہ میں سے بیگم صاحبہ کا نفقہ ادا فرماتے تھے اور اُن کو اپنے دباؤ میں رکھتے تھے حتیٰ کہ احیاناً اُن سے اپنے لئے کھانا بھی پکوا لیتے تھے۔

(ف) واقعی مرد کو مرد ہی ہو کر رہنا چاہئے خواہ عورت کسی درجہ کی ہو اُس کے احسان سے اجتناب رکھے اور حقوق پورے طور پر ادا کرے علو ہمت اور اتباع سنت یہی ہے قالہ الجامع عفی عنہ۔ (۱۱۴) فرمایا کہ شادی اپنے برابر کی جگہ مناسب ہے کہ اس طرح نباہ اچھی طرح ہو جاتا ہے اور اپنے سے بڑے لوگوں سے میل کرنا نہایت نامناسب ہے کہ اس میں چین میسر نہیں ہوتا۔

(۱۱۵) فرمایا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہتا تھا تو حضرت کی خدمت میں حاضری کے سوا خارج وقت میں تمام ''ضیاء القلوب'' اذکار و اشغال کو بترتیب روزانہ عمل میں لاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان سب کا پورا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے ایک روز حضرت کی خدمت میں یہ قصہ عرض کیا حضرت ہنسے اور فرمایا کہ یہ سبق نہیں ہے بلکہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ عطار کی دکان پر اقسام مختلفہ کی ادویہ رکھی ہوئی ہیں تو اُن کے رکھنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ہر مریض ان سب ادویہ کو استعمال کیا کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ جس مریض کے لئے جو دوا مناسب ہوگی وہ اُس کو دی جاوے گی سو اسی طرح بہت سے طرق جمع کر دیے ہیں تا کہ ہر طالب کے لئے جو شغل مناسب ہوتا ہے وہ اس کو بتلایا جاتا ہے پھر حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ دستر خوان پر اطعمہ مختلف رکھے جاتے ہیں نہ

اس لئے کہ ان سب کھانوں کو سب ہی کھاویں بلکہ اس لئے کہ جو کھانا جس کو پسند ہو وہ اُس کو کھالے اصلی غرض عقلاء کی تعداد اطعمہ سے یہی ہے گو اہل عرف اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور فرمایا کہ حضرت کی برکت سے یہ تحقیق نصیب ہوئی ہے۔

(۱۱۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل استعداد اتباع شریعت اور صحبت محقق باعمل سے پیدا ہوتی ہے اور ذکر سے اس میں اعانت ہو جاتی ہے لیکن لوگوں نے آج کل صحبت کا اہتمام چھوڑ دیا ہے۔

(ف) اور اسی طرح اتباع سنت کی طرف بھی لوگوں کی توجہ بہت کم ہے حق تعالیٰ توفیق عطا فرماویں یہ بڑے اہتمام کی چیز ہے کہ بعثت نبویہ سے یہی مقصود ہے قالہ الجامع عفی عنہ......(۱۱۷) فرمایا کہ ہمارے یہاں سہولت بہت ہے لیکن اس سہولت کو ہر جگہ اپنی رائے سے استعمال نہ کرنا چاہئے کہ مواقع استعمال کا سمجھنا سہل نہیں بلکہ شیخ سے اپنے احوال کی پوری پوری اطلاع کرنی چاہئے اور پھر جو وہ فرماویں اس پر عمل لازم سمجھنا چاہئے۔

(۱۱۸) فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف کوئی متوجہ ہو کر تو دیکھے کہ اس طرف سے اس شخص کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا ہے تھوڑے اخلاص سے متوجہ ہو۔ مولوی ہادی علی صاحب مرحوم جن کے حواشی گلستان وغیرہ پر ہیں جماعت کے بہت بڑے پابند تھے۔ ایک زمانہ دراز تک اُن کی جماعت فوت نہ ہوئی تھی اتفاق سے ایک بار بیل گاڑی میں سفر کر رہے تھے خیال تھا کہ ظہر کی نماز تک ایسے موقع پر پہنچ جاویں گے جہاں جماعت میسر آ جاوے گی لیکن نہ پہنچے بیل بان ہندو تھا انہوں نے جنگل میں نماز کا قصد کیا اور دُعا کی کہ میں سخت عاجز ہوں یا اللہ جماعت کا بندوبست فرما دیجئے اور چار سنتیں پڑھیں جوں ہی سلام پھیرا بیل بان نے کہا کہ مجھے مسلمان کر لیجئے آپ نے اُسے مسلمان فرما کر اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی۔

(۱۱۹) فرمایا کہ مبتدی اہل سلوک سے تو یہ کہنا مناسب نہیں ہے مگر حضرت حاجی صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ اصل مقصود فہم ہے اور مجاہدہ ذریعہ ہے اس مقصود کا اُس کی

برکت سے فہم سلیم پیدا ہو جاتا ہے جس سے حقائق اشیاء روشن ہو جاتی ہیں و یؤیدہ قول علی رضی اللہ عنہ الا فهمًا اوتیہ الرجل فی القرآن و قدورد فی الفقه فضائل کثیرۃ ۔اور ہندی اہل سلوک سے اس لئے کہنا مناسب ہے کہ کہیں وہ نرے فہم ہی پر کفایت نہ کر بیٹھیں عمل کا اہتمام چھوڑ دیں حالانکہ بدون عمل کے وہ فہم مطلوب بھی نہیں میسر ہوگا۔(۱۲۰) فرمایا بدون اُصول طریق کے جانے ہوئے فقط ذکر پر قناعت کرنے سے جمعیت حاصل نہیں ہوتی جس کے بغیر کوئی کام درست نہیں ہوتا۔

(ف):قد صدق من قال

در جمعیت کوش تا ہمہ ذات شوی ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

قاله الجامع عفی عنه

(۱۲۱) فرمایا کہ مرض بھی بڑی رحمت ہے جس سے بہت سے باطنی منافع اور بہت سے فتنوں سے حفاظت رہتی ہے۔

(۱۲۲) فرمایا کہ مولانا عبدالقیوم صاحب رحمہ اللہ مقیم بھوپال جو بہت بڑے حق گو تھے ایک بار مولانا شاہ خلیل احمد صاحب مدرس اوّل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے فرمانے لگے کہ حضرت مولانا شاہ رشید احمد صاحب رحمہ اللہ جو کراہت جماعت ثانیہ کا فتویٰ دیتے ہیں تو اگر کبھی اُن کی جماعت ناغہ ہو جاتی ہوگی تو کیا کرتے ہوں گے مولانا نے فرمایا کہ جماعت تو درکنار ہم نے تو اتنے زمانہ سے اُن کی تکبیر اولیٰ ناغہ ہوتے نہیں دیکھی فرمانے لگے کہ ہاں ایسے شخص کو زیبا ہے کہ ایسا فتویٰ دے ہمارا تو منہ اس قابل نہیں ہے اس لئے ہماری جماعت تو گاہ گاہ ناغہ ہو جاتی ہے۔

(ف): سبحان اللہ کیا حق پرستی ہے اور کیسی تواضع ہے اہل علم کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔اللهم ارزقنا قاله الجامع عفی عنه۔

کتبہ السید احمد حسن خاکپائے حضرت اشرفیہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ یوم پنجشنبہ

تمام شد حصہ چہارم ملفوظات خمرت

ملفوظاتِ خبرت.....(حصہ پنجم)

﴿ مکتوبات خبرت حصہ پنجم کے عنوان پر حاشیہ کا اخیر حصہ ملاحظہ ہو۔۱۲ منہ ﴾

تمہید حصہ دوم ملاحظہ ہو

(۱) ۲ صفر ۱۳۳۵ھ۔ ایک صاحب بقصد اصلاح نفس حاضر خدمت اعلیٰ ہوئے اور پہلے اس سے کہ اپنے مقصود کے بارے میں حضرت سے تفصیلی گفتگو کریں کچھ علمی قیل وقال شروع کیا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اپنا مطلوب پیش کرنے سے پہلے دوسرے کام میں خود مشغول ہونا نیز مجھے مشغول کرنا دال ہے اس اَمر پر کہ طلب صادق نہیں ورنہ پہلے اس کام کا اہتمام کرتے جس کے لئے آئے ہو نیز یہ علمی گفتگو اس کی بھی مظہر ہے کہ ہم اہل علم ہیں ہم سے اہل علم کا برتاؤ کیا جاوے آپ کو چاہئے تھا کہ اوّل جس لئے آئے تھے اس سے مطمئن اور فارغ ہو کر یہ گفتگو کرتے اور وہ بھی جب کہ مجھ سے کچھ مناسبت اور بے تکلفی ہو جاتی اور اگر اس سے پہلے ہی اس گفتگو کا شوق تھا تو مجھ سے اجازت حاصل کرتے اس وقت گفتگو کرتے شاگرد اور اُستاد ہونے کی صورت میں تو یہ اُمور ناگوار نہیں ہوتے ہیں اور پیری و مریدی کے تعلق پر ایسے برتاؤ کا برا اثر ہوتا ہے اور شیخ کے قلب میں تکدر ہو جاتا ہے پھر استفادہ کس طرح ہو سکتا ہے وہ صاحب کچھ نا معقول عذر کرنے لگے جو صورۃً معارضہ ومجادلہ تھا اور کہنے لگے کہ میں نے اظہار علم کے لئے یہ گفتگو نہیں کی بلکہ اظہار جہل کیا ہے فرمایا گو قصد اس کا نہ ہو لیکن صورت موہم تو ہے پھر وہی نا معقول عذر کیا فرمایا کہ آپ معارضہ کرتے ہیں میں کہتا

ہوں کہ آپ نے یہ فعل کیا اور آپ اس کو برابر رد کئے جا رہے ہیں۔

میں دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ میں آپ کی اصلاح کے لائق نہیں ہوں آپ خود ہادی عالم ہیں میں تو جہلاء کی اصلاح کیا کرتا ہوں آپ نے علم پڑھ کر بھی سلیقہ حاصل کیا ہے آپ ایسی جگہ تشریف لے جایئے جہاں ان اُمور پر مواخذہ نہ ہو اور میں جو کچھ عرض کرتا ہوں تخویفاً و تہدیداً نہیں کہتا بلکہ بطریق صفائی معاملہ گذارش کرتا ہوں مجھ سے آپ کو نفع نہ ہوگا اور اگر آپ کو مجھ سے ہی کچھ حاصل کرنا ہے تو چھ ماہ یہاں بالکل خاموش ہو کر قیام کیجئے اور یہاں کا طرز و انداز دیکھئے اور ادب حاصل کیجئے اگر توافق طبیعتین ہو گیا تو اس وقت استفادہ ممکن ہے اور اب چونکہ میں اصلاح نفس کی خدمت سے آپ کے لئے انکار کر چکا ہوں بس اب جس قدر آپ چاہیں علمی گفتگو فرمایئے مطلقاً ناگوار نہ ہوگا کیونکہ حیثیت بدل گئی پھر فرمایا کہ بلاتشبیہ پیری مریدی کا علاقہ مثل زوجیت کے علاقہ کے ہے اگر زوجین میں تکدر ہو تو توافق انزالین نہیں ہوتا تو علوق بھی نہیں ہو سکتا پھر بچہ کہاں سے پیدا ہوگا نتیجہ نکاح سے محرومی ہوگی اسی طرح جب شیخ و مستفید میں توافق نہ ہو استفادہ نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا بھی تو ناقص جو منتج مطلوب نہیں ہے سو انجام محرومی ہوتی ہے پھر فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کے مزاج میں اس قدر تواضع تھی کہ جب کہیں جاتے تو یہی سعی فرماتے کہ مجھے کوئی صاحب علم نہ سمجھے معمولی گفتگو فرماتے تھے اصطلاحات علمیہ سے بھی احتراز فرماتے تھے اہل اللہ کا تو یہ طریق رہا ہے۔

(۲) ۳ صفر۔ ایک صاحب جو حضرت سے بیعت تھے حاضر خدمت ہوئے اور کسی شخص کا کوئی دنیوی پیغام پیش خدمت کیا حضرت کو ناگوار ہوا اور فرمایا کہ مجھ سے جو آپ نے علاقہ پیدا کیا ہے تو دین کے لئے یا دنیا کے لئے آپ بھی دُنیا کے جھگڑے پیش کیا کرتے ہیں کبھی اپنی وسعت معاش کے لئے کبھی دوسروں کی خیر خواہی کے لئے آپ کو تو میرے سامنے دنیا کے متعلق کچھ بھی کہنا مناسب نہیں کیا میں تقدیر بدل سکتا

ہوں جتنا قسمت میں ہوگا وہ ملے گا ہاں دعاء کیجئے اور صبر فرمایئے مجھ سے صرف دین کی باتیں دریافت کیا کیجئے اور دنیا کا قصہ کوئی میرے سامنے پیش نہ کیا کیجئے نہ اپنا نہ دوسرے کا اور جو شخص آپ کی معرفت کوئی پیغام کہلاوے۔

اس سے صاف کہہ دیجئے کہ وہاں اس کی سخت ممانعت ہے اور یہ خرابی آپ کے اندر بوجہ عدم صحبت کے ہے کبھی کبھی آپ مدتوں کے بعد مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے مل جاتے ہیں اور اس وقت بھی دنیا کے قصے پیش کرتے ہیں پھر کیسے اصلاح ہو آپ کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین کیا چیز ہے اگر معلوم ہوتا تو آپ پر ایسی بے چینی طاری ہوتی جو ان تمام قصوں سے غافل کر دیتی۔ آپ فقط مجھ سے صرف ضابطہ کا تعلق رکھتے ہیں حقیقی تعلق اگر رکھیں تو ان حرکات کا ارتکاب نہ ہو۔

(۳) ۴ صفر۔ فرمایا کہ ایک اہل علم سخت مریض تھے جنکو اپنی حیات سے یاس ہو چکا تھا انہوں نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی مجھ کو ان کے مرض کی وجہ سے رحم آیا اور بیعت کر لیا ان کو صحت ہوگئی بڑے معتقد ہوئے مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ مبنیٰ اعتقاد کا یہ امر ضعیف ہے بعد بیعت ہونے کے توافق طبائع نہ ہوا مگر تھے سچے آدمی مدتوں کے بعد میری اس شکایت پر کہ آپ نے کبھی اصلاح کا طریقہ مجھ سے حاصل نہ کیا اس سے بہتر ہے کہ تم اور کہیں بیعت ہو جاؤ کہنے لگے کہ سچ یہ ہے کہ آپ سے کبھی انس نہیں ہوا میں نے کہا تو بیعت کیوں ہوئے تھے کہنے لگے بیماری کی پریشانی میں ہو گیا تھا میں نے کہا خیر اب کہیں اور بیعت ہو جاؤ کہنے لگے کہ تو پھر آپ میرے لئے بددعا نہ کریں میں نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ چار پانچ برس کے تعلق کے بعد بھی آپ کو میری حالت کا ابھی تک پتہ نہیں لگا جو یہ شبہ ہوا یہ کیسی نا معقول حرکت ہے کیا میں لوگوں کا بدخواہ ہوں جو بددعا کرتا میں آپ کے علم کا لحاظ کرتا ہوں ورنہ اگر بجائے آپ کے دوسرا شخص ہوتا تو اس وقت اس کی کفش کاری کی جاتی جاؤ دور ہو۔

(۴) ۴ صفر۔ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ بہت مشائخ نے طالبین کو

دوسرے شیوخ کے پاس تعلیم اور استفادہ کے لئے بھیجا ہے۔

حضرت نے فرمایا جی ہاں اب تو اہل حق تک کی یہ کیفیت ہے کہ جو پھنس گیا اس کو کبھی نہ نکالیں گے گو توافق طبائع نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کیفیت ہے کہ ان حضرات کے معتقدین اپنے شیوخ کے مریدین بڑھانے کی سعی کرتے ہیں اور ترغیب دِلا کر لوگوں کو ان کی طرف لاتے ہیں اور دوسرے مشائخ کے پاس نہیں جانے دیتے اور گو یہ لوگ اپنے نزدیک تو اچھا کام کرتے ہیں کہ اپنے شیوخ کو اوروں سے بڑھ کر سمجھ کر اُن کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں تاکہ مستفیدین کو نفع کامل ہو لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تحصیل نفع کامل کے لئے یہ ضرور نہیں کہ بڑے ہی شخص سے حاصل ہو کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض مشائخ بہت بڑے کامل ہوتے ہیں لیکن بعضے لوگوں کو اُن سے بوجہ عدم توافق طبائع نفع نہیں ہوتا اور جو مشائخ اس درجہ کے نہیں ہوتے ان سے نفع تام بوجہ توافق طبائع کے ہو جاتا ہے جیسے کہ متعلم علم ظاہر میزان الصرف مثلاً پڑھتا ہو تو اس کو بسا اوقات شرح جامی پڑھنے والے سے میزان پڑھنا زیادہ مفید ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی بہت بڑے عالم سے پڑھے۔

(ف) کیونکہ بڑے علماء کو طبعاً ایسے طلبہ کی طرف اکثر توجہ کم ہوتی ہے اور بڑی کتابوں سے اُنس ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بوجہ لطافت طبع زیادہ تفہیم نہیں کر سکتے کہ اس میں جھک جھک زیادہ کرنی پڑتی ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ مبتدی متعلم سے بوجہ عدم۔ درستی آداب تعلم کوئی حرکت معمولی ناشائستہ ہو جاتی ہے جو ان حضرات پر بار ہوتی ہے اور غصہ آتا ہے اور بوجہ غصہ کے مضمون بیان ہو نہیں سکتا اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ حضرات چونکہ خود نہایت فہیم ہوتے ہیں اس لئے سمجھتے ہیں کہ یہ مبتدی بھی جلد سمجھ جاوے گا اور اس کے لئے تھوڑی تقریر کافی ہوگی اس لئے مزید بیان سے احتراز کرتے ہیں اور متعلم کا ضرر ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ہیبت کمال علم کے متعلم استفادہ تام سے عاجز رہتا ہے بخلاف شرح جامی پڑھنے والے اُستاد کے کہ تقریباً ایسے تمام طلبہ

میں یہ لطافت نہیں ہوتی جس کے یہ آثار مذکورہ ہوں۔

ولا یخفی ذلک علی اهل الکمال زاده الجامع عفی عنه

(۵) ۵ صفر ۱۳۳۵ھ۔ ایک صاحب نے جن کا حضرت قبلہ ادب کرتے تھے ایک مولوی صاحب کی معرفت حضرت والا کو لکھا کہ میرا بقصد اصلاح نفس حاضر ہونے کا خدمت والا میں قصد ہے۔ حضرت نے ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ ان کو صاف لکھ دیجئے کہ میں آپ کی اصلاح سے قاصر ہوں اس لئے کہ میرے قلب میں آپ کا ادب ہے پس بے تکلفی نہیں ہوسکتی اور میں کھل کر آپ سے گفتگو نہ کرسکوں گا اور اصلاح بغیر ارتفاع تکلف عادۃً دشوار ہے مصلح کم از کم اتنا تو بے تکلف ہو کہ مستصلح سے بوقت ضرورۃً اتنا کہہ سکے کہ تم نے یہ کیا حرکت کی اگر یہ بھی نہ ہو تو اصلاح کس طرح ہوسکتی ہے لہٰذا آپ اس غرض سے نہ تشریف لاویں پھر فرمایا کہ دیکھئے ابتداء تکلف کی ان ہی کی جانب سے ہوئی کہ دوسرے صاحب کی معرفت درخواست کی ان کو چاہئے تھا کہ پہلے تکلف مرتفع کریں اور جب میں ان کے ساتھ ادب ولحاظ کا برتاؤ کروں تو وہ اس کو گوارا نہ کریں اور فرماویں کہ میری غرض حاضری سے دوسری ہے اب آپ یہ برتاؤ نہ کریں۔ اب آمدیتم برخاست جب وہ ایسا کریں گے تو میرا تکلف رفتہ رفتہ مرتفع ہو جائے گا اُس وقت اصلاح ممکن ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی قدس سرہٗ جب حضرت شیخ نظام الدین بلخی قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چونکہ یہ پیر کے پوتے تھے یعنی شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے اس لئے شیخ نے ان کی بہت کچھ تعظیم وتکریم اور مدارات کی کئی روز کے بعد اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ معاملہ تو ہو چکا میں اپنی اصلاح کے لئے حاضر ہوا ہوں میری اصلاح فرمایئے اور یہ خاطر اور مہمان نوازی موقوف فرمایئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت شیخ نے فرمادیا کہ تم ہمارے سامنے اس وقت تک مت آنا جب تک ہم نہ بلاویں شاہ ابوسعید صاحب نے اسی پر عمل کیا دوروٹی

اس وقت اور دوروٹی اس وقت ملا کرتی تھیں یہ طریقہ ہے ارتفاع تکلف کا۔

نوٹ: یہاں اصل مآخذ ''الامداد'' سے چند صفحات ناپید ہیں۔
اس لیے آئندہ ملفوظ کا ابتدائیہ بھی نامکمل ہے۔ (مرتب)

کیا آپ کو زندگی میں ثابت علی الاسلام رہنے کی حاجت نہیں ہے اور کیا بعد سکرات کے حق تعالیٰ کے ذمہ لازم ہوگیا کہ جب سکرات کا وقت اچھا گزر جاوے تو پھر عذاب سے ضرور بچاویں یہ کیا بے تمیزی ہے کہ فضول قیدیں آپ دعا میں بڑھاتے ہیں یاد رکھو ہر وقت رحمت کی حاجت ہے اور میں آپ کے لئے یہی دعا کرتا ہوں دیکھو صحبت میں رہنے کا یہ نفع ہے کہنے لگے معذور ہوں خرچ نہیں ہے ورنہ اور قیام کرتا حضرت نے بصیرت سے فرمایا کیوں آپ باتیں بناتے ہیں اگر ذکر و شغل بتلا دیا جاتا اور خاص کر اگر خلافت کی بھی اُمید ہوتی تو آپ فاقے کر کے رہتے لوگوں کی یہی حالت ہے اور میں تو تجربہ سے لوگوں کے بھاگنے کے قبل ہی معلوم کر لیتا ہوں کہ ایسے لوگ قیام نہ کریں گے اس لئے مجھے ان کے چلے جانے کا افسوس بھی نہیں ہوتا بعض لوگ ان انتظامات کو آثار علم سے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں فقیری سے اور علم سے کیا علاقہ حالانکہ فقیری بغیر علم حاصل ہی نہیں ہوسکتی اسی طرح جاہلوں میں مشہور ہے۔ العلم ہو الحجاب الاکبر یعنی علم حجاب اکبر ہے حالانکہ اس سے مراد علم بغیر اللہ ہے یا لغیر اللہ ہے اور اس کے ایک لطیف معنی یہ ہیں کہ سلاطین کے یہاں بادشاہ کے آگے بہت سے پردے ڈالے جاتے تھے اور حجاب اکبر سب سے اگلا پردہ دِکھلاتا تھا جس کو دہلی کے قلعہ میں لال پردہ کہتے تھے وہاں پہنچ کر بادشاہ کا غایت قرب ہوتا تھا جو اکثروں کے لئے منتہا قرب کا ہوتا تھا تو ایسے ہی علم گویا لال پردہ اور حجاب اکبر ہے جس کے پاس پہنچ کر غایت درجہ کا تقرب خداوندی نصیب ہوتا ہے مولانا شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کی خدمت میں تشریف لے گئے تھے اور بیعت کی درخواست کی تھی تو حضرت شیخ نے دریافت فرمایا تھا کہ کچھ علم بھی ہے عرض کیا کہ نہیں ارشاد ہوا کہ

جاؤ علم پڑھ کر آؤ عرض کیا کہ پڑھنے میں زمانہ زیادہ صرف ہوگا اگر اس وقت تک آپ کا وصال ہو جاوے تو میں کیا کروں فرمایا کہ ہمارے پوتے شیخ محمد سے بیعت ہو جانا چنانچہ تعمیل ارشاد کے لئے حضرت قطب گنگوہی نے کافیہ تک تحصیل کی اور پھر شوق متقاضی ہوا اور حضرت شیخ محمد صاحب کی خدمت میں پہنچے حضرت نے علم کی بابت دریافت فرمایا عرض کیا کہ کافیہ تک پڑھ لیا ہے حضرت نے فرمایا کافیہ کافیست باقی دردسر۔ حضرت نے ان کو ذکر وشغل بتلایا اور اُس وقت سے یہ مصرعہ طلبۃ العلم میں مشہور ہو گیا اور کافیہ ہی تک پڑھ کر ایسی استعداد حاصل کی تھی کہ عوارف المعارف کی شرح عربی زبان میں عمدہ عبارت اور نفیس معانی کے ساتھ تحریر فرمائی اور آپ کے مکتوبات مضامین علمیہ سے پُر ہیں دیکھو حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے صاحب تصرف درویش تھے مگر حضرت قطب گنگوہی کو بغیر علم پڑھے ذکر وشغل نہیں بتلایا پھر اگر میں اوّلاً تحصیل علم میں مشغول ہونے کو کہوں تو کیا عجب ہے صوفیہ نے لکھا ہے **الصوفی الجاھل مسخرۃ للشیطان** اور میں نے اپنے ماموں امداد علی صاحب علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا تھا کہ ذکر وشغل سے علماء کو جلد نفع ہوتا ہے زیادہ ریاضت کی حاجت نہیں ہوتی اور عوام کو بہت دیر میں اور بہت ریاضت کے بعد فرمایا علماء تحصیل علم میں بہت بڑی ریاضت کر چکتے ہیں جس سے قابلیت و استعداد قوی ہو جاتی ہے اس کی برکت سے جلد نفع ہوتا ہے تو حقیقت میں علماء کو بھی زیادہ دیر لگتی ہے کہ ایک زمانہ تک پڑھنے میں ریاضت کی اور پھر بعد پڑھنے کے بھی ریاضت کرتے ہیں اور عوام نے ابھی اتنی ریاضت ہی کہاں کی ہے جتنی علماء نے کی ہے جو وہ اس نتیجہ کے مستحق ہوں جو اہل علم کو حاصل ہوا۔

(۱۹) ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک جگہ لڑکے کی شادی کا قصد ہے ان لوگوں سے پہلے کچھ جھگڑا بھی ہو گیا تھا ایک تعویذ کر دیجئے تا کہ وہ سہولت سے اپنی لڑکی کا میرے لڑکے سے نکاح کر دیں فرمایا کہ عمل سے جو محبت ہوتی ہے وہ ناقص اور سریع الزوال ہوتی ہے ایسے لوگوں سے تمہاری کس طرح موافقت آوے گی میرا دل نہیں

چاہتا کہ مسلمانوں میں ہمیشہ ناموافقت رہے پس تعویذ نہیں کرتا۔

(۲۰) ۹ صفر۔ایک صاحب حضرت سے نمک پڑھوا کر کسی مقصد کے حاصل ہونے کے لئے لے گئے تھے ایک روز آ کر فرمانے لگے اس کا تو کچھ اثر نہیں ہوا ارشاد فرمایا کہ بھائی جو عوض دیا ہو واپس کرلو پھر فرمایا میں تو تعویذ گنڈوں کا زیادہ معتقد نہیں ہوں اس لئے میرے کئے ہوئے تعویذوں میں جن کو میں محض لوگوں کی خاطر سے لکھ دیتا ہوں اثر ہونا بھی دُشوار ہے پھر فرمایا دیکھو دنیا کے مقصد حاصل ہونے میں تو ناکامی بھی ہوتی ہے مگر آخرت کے طالب کو کبھی ناکام نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ناکام ہوتا ہی نہیں۔حق تعالیٰ کی کیسی بڑی رحمت ہے کہ آخرت جیسی اہم شے کو اس قدر ارزاں کردیا ہے احقر نے عرض کیا کہ جس قدر زیادہ ضروری چیزیں ہیں وہ غایت درجہ ارزاں ہیں فرمایا ہاں جیسے ہوا کہ ذرا دیر نہ ملے تو آدمی مر جاوے اور جواہرات جیسی نکمی چیز جو سوائے دھرے رہنے کے کسی مصرف میں نہیں آتے کس قدر گراں ہیں۔

(۲۱) فرمایا کہ استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ سوندھا شاہ صاحب ایک بزرگ گذرے ہیں انہوں نے اپنے پیر صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ ہنوز کے یہاں کرشن جو گذرے ہیں ان کی حکایت ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی عورتوں کے گھر میں پائے گئے کیا کوئی حکایت ایسی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو اس سے بہت ارفع ہے کہ ایسے اُمور تو آپ کے بڑے کمالات شمار کئے جاویں آپ کے تو غلام ایسے موجود ہیں پھر فرمایا اس درخت کی طرف دیکھو انہوں نے دیکھا تو ان بزرگ کے بہت سے امثال اس درخت کو چمٹ رہے تھے اور ایسی ہی حکایت ہے قضیب البان رحمہ اللہ کی۔

(۲۲) ایک صاحب نے جو مولوی اور مجاز تھے ایک عریضہ لکھ کر خدمت والا میں پیش کیا جس میں یہ مضمون تھا کہ میں اپنے وطن جاتا ہوں اور وہاں فتنے بہت ہیں آپ

کچھ فرما دیجئے تا کہ مجھے اطمینان ہو جاوے فرمایا کہ میں کیا کہہ دوں ان صاحب نے اس کا جواب دینے میں گنجلک کی آپ نے فرمایا کہ صاف جواب دو اس تحریر کا کیا مقصود ہے اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا لفظ کہہ دیجئے کہ حق تعالیٰ مددگار ہیں فرمایا یہ تو ایسا امر ہے کہ میں اس کے دریافت کرنے میں آپ کا حاجت مند ہوا اور آپ میرے کہنے سے پہلے اس کو جانتے ہیں پھر مجھ سے یہ لفظ کیوں کہلایا جاتا ہے پھر فرمایا میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ تم کو سلیقہ بات کرنے کا بھی نہیں آیا اگر دُعا کرانی تھی تو صاف لفظوں میں کہا ہوتا کہ دُعا کر دیجئے پھر ایک دوسرے صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھئے آپ بیعت میں جلدی کر رہے ہیں اور بیعت سے جو مقصود ہے اُس کے لئے صحبت شیخ کی سخت حاجت ہے دیکھو ان کو بھی ابھی صحبت کی اور حاجت ہے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ہو گیا وہ صاحب کہنے لگے حضرت لوگوں کو آپ سے حسن ظن ہے اس لئے آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ نکلوانا چاہتے ہیں فرمایا کہ آپ جاہلوں کی تائید کرتے ہیں اور میری تردید اور پھر مجھ سے بیعت کا قصد رکھتے ہیں جب میں آپ کے نزدیک غلط گو ہوں اور میرے کہنے پر اعتماد نہیں تو مجھ سے آپ کس طرح بیعت ہو سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ فہم سے آپ کو بھی مس نہیں ہے میں نے عرض کیا کہ اس قسم کے الفاظ بزرگوں کی زبان سے نکلوانا اس میں شرک کی بو آتی ہے فرمایا ہاں بزرگوں کو حق تعالیٰ کا سرشتہ دار سمجھتے ہیں کہ جو وہ زبان سے نکال دیں گے حق تعالیٰ ضرور منظور فرمالیں گے اور جو صاحب بیعت کے مستدعی تھے اُن سے فرمایا کہ آپ کہتے تھے فلاں شخص کو میں نے خلاف شرع دیکھا اس کے ساتھ ایسا ایسا برتاؤ کیا سو کیا شریعت یہ نہیں ہے کہ اخلاق درست کئے جاویں کیا یہ مخالفت سنت کی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے جو قواعد تھے اس کے خلاف کیا جاوے اور پھر اُس کو مستحسن سمجھا جاوے فقط شریعت کو لوگوں نے نماز روزے وغیرہ میں منحصر سمجھ رکھا ہے بڑی سخت غلطی ہے ان ایسے نادانوں کا تنگ کرنا میرے جسمانی مرض کا زیادہ سبب ہوا ہے۔

(ف) اُس وقت طبیعت اچھی نہ تھی جس کو کئی ماہ ہو گئے تھے۔

(۲۳) ایک صاحب جو کسی محکمہ کے افسر تھے حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ بیعت میں تعجیل نامناسب ہے آپ پہلے یہاں کچھ روز رہیں اور اُصولِ طریقت سے واقفیت حاصل کریں پھر بیعت کی درخواست کریں بغیر اُصول طریقت جاننے کے بیعت گویا بیکار ہے انہوں نے اصرار کیا اور نامعقول باتیں کرنی شروع کیں حضور نے فرمایا کہ آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ تو مجھے بیعت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے قول کی مخالفت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں آپ کا اتباع کروں اور آپ افسری کس طرح کرتے ہوں گے جب آپ کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔

(۲۴) فرمایا کہ ایک صاحب شیخ کہلاتے تھے ان کی نسبت یہ اَمر بڑا کمال شمار کیا جاتا تھا کہ وہ روپیہ کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں بلکہ جو کچھ آتا ہے ان کے ایک معتمد خاص کے ہاتھ میں آتا ہے اور وہ مختار ہیں جو چاہیں سو کریں پھر فرمایا کہ روپیہ ہاتھ میں نہ لینا کون سا کمال ہے جبکہ اس پر دخل و تصرف بھی ہو البتہ اگر بالکل لیتے ہی نہیں نہ بالواسطہ اور نہ بلا واسطہ اور اس میں کسی کی دل شکنی بھی نہ ہوتی۔ یہ البتہ کمال تھا بلکہ اب تو علاوہ کمال نہ ہونے کے اس میں ایک خرابی بھی ہے وہ یہ کہ اس پر جب ان کے مخصوص شخص کا سارا اختیار تھا خدا جانے وہ کہاں کہاں صرف کرتا ہوگا اور کون سا محل جائز ہوگا اور کون سا ناجائز اور اس تمام تر بے انتظامی کا وبال ان بزرگ پر ہوگا۔

(ف) سنت سے تجاوز کرنا اور رہبانیت اختیار کرنا بے شبہ وبال کا سبب ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق صفا　　ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہدایا قبول کئے اور حق تعالیٰ کی نعمتوں کو خوشی سے قبول کیا اور شکر ادا کیا یہ کہاں کی بزرگی ہے جو احمدی بزرگی پر بھی فوقیت لے گئی بلکہ حقیقت میں یہ بزرگی ہی نہیں ہے بزرگی ہے یعنی ناشی عن القوۃ البہیمیہ کیونکہ جو بات اللہ و رسول کے خلاف ہو وہ نفس بہیمیہ سے پیدا ہوتی ہے۔ زادہ الجامع عفی عنہ

(۲۵) فرمایا کہ اکثر ظالموں کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔

(۲۶) فرمایا کہ مجھے عربی تحریر و تقریر پر بے تکلف قدرت نہیں ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جب حاجت پیش آتی ہے تو حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں لکھ بھی لیتا ہوں بول بھی لیتا ہوں مولوی طیب صاحب عرب مرحوم مدرس اوّل مدرسہ عالیہ رام پور مجھے عربی میں خطوط لکھا کرتے تھے اور وہ خود بڑے ادیب تھے میں ان کا جواب بے تکلف سادہ عربیت میں لکھا کرتا تھا انہوں نے میری عربی دانی کی طلبہ کے سامنے مدح کی تھی اسی طرح کالج علی گڑھ کے ایک پروفیسر عربی زبان کے باوجود اُردو دانی کے مجھ سے عربی میں متکلم ہوئے میں یہ سمجھا کہ یہ اُردو سے واقف نہیں ہیں اس لئے عربی میں کلام کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے اپنی عدم قدرت کا اظہار نہیں کیا ورنہ صاف کہہ دیتا کہ میں قادر نہیں ہوں غرض ضرورت سمجھ کر جواب دیا عربی ہی میں پھر وہ اُردو بولنے لگے سو یہ کارروائی ان کی بالقصد تھی پھر انہوں نے بھی میری عربیت کو پسند فرمایا اور سورۃ میں جب میرا وعظ ہوا تو شیعہ کے ایرانی مجتہد نے بھی عربی میں مجھ سے مخاطبت کی تھی اس کے بعد فارسی میں مَیں نے عربی کا جواب عربی میں فارسی کا جواب فارسی میں دیا۔ فارسی میں تکلم مجھ کو بہ نسبت عربی کے بہت سہل ہے۔

(ف) سبحان اللہ! کیا حق پرستی ہے۔ **ولمثل هذا فليعمل العاملون ولينظروا الى فضل الله عزوجل كيف ينصر اركان الاسلام و مقدام الايمان لا يذلهم لئلا ويحتقر الدين القويم زاده الجامع عفى عنه۔**

(۲۷) فرمایا کہ جب صحبت و فہم نہ ہو تو بیعت مضر ہوتی ہے کس لئے کہ مربی کے حقوق ادا کرنے میں تقصیر ہوتی ہے اور ان کو ایذاء پہنچانا ظاہر ہے کیسا ہے پس ایسی بیعت سے تو بغیر بیعت ہی رہنا خوب ہے۔

(۲۸) فرمایا کہ لوگوں میں اپنے کلام کی لغو تاویلیں کرنے کی عادت بہت شائع ہوگئی ہے۔ اُن سے اپنی کوتاہی کا اقرار ہی نہیں ہوسکتا یہ نفس کا بڑا کید اور کبر کا کبیر حصہ ہے۔

(۲۹) فرمایا کہ جب حسن ظن پیر کے ساتھ نہ ہو اور اُس کے افعال محتمل التاویل میں معترض ہوتا ہو تو اُس سے بیعت ہی کیوں ہو۔

(۳۰) فرمایا کہ لوگ لکھتے ہیں مجھے اپنا غلام بنالو اپنے سایہ میں لے لو خادم بنا لو اور مقصود ان الفاظ سے اکثر تو بیعت ہوتی ہے مگر ہمیشہ یہ مراد نہیں ہوتی اس لئے یہ الفاظ ان سے بیعت مراد لینے کے لئے ناکافی ہیں اس لئے ان کا استعمال اس معنی میں سخت اجمال ہے جو واجب الاجتناب ہے جب تک مخاطب کو متکلم کی مراد نہ معلوم ہو گی اس وقت تک کیسے جواب دے گا بلکہ وہ تو سخت کلفت اور پریشانی میں مبتلا ہو جاوے گا کہ اس کی کیا مراد ہے پھر فرمایا کہ فہم کا تو قحط ہی ہو گیا ہے۔

(۳۱) فرمایا کہ بعض لوگوں نے جو کہ اہل علم ہیں مگر صحبت یافتہ مشائخ محققین کے نہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ اتباع سنت بس یہی ہے کہ منیۃ المصلی اور قدوری کے مسائل پر عمل کر لیا اور تیجہ وغیرہ سے اجتناب کر لیا تمام بدعات سے دور ہو گئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے طریقت اور تصوف خود جزو شریعت ہے اور اخلاقی بدعات جن میں سراسر مخالفت سنت کی ہے نہایت غامض بدعات ہیں جن کا نہایت دُشواری سے پتہ چلتا ہے۔ افسوس زمانہ نے کیا انقلاب لیا ہے کہ ان بدعات کو بدعات ہی نہیں سمجھتے۔

(۳۲) فرمایا توحید اور سنت گویا دنیا سے اُٹھ گئی صرف چکنی چپڑی باتیں رہ گئی ہیں لوگ تجارت وغیرہ میں مجھ سے مشورہ چاہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ میں اس کا اہل نہیں کہ یہ اُمور تجربہ پر موقوف ہیں مگر مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس کام میں یہ رائے سے شریک ہوں گے وہ ضرور درست رہے گا کیا یہ اس بناء پر اعتقاد ضرورت شرک اور خلاف سنت نہیں ہے حق تعالیٰ راہنمائی فرماویں۔

(۳۳) ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ۔ فرمایا کہ ایک عرصہ تک مجھے تردّد رہا کہ فقہاء نے جمعہ کے باب میں قصبہ کو مصر کے حکم میں کس طرح قرار دیا حالانکہ حدیث میں صرف مصر کا لفظ ہے اور جب تک کسی اصطلاح شرعی کی مستقل دلیل نہ ہو نصوص

کے الفاظ کو لغت ہی پر محمول کیا جاوے گا اور مصر کے معنی لغت میں ہیں شہر اور قصبہ شہر ہے نہیں پھر لفظ مصر قصبہ کو کیسے شامل ہو گیا سو یہ تردد ایک حکایت سُن کر رفع ہوا وہ حکایت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے کہ ایک بار ایام طالب علمی میں گنگوہ کو تشریف لاتے ہوئے جب قصبہ تیتروں کی برابر پہنچے تو کسی عامی سے پوچھا کہ یہ گاؤں کون سا ہے وہ گنوار بولا ارے تو کون ہے شہر کو گاؤں کہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لغت میں شہر غیر گاؤں کو کہتے ہیں اور لغت میں قصبہ کا کوئی جدا نام نہیں اُس میں دو ہی لفظ مستعمل ہیں ایک قریہ جو گاؤں اور شہر دونوں معنی میں مستعمل ہے اور ایک مصر جو شہر کے معنی میں مستعمل ہے اور قصبہ کا لفظ صرف بعض لکھے پڑھے لوگوں کے محاورہ میں استعمال کیا جاتا ہے اور کسی لغوی کے کلام میں اس معنی میں مستعمل ہونا نظر سے نہیں گذرا اور گو یہ لفظ عربی ہے لیکن معنی معروف اس کے ضرور مخترع ہیں اور عربی محاورات میں اس لفظ کے یہ معنی نہیں لئے جاتے اور مناسبت اس لفظ میں اور اس کے مشہور معنی میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ قَصَبَہ لغت میں نَے کو کہتے ہیں اور بعض جگہ دیوار حصار آبادی کی بانسوں کی ہوتی ہے جیسا کہ ریاست رام پور میں ہے غرض قصبہ گو محاورہ متحدثہ میں مصر کا قسیم ہو مگر لغت میں مصر کی قسم ہے اور حدیث میں لغت ہی پر ہے نہ کہ محاورہ متحدثہ پر پس بحمد اللہ تعالیٰ کہ یہ تردد اس طرح رفع ہو گیا کہ مصر جو حدیث میں واقع ہوا ہے وہ عام محاورہ پر مبنی ہے یعنی عوام الناس جس کو مصر کہیں سو واقعات سے معلوم ہوا ہے کہ عوام قصبے کو بھی شہر کہتے ہیں اور یہ لوگ بھی لغت کا اتباع کرتے ہیں یا گاؤں یا شہر بولتے ہیں قصبہ کا استعمال ان کے یہاں نادر ہے جو کالمعدوم ہے پھر مجھے ایک روایت پہنچی کہ حضرت مولانا صاحب گنگوہی قدس سرّہ کو بھی یہ تردد تھا مگر جب حضرت ایک قصبہ میں پہنچے جہاں لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے وہاں آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون سا گاؤں ہے جواب ملا کہ تجھے سوجھتا نہیں یہ تو شہر ہے اس وقت حضرت کو بھی شفاء قلب ہو گئی کہ عوام قصبہ کو بھی مصر کہتے ہیں۔

(۳۴) فرمایا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بار کچھ عمدہ ٹوپیاں ہدیہ میں آئیں تو آپ دوسرے بچوں کو دینے لگے آپ کے صاحبزادے صاحب نے اپنی والدہ صاحبہ سے حضرت کی خدمت میں عرض کرایا کہ ان میں سے ایک ٹوپی مجھے عنایت ہو حضرت بڑے خفا ہوئے اور کہا کہ تمہارے ایسے دماغ ہو گئے کہ تم ایسی کلاہ استعمال کرو گے پھر فرمایا کہ اپنی گٹھڑی لاؤ دیکھیں تمہارے کپڑے کیسے ہیں گٹھری جامدانی کی تھی اور اس کے اندر کپڑے بھی کسی قدر تکلف کے تھے حضرت اُن کو دیکھ کر بہت نفرت کے ساتھ سب کو پھینکتے جاتے تھے اور زجر فرماتے تھے حضرت مولانا بہت بڑے زاہد تھے۔

(۳۵) واقعی بزرگوں کے اہل و عیال کی شان بھی ظاہراً و باطناً بزرگوں کے موافق ہونی چاہئے اور باطناً نہ ہو تو ظاہراً تو ضرور ہی ہوتا کہ دیکھنے والوں کو عیب چینی کا موقع نہ ملے اور وہ غیبت کے گناہ میں گرفتار نہ ہوں بلکہ اُن کی سادگی اور قلت سامان دنیاوی دیکھ کر خود بھی متوجہ الی اللہ تعالیٰ ہو جاویں اور دنیا کو طلاق دے دیں یا کم سے کم غلبہ محبت دنیاوی کو تو چھوڑ ہی دیں جیسے بزرگوں کے دیدار اور افعال سے لوگوں کو آخرت کی رغبت ہوتی ہے اسی طرح اُن کے اہل و عیال کی حالت دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی ہونی چاہئے اور یہ بات کہہ کر پیچھا نہیں چھوٹ سکتا کہ اَمر مباح ہے کیونکہ بہت سے عوام بحمد اللہ تعالیٰ مناہی سے بچتے ہیں مگر انہماک فی المباحات کی وجہ سے خاص تعلق الی اللہ تعالیٰ اُن میں نہیں پیدا ہوتا اور پھر کبھی یہ انہماک فی المباحات منجر الی المناہی بھی ہو جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں سے دوسروں کو کیا دینی نفع پہنچے گا دوسروں کی نفع رسانی اور مقتدائیت کے لئے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے کمال اتباع ہی کی ضرورت ہے دیکھو ان حضرات نے اپنے اہل و عیال کو کس حالت میں رکھا جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت موجود ہیں اور مستقبلین کا زہد مشہور ہے پھر اس زہد نے کس قدر لوگوں کو دینی نفع پہنچایا۔ بخاری میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کے دولت خانہ سے حضور کا واپس ہونا محض اس وجہ سے کہ دروازے پر ایک دھاریوں دار پردہ پڑا تھا صاف مذکور ہے یہ کپڑا کچھ بڑا قیمتی نہ تھا لیکن چونکہ بلا ضرورت تھا اس لئے ناپسند فرمایا گیا صاحبو! کیا یہ مباح نہ تھا اور مباح بھی ایسا جس میں انہماک بھی نہ تھا اور صاحبزادی کس درجہ کی محبوبہ تھیں پھر ان تمام اُمور کے ہوتے ہوئے فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا برتاؤ کیا نسائی میں بسند صحیح یہ مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے اہل بیت اگر جنت کا زیور درکار ہے تو دنیا میں زیور سے بے رغبتی کرو اور اس سے باز رہو (انتہی بحاصلہ) ترمذی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چکی پیسنے سے ہاتھوں میں گٹے پڑ جانا اور اس وجہ سے حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم طلب کرنا اور پھر حضور کا بجائے خادم کے تسبیحات اور ذکر اللہ کی تعلیم کرنا مروی ہے کیا ایسی حالت میں خدمت لینا ناجائز یا مکروہ تھا ہرگز نہیں بالکل مباح تھا لیکن اولیٰ یہی تھا جو کیا گیا میاں بزرگ ہوں مگر بچے نفیس و تکلف کے کپڑے پہنے ہوں بی بی کے پاس سیکڑوں روپیہ کا زیور ہو تو ان عورتوں و بچوں کو دیکھنے والوں کے دل سے حب دنیا جاوے گی یا کہ خوب قرار پکڑے گی کہ جب تارکین دنیا کا یہ حال ہے تو ہم تو دنیا دار ہیں ہی ہم بطریق اولیٰ اس پیاری دنیا سے جس کی محبت اہل وعیال بزرگان دین بھی نہیں چھوڑ سکے متمتع ہونے کے اہل ہیں العیاذ باللہ اور یہ بھی عذر قابل پذیرائی نہیں کہ ہمیں کسی کا معتقد بنانا مقصود نہیں جس کا دل چاہے مستفید ہو جس کا دل چاہے منکر اور محروم رہے اس لئے کہ اوّل تو یہ دعویٰ غلط ہے اس لئے کہ انسان اپنے کو جس قوم کی طرف منسوب کرتا ہے تو بزبان حال وہ اس اُمر کا مدعی ہے کہ میرے خصال فلاں قوم کے سے ہیں اگر واقع میں اس کے خلاف ہوگا تو بلا شبہ یہ نفاق اور دھوکا ہے دوسرے جب حق تعالیٰ نے ایک خدمت دینی سپرد کی اور اس کے لوازم ادا کرنے پر تھوڑی سی کلفت کے ساتھ قدرت دی تو اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ کرنا اور اس کے حقوق کی مبالاۃ نہ کرنا سخت کفران نعمت ہے جو موجب مقت خداوندی ہے تیسرے اگر اس خدمت کا

ار نہیں اُٹھ سکتا تو یہ مقتدا کہیں ایسے جنگل میں سکونت اختیار کرے جہاں لوگوں کا گذر نہ ہوتا کہ فتنۃ للناس سے اجتناب کر سکے و اذ لیس فلیس حق تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں احقر نے یہاں پر مضمون کو بنظر خیر خواہی اہل اسلام اپنے خلاف عادت طوالت دی ہے اُمید ہے کہ اس پر عمل کرنے کی سعی بھی کی جاوے گی۔ (زادہ الجامع)

(۳۵) فرمایا کہ گنگوہ میں خانقاہ کی مسجد کو لوگوں نے تیار کرنا چاہا حضرت مولانا گنگوہی قدس سرّہٗ نے لوگوں سے صاف کہہ دیا کہ بھائی میرے بھروسے کوئی کام نہ کرنا کہ میں چندہ وصول کرانے میں سعی کروں گا۔ میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔

جامع مسجد گنگوہ کی تیاری کے وقت نواب محمود علی خاں صاحب مرحوم رئیس چھتاری نے حضرت کو لکھا کہ میں کافی امداد کروں گا آپ تخمینہ کرا کر بھیج دیجئے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ میرے پاس کوئی انجینئر تخمینہ کنندہ نہیں ہے اور نہ مجھے اس کی حاجت ہے اگر تم کو ضرورت ہے تو خود اپنے آدمی سے تخمینہ کراؤ اور خود ہی تعمیر کا انتظام کراؤ مجھے اس بات میں کچھ تعلق نہیں۔

(ف) اہل دین کو اہل دنیا سے ایسا ہی مستغنی رہنا چاہئے مسجد پختہ نہ ہو خام ہی کافی ہے مدرسہ بڑا نہ ہو چھوٹا ہی سا کر لو مگر اہل دنیا کی نظر میں ذلیل مت ہو اور یہ کام تو حق تعالیٰ کے کام ہیں وہ خاص مدد فرما دیں گے۔ فتو کلوا علیه (زاده الجامع عفی عنه)

(۳۶) میں نے عرض کیا کہ حضور نے بعض مواعظ میں اپنے ذوق وشوق کا انحطاط نقل فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ شباب میں زیادہ تھا یہ انحطاط کس عمر سے آغاز ہوا اور علمی خدمت میں کافی محنت کا تحمل کس عمر سے حضور سے نہیں ہو سکتا فرمایا کہ ذوق و شوق مبدل بہ انس ہو گیا ہے اس کو عام فہم عبارت میں مَیں نے نہیں لکھا اور علمی خدمت کا شوق کم ہونا بوجہ عدم تحمل تو اب تک نہیں ہے مگر ۱۳۱۵ھ سے ذکر کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ ہے گو ہنوز توفیق نہیں ہوئی اور توفیق کی دُعا چاہتا ہوں۔

(۳۷) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ

ریل اور اسی طرح بہلی یکہ وغیرہ دابہ کے حکم میں نہیں ہیں بلکہ تخت کے حکم میں ہیں اس لئے کہ یہ اشیاء محمول علی الدابہ نہیں ہیں بلکہ محمول علی الارض اور مجزور بالدابہ ہیں پھر فرمایا کہ اس تقدیر پر ان سواریوں کے اندر نماز پڑھنا بہر حال جائز ہوگا خواہ عذر ہو یا نہ ہو ٹھہری ہوں یا چل رہی ہوں اور ریل اوّل تو مطلقاً مجرور بالدابہ کے حکم میں بھی نہیں کیونکہ وہاں دابہ ہی نہیں اور اگر مشابہت تسلیم بھی کی جاوے تو چلنے کی حالت میں یہ مشابہت ہوگی۔ پس اس کا بھی یہی حکم ہے کہ علی الاطلاق اس کے اندر نماز جائز ہے اور بہشتی زیور میں جو چلتی بہلی یا چلتے یکہ پر گو ٹھہر بھی جاوے مگر جو بیلوں اور گھوڑے کے کندھے سے نہ اُترا ہو بلا عذر نماز پڑھنے کو منع لکھا ہے وہ بھی ایک قول ہے مولوی شاہ سید احمد علی صاحب مرحوم مصنف بہشتی زیور نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳۸) احقر نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص جانور شتر وغیرہ کرایہ کرے اور اس پر ایک یا چند خطوط بھی رکھ لے اور مکاری کو اطلاع نہ کرے اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کو ان خطوں کا رکھنا ناگوار ہوگا تو اس میں شرعاً کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ بار معتد بہ نہیں ہے پھر پیکٹ کے ساتھ اگر کوئی خط رکھ دیا جاوے جو خلاف قانون ڈاک انگریزی ہے تو اس کے عدم جواز کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ ان دونوں صورتوں میں یہ فرق ہے کہ پہلی صورت میں مکاری کا کوئی ضرر نہیں اس لیے وہاں اس کی عدم رضا کا اعتبار نہیں کیا گیا اور دوسری صورت میں مکاری کا ضرر ہے اس طرح کہ اگر وہ خط پیکٹ میں نہ رکھا جاتا تو کارڈ یا لفافہ میں بھیجا جاتا جس کے ذریعہ سے سرکار کو آمدنی ہوتی اور اس شخص کی اس کارروائی سے یہ آمدنی تلف ہوئی اس لئے عدم رضا یہاں معتبر ہوگی ہاں اگر اُسی پیکٹ ہی کے حساب وغیرہ کے متعلق کوئی خط ہو تو اس کا رکھنا جائز ہے کہ وہ خود اُسی کے حکم میں ہے۔

(۳۹) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رئیس الاذکیا تھے باوجودیکہ کتب پر نظر وسیع نہ تھی وجہ یہ ہے کہ آزاد بہت تھے ایام درس میں کبھی سبق میں شامل ہوئے کبھی نہ ہوئے مگر اپنی ذہانت سے امتحان میں ہمیشہ کامیاب ہوئے اور تدریس میں بھی غالباً

بالترتیب ایک بار بھی کتب درسیہ نہ پڑھائی ہوں گی۔

(ف) قلت فلا یحتج بنقله رحمة الله تعالٰی علیه فیما یتعلق بالنقل کثبوت الاحادیث الا بعد التنقید فافهم (زادہ الجامع عفی عنہ)

(۴۰) فرمایا مولانا شاہ شیخ محمد تھانوی قدس سرّہ سے کسی نے ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عالم فرماتے ہیں استنجاء سوکھاتے میں سلام کا جواب منع ہے دوسرے کہتے ہیں جائز ہے پس مولانا نے ایک لطیف جواب دیا وہ یہ کہ جب قطرہ آرہا ہو اُس وقت تو جواب دینا منع ہے کہ وہ حکم اراقت بول میں ہے اور جب قطرہ نہ آتا ہو محض مٹی سے صفائی حاصل کررہا ہے اس صورت میں منع نہیں ہے۔

(۴۱) ۱۳ ربیع الآخر۔ ایک شخص نے استفتاء لکھا تھا کہ قصائی خود ذبح نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے اس کا جواب حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بزرگوں نے اُن کو ذبح سے اِس لئے منع کردیا تھا کہ چونکہ یہ لوگ صاحب غرض ہیں ممکن ہے کہ شرائط ذبح بجا نہ لاویں یا مردار کو ذبح کر کے بیچ ڈالیں چنانچہ بعض واقعات ایسے ہوئے بھی ہیں اور اس انتظام کا برقرار رکھنا اب بھی مصلحت ہے۔

(۴۲) احقر نے عرض کیا کہ صحت شہادت قلبیہ میں کچھ یکسوئی کا بھی اثر اور دخل ہے فرمایا ہاں اس لئے کہ شہادت مذکورہ ایک نوع ہے کشف کی اور کشف میں خلوت اور اجتماع خاطر کا ضرور دخل ہے پھر فرمایا کہ تقویٰ سے شہادت قلبیہ اور فراست اقرب الی الصحۃ ہوجاتی ہیں۔

(۴۳) فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے و اخرجه ابن ماجه والدارمی کما فی المشکوة و عزاه فی الجامع الصغیر الٰی ابن ماجه والضیاء ثم صححه بلفظ من باع دار اثم لم یجعل ثمنها فی مثلها لم یبارک له فیها اھ۔ کہ مکان فروخت کر کے اس کا ثمن مکان ہی کے صرف میں کردینا چاہئے کسی دوسرے مصرف میں نہ لگانا چاہئے اور دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے لا

تتخذوا الضیعة فترغبوا فی الدنیا رواہ الترمذی و حسنه اور بظاہر ان دونوں میں تدافع معلوم ہوتا ہے سو اس کا راز یہ ہے کہ انسان کو...... جو جاہ ایسی اشیاء کے موجود ہونے سے حاصل ہوتی ہے وہ ایک نعمت ہے اور اس کا فوت کر دینا اس طرح کہ نہ بدل رہے اور نہ مبدل منہ کفران نعمت ہے پس حدیث اوّل اُن لوگوں کے لئے ہے جو اہل جائیداد ہوں اور اس جائیداد سے اُن کے جاہ میں اثر ہو ہاں جس شخص کی جاہ اُن اُمور پر موقوف نہ ہو وہ اس حکم کا محل نہ ہوگا۔ جیسے وہ لوگ جو صاحب جائیداد پہلے سے نہیں اور دوسری حدیث ایسے شخص کے باب میں ہے اور اسی کے حکم میں ہے وہ شخص جو کسی ضرورت سے فروخت کرے اور پھر اس رقم کو بطریق بدل شئ مبیع میں صرف نہ کر سکے وہ بھی معذور قرار دیا جاوے گا۔ یا کوئی متوکل ہو اور ترک اسباب کی وجہ سے ان اشیاء کو اپنے تصرف سے علیحدہ کر دے وہ بھی اس نہی کا محل نہیں ہے۔

(ف) اور اگر پہلی حدیث کو اصحاب حاجت پر محمول کیا جاوے خواہ وہ حاجت ابقاء جاہ ہو یا حاجت مسکن و مطعم و مشرب ہو اور دوسری حدیث کو ان لوگوں کے ساتھ خاص کہا جاوے جن کی دفع حاجت مطلقہ ضیعہ پر موقوف نہیں ہے تو احسن واتم ہے۔ فافہم زادہ الجامع عفی عنہ

(۴۴) ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ، فرمایا کہ جو قومیں مہینہ اور سال کا حساب قمر سے کرتی ہیں وہ رات کو اصل اور دن کو رات کے تابع قرار دیتی ہیں اور شریعت میں بھی یہی حساب معتبر ہے اور وجہ یہ ہے کہ ابتداء طلوع قمر شب میں ہوتا ہے اور جب ہی سے مہینہ شروع ہو جاتا ہے اور جو لوگ سال شمسی کا حساب رکھتے ہیں وہ دن کو اصل اور رات کو تابع قرار دیتے ہیں کیونکہ شمس شروع دن میں طلوع ہوتا ہے اور اس کے طلوع سے ان کے نزدیک مہینہ کی ابتداء ہوتی ہے۔

(۴۵) ۱۰۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ۔ فرمایا کہ روافض کے بہت سے فرقے ہیں اور ہندوستان میں صرف فرقہ اثناء عشریہ ہے۔

(۴۶) تخمیناً عرصہ دس سال کا ہوا کہ اثناء کلام خاص میں حضور نے فرمایا تھا کہ مشائخ صوفیہ کا یہ طریق ہے کہ ترک اسباب کی اجازت بشرط قوت توکل تنہا شخص کو تو مطلقاً دے دیتے ہیں خواہ اس کی طرف لوگوں کا رجوع ہو یا نہ ہو اور عیالدار کو اس وقت اجازت دیتے ہیں جبکہ اس کی طرف لوگوں کا رجوع ہو۔

(ف) اس دوسری شق سے یہ شبہ نہ ہو کہ اس صورت میں مجیز اور مجاز دونوں کی نظر مخلوق پر رہے گی پھر یہ توکل کیا ہوا کیونکہ مجیز اور مجاز کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا صرف اس مصلحت سے کہ چونکہ اکثر اہل و عیال میں قوت توکل نہیں ہوتی اس لئے بغیر ظاہری سبب کے اُن کا دل پراگندہ اور پریشان رہے گا اور ان کا پریشان کرنا ممنوع ہے پس کوئی صورت ظاہری ہونا ضرور ہے جس سے کچھ تو دل بستگی رہے اور اطمینان ہو اور اگر خدانخواستہ اصل توکل میں مجیز یا مجاز کسی کی نیت بھی مخلوق پر ہوئی تو وہ شخص دائرہ توکل سے بالکل خارج اور مشرک بشرک خفی ہے۔

فافهم فانه من مزال الاقدام زاده الجامع عفی عنه

(۴۷) ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ۔ احقر نے عرض کیا کہ حدیث میں ہے کہ مریض پر دُعا پڑھتے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک مریض پر رکھتے تھے چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے: ''**عن عائشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اشتکی منا انسان مسحه بیمینه ثم قال اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاء ک شفاء لا یغادر سقما (متفق علیه)**'' سو اس ہاتھ رکھنے کی وجہ ہے فرمایا کہ دُعا پڑھتے وقت پڑھنے والے کے جسم میں جو برکت حاصل ہوتی ہے اس کا پہنچانا مقصود تھا مریض کے بدن میں اس پر میں نے عرض کیا کہ مقصود مس ہے پھر ہاتھ کی کیا تخصیص ہے فرمایا کہ اس میں سہولت ہے۔

(۴۸) میں نے پوچھا کہ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۹۴ میں ہے اما

التشیع فی عرف المتاخرین فھو الرفض المحض اس رفض کے کیا معنی ہیں فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنا۔

(۴۹) فرمایا کہ ولا کرامۃ جو محاورات میں آتا ہے اس سے مراد بددعا ہے نہ کہ اخبار۔

(۵۰) احقر نے عرض کیا کہ جن سورہ قرآنیہ کے باب میں یہ وارد ہوا ہے کہ فلاں کام کے لئے پڑھی جاویں تو (اُمید ہے کہ) مقصود حاصل ہوگا سوان سورتوں کو اس نیت سے پڑھنے میں قرأت کا ثواب باقی رہے گا یا دعا کا ثواب ملے گا فرمایا کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آیت یا سورت مشتمل مضمون دعا کو نہ ہو وہاں تو قرأت کا ثواب رہے گا خواہ مقصود تعبد مطلقاً ہو یا خوش نیتی سے تحصیل مقصود کے ساتھ تعبد کا قصد بھی کرلیا جاوے جیسے کہ دُعا خواہ محض تحصیل مقصود کی نیت سے کی جاوے یا اس میں تعبد بھی ملحوظ ہو بہر حال ثواب سے خالی نہیں ہوتی ہاں جو آیات مشتمل بر دعا ہیں وہاں دُعا کی نیت سے پڑھنے میں ثواب قرأت کا نہ ہوگا بلکہ دُعا کا ثواب ملے گا اور اسی وجہ سے حائضہ اور جنب کو ان ادعیہ کا پڑھنا بہ نیت دُعا جائز ہے نہ بہ نیت تلاوت۔

(ف) لطیف مضمون ہے واقعی جو مضمون جس معنی کو محتمل نہیں وہاں اس معنی کا صرف قصد کرنے سے وہ معنی متعین نہیں ہوسکتے پس بحکم استصحاب اس مضمون سے جو مراد متکلم کی ہے وہی باقی رہے گی زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۵۱) ۲۱ جمادی الاخریٰ۔ تکشف ج ۵، ص ۲۴ میں حدیث ذیل بروایت ترمذی ترک اسباب مظنونہ کے باب میں بطریق استدلال نقل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے ''فی الباب النقول اخرج الحاکم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحرس حتی نزلت ھذاالآیۃ واللہ یعصمک من الناس فاخرج رأسہ من القبۃ فقال یایھا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللہ'' اھ۔ ﴿اسنادہ محتج بہ علی قاعدۃ الحافظ السیوطی ۱۲ . جامع عفی عنہ﴾

میں نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ یہ حدیث اس دعویٰ پر استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے کیونکہ اس میں تو حق تعالیٰ کا وعدہ خاصہ منقول ہے اور وعدہ خاصہ کی بناء پر ضعفاء کو بھی ترک اسباب ظنیہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں دوسری شق کا وقوع محتمل ہی نہیں اور مدعا یہ ہے کہ ترک اسباب مظنونہ اقویاء کے لئے جائز ہے باوجود احتمال جانب مخالف کے بغیر اعتماد کسی وعدہ خاصہ کے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ظاہر حدیث کا مقتضا ہے اسی وعدہ کے بناء پر حرس کو ترک فرمایا تھا اس کا جواب حضرت نے عطا فرمایا کہ ہاں صحیح ہے اور کم سے کم احتمال تو ضرور ہے اور احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال نہیں ہوسکتا پھر فرمایا کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعد نبوت عمر بھر باوجود حاجت کے اسباب معیشت کو ترک کئے رہنا اس کی کافی اور ظاہر دلیل ہے کہ اسباب مظنونہ کا ترک کردینا جائز ہے۔اھ۔

(ف) اگر کہا جاوے کہ حدیث ذیل سے آپ کا کسب کرنا ثابت ہوتا ہے

"فقد اخرج الحاکم فی المستدرک و صححه و اقره الذهبی عن جابر ان خدیجة رضی الله عنها استأجرته صلی الله علیه وسلم سفرتین الی جرش بضم الجیم و فتح الراء موضع بالیمن کل سفرة بقلوص و هی الشابة من الابل کذا فی السیرة الحلبیة(ص ۱۵۱، ج ۱) و فی کنوز الحقائق آجرت نفسی من خدیجة سفرتین بقلوص (ج ۱، ص ۴)" تو جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ قبل از نبوت کا ہے کہ نکاح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پچیس سال کی عمر میں ہوا ہے کما فی السیرة الحلبیة (ص ۱۵۵، ج ۱) وکان تزویجه صلی الله علیه وسلم بخدیجة رضی الله عنها بعد مجیئه من الشام بشهرین او خمسة عشر یومًا و عمر اذ ذاک خمس و عشرون سنة علی ما هو الصحیح الذی علیه الجمهور۔اھ۔ اور یہ واقعہ نکاح سے پہلے کا ہے اور آپ

نے تین سفر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے فرمائے تھے جن میں شام کا سفر آخر تھا ففی السیرة الحلبیة و فی السفرة الاولٰی ارسلته مع عبدها میسرة الی سوق حباشة و هو مکان بارض الیمن بینه و بین مکة ست لیال کانوا یتباعون فیه ثلاثة ایام من اوّل رجب فی کل عام فابتاعامنه بزّاورجعا الی مکة فربحاربحا حسنا و فی السفرة الثانیة ارسلته مع عبدها میسرة الی الشام و فیه ایضًا ان سفره مع میسرة الی الشام سفرة ثالثة ثم ذکر حدیث المستدرک المذکور ثم قال و هو یفید انه صلی اللّٰه علیه وسلم سافر لها ثلاث سفرات کما تقدم و لعل سوق حباشة هو جرش والالزم ان یکون صلی اللّٰه علیه وسلم سافر لها خمس سفرات اربعة الی الیمن وواحدة الی الشام ۔اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بعد نبوت آپ نے کسب نہیں کیا پس روایت ہمارے خلاف نہیں ہے واما ما اخرج البخاری فی کتاب الاجارات من صحیحه عن ابی هُریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی قال ما بعث اللّٰه نبیا الارعی الغنم فقال اصحابه و انت فقال نعم کنت ارعاها اعلی قراریط لاهل مکة اھ۔فالجواب عنه ان القراریط لا ترد ادبه الاجرة بل هو موضع ففی فتح الباری قال ابراهیم الحربی قراریط اسم موضع بمکة و لم یرد القراریط من الفضة و صوبه ابن الجوزی تبعا لابن ناصر (شیخه) و خطأ سویدا (احد الرواة فی سند ابن ماجه) فی تفسیره (یعنی قوله کل شاة بقیراط یعنی القیراط الذی هو جزء من الدینارا والدرهم کما فی الفتح ایضاً) اھ۔قلت ویؤیده بل یعینه ما رواه النسائی من حدیث نصر بن حزن قال افتخر اهل الابل و اهل الغنم فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بعث موسٰی علیه السلام و هو راعی غنم و بعث داؤد

و ھو راعی غنم و بعث و انا ارعی غنم اھلی بجیادواسنادہ حسن او صحیح عند صاحب الفتح وجہ التائید بل التعیین انہ ارادالمکان فعبرتارۃ بجیادوتارۃ بقراریط و ظاھرانہ ما کان یرعی بالاجرۃ لاھلہ فالمراد باھل مکۃ اھل فلیتحد الخبران والحمل علی تعدد القصۃ بعید جدا عندی لا یقبلہ قلبی و فی عمدۃ القاری (ج۵، ص۲۳۱) قال بعضھم (ای امام المحدثین مقدام العالمین الحافظ ابن حجر قدس سرہٗ) لکن رجح الاوّل (ای کون القراریط من النقد) لان اھل مکۃ لا یعرفون مکانا یقال لہ قراریط قلت و کذلک لا یعرفون القیراط الذی ھو من النقد ولذلک جاء فی الصحیح ستفتحون ارضًا یذکر فیھا القیراط ولکن لا یلزم من عدم معرفتھم القراریط الذی ھو اسم موضع والقراریط التی من النقدان لا یکون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بذلک علم فالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما اخبر بانہ رعی الغنم علی قراریط علموا فی ذلک الوقت انھا اسم موضع و لم یکونوا علموا بہ قبل ذلک استعمالہ من قدیم الزمان فاظھرہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فی ذلک الوقت الخ و فیہ ایضا فان قلت متی کان ھذاالرعی فی عمرہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قلت علم بالاستقراء من کلام ابن اسحق والواقدی انہ کان عمرہ نحوالعشرین سنۃ اھ۔ قلت و یخرج عنہ جواب آخر بانہ ...... انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰجر نفسہ للرعی علے القراریط فھو کان قبل النبوۃ فانہ قد بعث لاربعین سنۃ ففی المشکوۃ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاربعین سنۃ فمکث بمکۃ ثلث عشرۃ سنۃ یوحی الیہ ثم امر بالھجرۃ فھجر عشر سنین ومات و ھو

ابن ثلث و ستين سنة متفق عليه اھ۔ و هذا القضية قد وقعت في قرب العشرين سنة كما عرفت والواقدی قد وثقه كثير كما قال الحافظ الهيثمي في مجمع الزوائد و في التلخيص الخير والواقدی اذا لم يخالف الاخبار الصحيحة ولا غيرهٗ من اهل المغازی مقبول فی المغازی عند اصحابنا ۔اھ۔ و ابن اسحٰق مختلف فيه قال احمد بن حنبل حسن الحديث وقال ابن المدينی حديثه عندی صحيح و قال شعبه هو امير المؤمنين في الحديث و قال يزيد بن هارون لو كان لی سلطان لامرت ابن اسحٰق علی المحدثين و تكلم فيه اٰخرون قد فصله فی تذكرة الحفاظ وقال الذهبی فيه والذی تقرر عليه العمل ان ابن اسحٰق اليه يرجع فی المغازی والايام النبوية مع انه يشذبا شياء و انه ليس بحجة فی الحلال والحرام اھ۔و فيه ايضا كان احدا دعية العلم جرافی معرفة المغازی والسير۔اھ۔وفی التقريب امام المغازی صدوق يدلس و رمی بالتشيع والقدر و روی عنه البخاری تعليقا والاربعة ۔اھ۔حاصل یہ ہے کہ واقدی اور ابن اسحٰق کے موثقین بھی اکابر ہیں خصوصاً باب سیر میں پس ان کا بعض دوسروں کے نزدیک مجروح ہونا خصوصاً اس مقام پر ہم کو مضر نہیں فان الاختلاف غير مضر كما حقق في احياء السنن فافهم عن الفهم ۔بحمد اللہ تعالیٰ بخوبی ثابت ہوگیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعد نبوت اسباب مظنونہ کو ہمیشہ متروک رکھا ہے اور کسب معاش باوجود حاجت کے کبھی نہیں فرمایا اور توکل پر بسر اوقات کی ہے۔ کتبه الجامع الحقير عفی عنه۔

(۵۲) فرمایا کہ افسوس ہے لوگ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی تحقیق کی قدر نہیں کرتے میں نے ایک شیخ کو خود کہتے سُنا ہے کہ ریاضت کے جو طریق امام صاحب نے لکھے ہیں وہ کسی کو زندہ تھوڑا ہی چھوڑیں گے آدمی اگر خود عمل نہ کرسکے تو حق بات کو

مان تو لے اور اپنے عجز کا اعتراف کرے یہ کیا واہیات ہے کہ جو کام خود نہ ہو سکے اُس کی مذمت کرنے لگے یہ ضرور ہے کہ تبدل زمانہ سے بعض جزئیات بدل جاتے ہیں لیکن کُلّیات نہیں بدلا کرتے سو آج کل چونکہ قوی ضعیف ہیں اس لئے کوئی سخت ریاضت مناسب نہیں ہے۔ لیکن ایسے موقع پر تو امام صاحب ریاضت شدیدہ کا اَمر نہیں فرماتے بلکہ بعض جگہ امام صاحب نے مراعاۃ ضعفاء کی ریاضت کے باب میں خود تصریح فرمائی ہے امام غزالی کو نفس کے خفی کید معلوم کرنے میں خاص مناسبت اور مہارت ہے پھر فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحب قدس سرہٗ نے ایک زمانہ میں احیاء العلوم کا وعظ شروع فرمایا تھا پھر چھوڑ دیا اور یہ فرمایا کہ ہمارا منہ نہیں ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ کے طریق کا وعظ کہیں کیونکہ اس طریق پر عمل سے ہم عاجز ہیں اور قاصر ہیں اور جس عمل میں خود کوتاہی ہو اُس کی دوسروں کو رغبت دِلانا شرم کی بات ہے۔

(۵۳) ۲ رجب ۱۳۳۵ھ۔ فرمایا کہ امراء سے اگر استغناء نہ برتی جاوے تو وہ اہل دین سے منتفع نہیں ہو سکتے مثلاً شب و روز اُن سے سفارشیں کی جاویں یا اور اسی طرح کی اُن سے خدمت لی جاوے جو موجب گرانی ہو گو سفارش کرنے والوں کی نیت بخیر ہی کیوں نہ ہو یعنی مخلوق کی نفع رسانی لیکن اس میں چند خرابیاں ہیں ذلت دین ذلت اہل دین خود امراء کا ایسے برتاؤ سے اہل دین سے بھاگنا اور فیوض سے محروم رہنا اور پھر بھی جس کے لئے سفارش کی ہے غالب یہ ہے کہ اس کا مقصود حاصل نہ ہو گا کیونکہ آج کل کے امراء پر اہل دین کا بہت کم اثر ہے صرف تہذیب کا برتاؤ کرتے ہیں عقیدت بہت کم ہے الا من حفظه الله پھر فرمایا کہ استغنا کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اہل دین کسی موقع پر اِن سے نہیں بچتے ورنہ عجب نہیں ہے کہ کسی موقع پر مراعاۃ مذمومہ اور مداہنت کا ارتکاب ہو جاوے پانی پت میں حضرت شاہ بوعلی قلندر کے ایک محبوب خادم تھے مبارز خان۔ اُس زمانہ میں ایک عامل تھا خواجہ سرا۔

اُس نے کسی سبب سے ظلماً مبارز خان کے ایک طمانچہ مار دیا اِس نے حضرت

کی خدمت میں فریاد کی آپ نے اُسی وقت شاہ دہلی کو ایک رقعہ لکھ کر ایک خادم کے ہاتھ روانہ کر دیا جس میں یہ لکھا تھا ''شحنۂ دہلی ما اعلان آنکہ پس دریدہ پیش بریدہ ناحق طمانچہ بروے کشیدہ کہ آہش از عرش در رسیدہ۔ یا بجائے او دیگر فرست ورنہ بجائے تو دیگر رسیدہ'' بادشاہ دیکھتے ہی تھرّا گیا اور اُسی وقت دوسرے عامل کو بھیجا۔

(۵۴) ۴ رجب۔ فرمایا کہ حضرت قطب العرب والعجم مقبول عند اللہ شاہ حاجی اِمداد اللہ قدس سرّہٗ کے دربار فیض رساں میں نہایت توسیع اور حُسن ظن سے کام لیا جاتا تھا اخذ بیعت میں بھی اور اجازت اخذ بیعت میں بھی مگر حضرت یہ فرماتے تھے کہ میرے یہاں سے جن حضرات کو اجازت اخذ بیعت حاصل ہوئی ہے۔

اِن کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ لوگ ہیں جن کو میں نے اہل سمجھ کر اجازت دی ہے اور اجازت حقیقت میں یہی ہے اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں جن کو میں نے ابتداءً اجازت نہیں دی لیکن خود انہوں نے کہا کہ کیوں حضرت ہم خدا کا نام لوگوں کو بتلا دیا کریں تو میں نے بھی کہہ دیا کہ ہاں بتلا دیا کرو بھلا میں ذکر اللہ بتلانے کو کس طرح منع کرتا وجہ یہ تھی کہ حضرت پر توفیر ذکر اور حق تعالیٰ کی محبت نہایت درجہ غالب تھی اور انتظام پر بہت کم نظر تھی اور اسی وجہ سے وہاں ہر طرح کے لوگوں کی بھرتی ہو جاتی تھی اور حضرت کو حُسن ظن اور ذکر اللہ سے اِس غایت تک تعشق تھا کہ ایک بار ارشاد فرمایا کہ ذکر اگر ریاء سے ہو وہ بھی بہتر ہے۔

(ف) حضرت قدس سرہٗ کی امامت تصوف فرق مختلفہ کو مسلّم ہے اور انتظام پر نظر زیادہ اُن حضرات کی ہوتی ہے جن کو جلوت زیادہ رہے اور احوال مردم پر نظر ہو اور جو حضرات خلوت نشیں ہوں اور مخلوق سے کم تعلق رکھتے ہوں اُن کی رائے کا وسیع ہو جانا اُمور مذکور میں مستبعد نہیں ہے لیکن جن کو واقعات اِس کے خلاف تحقیق ہوں اُن کو اس رائے پر عمل جائز نہیں ہے صاحب رائے تو اپنی رائے میں معذور ہے مگر مقلد اور متبع کو جب واقعہ اس صاحب رائے کی تحقیق کے خلاف ثابت ہو تو وہ اس رائے کی

تقلید میں معذور نہ ہوگا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی انتم اعلم بامر دنیاکم (رواہ مسلم) خود اس اَمر کو بتلا رہا ہے کہ اہل اللہ کو بہت زیادہ شغف امور انتظامیہ میں نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق دنیا سے ہے وھم عنھا معرضون ۔لیکن تاہم جس قدر بھی وہ انتظام فرماتے ہیں اُس خوبی کا انتظام منتظمین اہل دنیا سے بھی انجام نہیں پاتا ان اللہ یکرہ ان یخطاء ابوبکر حدیث مرفوع ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط بسندرجالہ ثقات کما اوردہ السیوطی فی تاریخ الخلفاء اور اتفاقی غلطی ہو جانا اقتضاء بشریت کا ہے جس میں تکوینی اور تشریعی مصالح ہیں۔ ولا یسعنی اظھارھا لجھل الجاھلین فتامل و تدبر (زادہ الجامع)

(۵۵) فرمایا کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور میں اکثر خواب کو بھول جاتا ہوں مگر یہ خواب نہایت صاف ہے اور خوب یاد ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا ایک مجمع ہے جس میں مَیں بھی ہوں اور اس مجمع میں فرق باطلہ اسلامیہ میں سے ایک فرقہ جدیدہ کا بانی بیعت لے رہا ہے اور بعض لوگوں کے بیعت ہونے کی یہ حالت ہے کہ اوّل تردّد بھی ظاہر کرتے ہیں کہ کبھی اُدھر ہاتھ بڑھاتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں اور اس حالت میں شیخ اور طالب دونوں کے ہاتھ سے بجلی بار بار نکل رہی ہے اور اس بانی کو بھی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے لیکن باوجود اس تردّد کے آخر میں پھر بیعت ہو جاتے ہیں نہ مبائع کو اجتناب اور نہ اخذ بیعت کو غیرت کہ جو شخص اپنے سے عقیدت میں متردد ہو اُس کو بیعت کرنا سخت بے حیائی ہے میں نے یہ حالت دیکھ کر حاضرین سے کہا تم کو معلوم بھی ہے یہ کیا بات ہے مجھ کو تو حق تعالیٰ نے اس معاملہ کی حقیقت منکشف فرمادی ہے کہ یہ محض مقناطیسی اور برقی قوت کا اثر ہے جس کو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور پھر اس نے کہا کہ خیر یہ تو ایک ظاہری بات ہے اصلی بات دوسری ہے وہ یہ کہ بزرگ وہ ہے جس میں بزرگوں کے اخلاق ہوں اور بزرگوں کی یہ وضع کبھی نہیں ہوئی کہ ایک شخص کو تعلق کم ہو اور وہ متردد بھی ہو اور اعراض بھی کر رہا ہو پھر فوراً ہی اُس کو

بیعت کرلیا جاوے کہ یہ غیرت کے خلاف ہے۔ پھر مجھے اس تقریر کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ وہ شخص بانی فرقہ باطلہ نہیں ہے بلکہ تنبیہات وصیت میں جن صالحین للبیعۃ کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک شخص ہیں جن کی صلاحیت للبیعۃ کا تردد میں نے تنبیہات کے تتمہ رابعہ کے مضمون پنجم میں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ اور میری تقریر سے ان پر ندامت غالب ہوئی اور مجھ سے اجازت روانگی کی چاہی مجھے بھی (طبعًا) شرم آئی کہ میں نے ان کے روبرو تقریر کی جس میں ان کی مذمت تھی گو خواب حجۃ شرعیہ نہیں لیکن دلائل شرعیہ کی تقویت میں خواب کو دخل ضرور ہے اور شاید حکمت اس میں یہ بھی ہو کہ ابھی ایک شخص نے ان صاحب کی نسبت ایک اچھا خواب لکھ کر بھیجا تھا جو بوجہ غیر مطابق حالت بیداری کے ہونے کے معتبر نہیں سمجھا گیا تھا شاید طبعًا اس خواب سے کچھ شبہ ہو جاتا اس لئے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے تنبیہ کے لئے یہ خواب دِکھلایا ہو حق تعالیٰ ہم سب کو نفس اور شیطان کے مکر سے محفوظ رکھیں اور ان صالح کو بھی واقعی صالح بنادیں اور ناظرین سے بھی التماس ہے کہ اُن کے لئے دُعائے اصلاح فرمادیں کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے قال اللہ تعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ اور تعلق بیعت کا اصل معیار کمال اتباع سنت فی الصلاح والاصلاح کو سمجھیں۔

(۵۶) ۸ رجب۔ حدیث ذیل متعلق بعدم الظل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ صاحب مواہب لدنیہ کو یہ حدیث نہیں ملی کما یفہم من استدلالہ بحدیث واجعلنی نورًا اور میں یہ سمجھتا تھا کہ بناء علی المشہور اگر حدیث ثابت بھی ہو تو مراد یہ ہوگی کہ ابر آپ کے ساتھ گاہے گاہے رہتا تھا۔ کما ورد فی قصۃ بحیر الراہب ونسطور الراہب ذکر الاوّل فی الخصائص الکبریٰ ج ۱، ص ۸۴ بتحسین الترمذی وتصحیح الحاکم والثانی فی تاریخ حبیب الہٰ، ص ۱۶۔ بغیر سند اور گاہے گاہے کی قید اس لئے لگائی کہ صحیح حدیث میں وارد ہے وقد اخرجہ مسلم کہ آپ پر ایک بار ایک صحابی کپڑا روکے ہوئے کھڑے تھے گرمی کی وجہ سے تاکہ آپ پر سایہ ہو جاوے پس معلوم ہوا کہ علی الدوام

سایہ نہیں رہتا تھا سو سایہ کا نہ ہونا اُس وقت کے ساتھ خاص ہوگا جبکہ ابر سر مبارک پر ہو لیکن اِس حدیث سے اس گمان کی تغلیط ہوئی کیونکہ ابر شمسی کی گرمی روکنے کے لئے ہوتا قمر میں جس کا ذکر حدیث ذیل میں ہے کون سی گرمی تھی جس کے لئے ابر کی حاجت ہوتی وہ حدیث خصائص کبریٰ ص ۶۸، ج ا، مطبوع حیدرآباد میں ہے اور اُس کے لفظ یہ ہیں اخرج الحکیم الترمذی (و ھو محمد بن علی من الاولیاء الکبار والمحدثین والحکماء المتصوفین افاض اللّٰہ علی من برکات انفاسہ القدسیۃ ۱۲/ جامع) عن ذکوان ﴿مگر چونکہ اس تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہایت ضعیف اور نیز مرسل ہے کیونکہ اس کی سند خصائص کبری صفحہ ۱۷۱ میں مختصراً اس طرح لکھی ہے اخرج الحکیم الترمذی من طریق عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید عن ذکوان فذکرہ اور ذکوان آزاد شدہ غلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تابعی ہیں اور عبدالرحمٰن کو بعضوں نے وضع حدیث اور بعضوں نے کذب کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ میزان اور تہذیب التہذیب میں ہے لہٰذا اس پر کسی اُمر کا مدار صحیح نہیں ہوسکتا ہاں کسی صحیح طریق پر ثابت ہونے کے بعد تقریر مذکور کی حاجت ہوگی۔ ۱۲۔ جامع﴾ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولاقمر۔ اھ

(۵۷) ۱۰؍ رجب۔ ایک تحریر احقر کو عنایت فرمائی کہ اس کو ملفوظات خبرت میں لکھ لینا چنانچہ محررہ ذیل ہے (لطیفہ غریبہ) جانور کا مارنا اگر ظلم ہوتا تو حق سبحانہ وتعالیٰ کا بھی معاذ اللہ اس صفت سے موصوف ہونا لازم آتا ہے اگر کہا جاوے کہ وہ مالک ہیں تو کہا جاوے گا کہ اِس سے تو یہ ثابت ہوگیا کہ مطلقاً قتل حیوان ظلم نہیں ہے بلکہ جو ناحق ہو سو جس طرح مالک ہونے سے وہ قتل ناحق نہیں رہتا اسی طرح مالک کے اذن دینے سے بھی وہ ناحق نہیں رہتا اس کی نظیر یہ ہے کہ اصل استحقاق قتل سیاست کا حاکم کو ہے مگر حاکم کا ماذون یعنی جلاد بھی کسی عاقل کے نزدیک محل ملامت نہیں۔

(۵۸) ۲۰ رجب۔ احقر نے عرض کیا کہ مسلم کی ایک حدیث میں لفظ الثلاث

مائۃ واقع ہوا ہے اور مسلم ہی کی دوسری حدیث میں السبع مائۃ آیا ہے اور ان دونوں جگہ مضاف پر اَلف ولام داخل ہوا ہے اور معرفہ بجانب نکرہ مضاف کیا گیا ہے سو اس اَلف ولام داخل ہونے کی توجیہات مختلفہ کی گئی ہیں ایک توجیہ علامہ طیبی نے کی ہے کہ یہ لام بعد اضافت کے (یعنی مجموعہ مضاف ومضاف الیہ پر) داخل کیا گیا ہے جیسے الخمسۃ عشر میں مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ اس توجیہ پر مضاف الیہ ممنون رہے گا یا نہیں کیونکہ معرف باللام (منون) نہیں ہوتا اس لئے شبہ ہوتا کہ منون نہ ہو جواباً فرمایا ظاہر یہ ہے کہ منون رہے گا کیونکہ مجموعہ پر جو اَلف ولام داخل ہوا ہے تو گو باعتبار معنی کے مجموعہ پر یہ دخول ہوا ہے لیکن لفظاً تو جزو اوّل پر داخل ہے اور تنوین احکام لفظیہ سے ہے اس لئے اس دخول کا اثر باعتبار مجموعی حیثیت کے آخر جزو پر نہ ہوگا۔ بلکہ باعتبار حکم لفظی ہونے کے جزو اوّل پر اس کا اثر ہوگا۔

(۵۹) اربعین میں حضرت حجۃ الاسلام امام علام ابو حامد غزالی نور اللہ تعالیٰ من برکاتہ نے تحریر فرمایا ہے کہ انسان تین عوالم سے مرکب ہے۔

(۱) عالم ملکوت (۲) عالم جبروت (۳) عالم شہادت۔ اور پھر اس کے بعد قلب کو عالم ملکوت سے کہا ہے اور صدر کو عالم جبروت سے۔ اور جوارح کو عالم شہادت سے اور اس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے کہ عالم جبروت درمیان میں ہے عالم ملکوت و عالم شہادت کے جیسا کہ صدر درمیان میں ہے قلب اور جوارح کے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ قلب سے مراد مُضغہ صنوبری نہیں اور اسی طرح صدر سے مراد یہ عظم خاص محیط با لقلب نہیں الخ سو احقر نے پوچھا کہ یہ عالم جبروت جو درمیان عالم ملکوت و عالم شہادت کے ہوا یہ کیا عالم ہے کیا عالم برزخ مراد ہے جیسا کہ درمیان میں اس کا ہونا قرینہ ہے اگر یہی ہے تو جبروت تحت میں ہوا ملکوت سے حالانکہ جبروت بناءً علے المشہور مرتب ہے صفات باری تعالیٰ کا جو عالم یعنی ماسوی اللہ بھی نہیں جواب فرمایا کہ یہ کوئی جدید اصطلاح ہے جس کی مجھ کو تحقیق نہیں غالب یہی ہے کہ اس اصطلاح جدید

ہیں عالم برزخ ہی مُراد ہے اُس کو جبروت مجازاً فرما دیا بوجہ اُس کے مشابہ ہونے کے مرتبہ صفات کے ساتھ کیونکہ وہ مراتب الٰہیہ میں برزخ ہے درمیان ذات کے کہ اُس کے فوق ہے اور افعال کے کہ اُس کے تحت ہے نیز امام رحمہ اللہ نے اس عالم جبروت مفسر بالصدر کے آثار یہ بتلائے ہیں خوف وخشیت وسرور وہیبت اور دوسرے احوال اور ظاہر ہے کہ یہ سب صفات ہیں جو درمیان میں ہیں انوار معرفت مفاض عن عالم الملکوت اور بکاء وشہیق واقشعراء نازلہ من عالم الشہادۃ کے پس جبروت سے مراد مرتبہ صفات ہی ہوا موافق اصطلاح مشہور کے لیکن صفات حق نہیں بلکہ صفات عبد نیز ان صفات میں صفت جبر بھی ہے جیسا کہ حق میں بھی صفت جبر ہے پس دونوں جگہ اس صفت خاص کے اعتبار سے تمام مرتبہ صفات کو جبروت کہہ دیا پس جبروت مرتبہ صفات ٹھہرا اُس میں جو صفات حق کا مرتبہ ہے وہ عالم نہیں اور فوق ہے ملکوت سے اور جو صفات عبد کا مرتبہ ہے وہ عالم ہے اور تحت ہے ملکوت سے۔

(۶۰) فرمایا کہ عربی میں کبھی اسم مفعول اور فعل مجہول فعل لازم سے بھی مستعمل ہوتے ہیں بلا واسطہ صرف تعدیہ جیسے اُتی فی المنام یعنی اتاہ آتٍ۔

(ف) پس اہل صرف کا فعل لازم کی گردان میں اسم فضول اور فعل مجہول داخل کرنا اکثری ہے نہ کلی۔ (زادہ الجامع عفی عنہ)

(۶۱) ۷ شعبان۔ احقر نے عرض کیا کہ درہم کی قیمت کی مقدار انگریزی سکہ سے کس قدر ہوتی ہے فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں حساب کیا تھا تو درہم پورے ۴/۴ پائی کا ہونا ثابت ہوا تھا۔

(ف) اس حساب سے دینار کی قیمت کی مقدار جو دس درہم کا ہوتا ہے ۱۱/۴ پائی ہوئی اور یہ اقل مہر ہے۔ (زادہ الجامع عفی عنہ)

(۶۲) ایک طالب علم کو حضرت والا نے محنت سے پڑھنے کے بارے میں مرۃ اُخری سمجھایا اور بارہا زجر بھی کیا اور وہ عہود ومواثیق کر لیتا تھا مگر اُن پر عمل نہ کرتا تھا آخر

میں حضرت نے یہاں کے مدرس صاحب سے فرمایا کہ یہ معلوم کرنا چاہئے کہ یہ شخص بے حیا ہے یا نہیں اگر بے حیا ہے تو اس کی اصلاح ناممکن ہے۔

(۶۳) حضرت والا نے ایک والا نامہ مقام ڈیگ سے احقر کے نام تحریر فرمایا (جو ۶ رمضان المبارک سنہ حال میں مجھ کو ملا) اور جس کے ابتدائی الفاظ میری نسبت یہ تھے (جامع العلوم والاعمال) سو بحکم۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

احقر کو ان دونوں نعمتوں کے حاصل ہونے کی قوی امید ہوئی ہے اور نیز اِس میں ایک اتفاقیہ لطیفہ بھی ہے جس سے اس امید کو قوت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امام الطائفۃ النقشبندیہ لوس الاولیاء حضرت سیدی شیخ احمد فاروقی سرہندی مجددؔ الف ثانی قدس سرہ کے بارے میں بھی حضرت تاج الاولیاء مقبول حضرت اللہ مولانا خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے ان ہی الفاظ مذکورہ کے ہم معنی الفاظ تحریر فرمائے تھے اور حضرت مجدّد صاحب کے اسم مبارک میں لفظ (احمد) ہے اور میرے نام میں بھی لفظ (احمد) ہے چنانچہ مکتوبات مجددیہ میں فرمودہ خواجہ صاحب ممدوح اس طرح منقول ہے احمد مرد یست قوی العلم قوی العمل لاو کما کان) پس اس توافق سے بھی امید کو قوت ہوتی ہے فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما یحب ربنا ویرضٰی ناظرین سے دعا کی اُمید پر یہ مضمون نقل کرتا ہوں کہ خاص طور پر اس احقر و بے کس کے لئے حق تعالیٰ سے مستدعی ہوں کہ مجھے یہ دونوں صفات بطریق اکمل نصیب ہوں اور اسی طرح مقصود اعظم اِن صفات کا یعنی رضائے حق بھی بدرجہ اتم حاصل ہو۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ولکن۔ برکریماں کارہا دشوار نیست

(۶۴) ۱۴ ررمضان المبارک۔ مسئلہ ذیل جو محررہ احقر اور مصححہ حضرت والا درج ہے کثیر النفع خیال کر کے شائع کیا جاتا ہے۔ (مسئلہ) بزرگوں کے پاس بیٹھ

کر ان کی مخالفت کے خیالات یا گناہوں کے خیالات یا امور مباحہ کثیرہ کے خطرات دل میں لانا ان حضرات کو ایذاء دینا ہے کیونکہ یہ حضرات بوجہ لطافت قلبیہ کے ان امور سے متاثر ہوتے ہیں اور اُن کو سخت کلفت ہوتی ہے گو بوجہ خوش اخلاقی اور مروّت یا ستر عورات اس کا اظہار نہ کریں اور اس تأثر کا تجربہ اور مشاہدہ دلیل ہے نیز حدیث ذیل اس باب میں صریح ہے کہ اس نوع کے افعال سبب ایذاء کاملین ہوتے ہیں ''فقدروی النسائی عن رجل من اصحٰب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم صلٰوۃ الصبح فقرأ الروم فالتبس علیہ فلما صلی قال ما بال اقوام یصلون معنا لایحسنون الطھور و انما یلبس علینا القرآن اولئک قال ابن حجر بسند حسن کما فی المرقاۃ ج ۱، ص ۲۶۹، ۲۷۰) ''ہاں بلا اختیار اگر کوئی خطرہ دل میں آوے اور اس کے ساتھ قصداً کچھ بڑھایا بھی نہ جاوے تو یہ بوجہ عدم قصد واختیار مستثنٰی اور عفو ہے اور بزرگ سے ہر وہ اہل نسبت مراد ہے جس کی صحبت اور رؤیت مذکر حق اور مُغفل عن الدنیا ہو ''علی قدر استعداد الرائینین والمستفیدین قال صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم خیارکم من ذکر کم باللّٰہ رؤیۃ و زاد فی علمکم منطقہ و رغبکم فی الآخرۃ عملہ رواہ الحکیم عن ابن عمر و مرفوعا بسند صحیح و روی الحکیم ایضاً عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما مرفوعا بسند ضعیف ﴿و صححہ العزیزی شارح الجامع الصغیر ۱۲ /جامع﴾ اولیاء اللّٰہ تعالٰی الذین اذا رأو اذکر اللّٰہ تعالٰی کلا ھما فی الجامع الصغیر للحافظ السیوطی رحمہ اللّٰہ ''اور واضح ہو کہ ان حضرات کی خدمت میں بیٹھ کر کسی قصہ سے جس کو وہ بیان کرتے ہوں گھبرانا اور قصد کرنا کہ یہاں سے ہم جلد چلے جاویں یا ویسے ہی جلد روانگی کا دِل میں قصد کرنا اور محض رسم پرستی کے سبب بیٹھے رہنا یہ حرکات بھی مثل حرکات مذکورہ سبب ایذاء ہیں ایسے موقع پر فوراً اُٹھ جانا

چاہئے لیکن اگر قرائن قویہ سے معلوم ہو کہ ہمارا اُٹھنا اُس وقت ان بزرگ کی مرضی کے خلاف ہے تو بیٹھا رہے اور حتی الامکان اپنے قلب کو وابستہ کرے۔ (باقی دارد)

ایک صاحب جو ذاکر شاغل تھے اور اُردو فارسی علم حساب کے طلبہ کو تعلیم بھی دیتے تھے مگر غیر منتظم تھے اُن سے یہ حرکت سرزد ہوئی کہ ایک بار ایک نومسلم طالب علم دوسرے ایک ذاکر طالب علم اپنے اُستاد سے کہہ رہا تھا کہ اُستاد جی (اور یہ کلمہ اُس نے اپنے نزدیک محبت اور عظمت سے کہا تھا) مگر اُنہوں نے یہ لفظ سُن کر کہا کہ یہ لفظ بے ادبی کا ہے کیونکہ اس سے مراد مراثی ﴿علی عرف بعض المواضع الهنديه و هو المتيقن و اما استعماله فی هذاالمعنی فی جميع المواضع الهندية فلا اعلمه ۱۲۔ جامع﴾ ہوتا ہے اِس ذاکر طالب علم نے حضرت والا کی خدمت میں یہ قصہ پیش کیا اور حضرت نے بصیرت باطنیہ سے معلوم فرمایا کہ اس اعتراض کا منشاء تکبر ہے اس پر زجراً ارشاد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص زنان فواحش کے یہاں گیا ہے اور اِس نے وہاں سے اس اِصطلاح کو اخذ کیا ہے میں تو ذاکرین کو اپنے مٹا دینے کی تعلیم دیتا ہوں اور اِن کا یہ عمل ہے کہ اپنے کو خوب بڑھاتے ہیں اور بڑا سمجھتے ہیں پھر ان کی یہ سزا تجویز فرمائی کہ تم بطریق خاص ذکر چھوڑو صرف چلتے پھرتے کرلیا کرو اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہو نیز نمازیوں کی جُوتیاں اُٹھاؤ اور جھاڑو دو کوڑا پھینکو نمازیوں کے لئے پانی بھرو جب تک میں اس اَمر کو نہ بدلوں اسی پر مداومت رکھو پھر بحمد اللہ تعالیٰ اس تجویز سے ان صاحب کو بہت بڑا نفع ہوا اور اذکار معمولہ کی اُن کو اجازت دے دی گئی۔

(ف) سبحان اللہ حضرت والا کے ذریعہ سے عجیب نورسنت و نورسلف اور نور اتباع سلف منتشر ہو رہا ہے چونکہ احقر کو قصص سلف و احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام پر خصوصیت کے ساتھ نظر اور ان سے مخصوص طریق پر دلچسپی ہے اور وہاں ایسی سزائیں بکثرت جاری کی جاتی تھیں اِس لئے عرصہ سے دل چاہتا تھا کہ اِس نوع کی سزائیں سالکین کے لئے آج کل تجویز کرنا نہایت ضروری ہیں اور دربار

مشائخ اس سے بالکل خالی ہیں اور ضرورت اس قدر ہے کہ جو حضرات مجاز کر دیئے جاتے ہیں وہ بھی اکثر غضب واخلاق ردیہ سے خالی نہیں ہوتے اور حلم وکرم واخلاق حمیدہ سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں مگر مقتدائیت حاصل ہو جاتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ کیا اہل اقتداء کے لئے اِن امور کی حاجت نہیں سمجھی جاتی یا باوجود حاجت کے بے پروائی کی جاتی ہے رحم اللہ تعالیٰ علینا وعلیہم۔ اور یہ تو بہت ہی دل چاہتا تھا کہ کم سے کم خانقاہ امدادیہ میں جو مرجع اصلاح اخلاق ہے اور جس کو باعتبار اہتمام اعمال واخلاق و تجوید قرآن: غلب ظن کے اعتبار سے ہندوستان میں تفرد کا رتبہ حاصل ہے اس نوع کی اصلاحات کا اجراء نہایت ضروری ہے مگر ہنوز حضرت والا سے عرض نہ کرنے پایا تھا کہ خود ہی اس رائے کو حق تعالیٰ نے حضور کے قلب میں القاء فرما دیا اور اس نوع کی اوّل ایک عظیم سزا ایک مجاز صاحب کو دی گئی گو پہلے سے بھی اِس نوع کی سزاؤں کا یہاں اجراء تھا لیکن تخفیف کے ساتھ جن کا مؤثر ہونا نفوس لطیفہ کے ساتھ مخصوص ہے اور زیادہ ضرورت کسی قدر شدت کی محسوس ہوتی ہے اور اُس ابتدائی واقعہ کو ''ارشاد الرشید'' میں قلمبند کر لیا گیا ہے و **للہ الحمد علیٰ ما انعم ووفق لاتباع السنۃ النبویۃ والسلف الصالحین قالہ الجامع عفی عنہ۔**

فرمایا کہ طریقت کے فلاں خاندان کے شیوخ عموماً آج کل تصور شیخ وشغل رابطہ کی تعلیم کرتے ہیں اور اس میں ایسا غلو ہو گیا ہے کہ حضرت قطب ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اس کو ایسی حالت میں ہرگز گوارا نہ فرماتے پھر فرمایا کہ بعض مشائخ نقشبندیہ کی اُس میں اور تحقیق ہے ومنہم ومولانا العارف فضل الرحمٰن قدس سرہٗ کہ غلبہ جب شیخ کا نام تصور شیخ ہے جب محبت کا غلبہ ہوتا ہے بے اختیار تصور حاصل ہو جاتا ہے۔

(۶۵) مثل ملفوظ بالا مضمون ذیل بھی درج کیا جاتا ہے۔

❁❁❁

ایک مفید اطلاع

معلمین ابتدائی تعلیم میں یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ لا کو لام الف پڑھاتے ہیں حالانکہ یہ حرف صحیح لام الف زبر لا ہے نیز یہ کوئی مستقل حرف تہجی نہیں ہے بلکہ لام اور الف سے مرکب کرلیا گیا ہے پس عربی الف و باء کی کتابیں جو کثرت سے متداول ہیں یہ حرف ان میں لکھنا مناسب نہیں کہ یہ حرف تہجی میں داخل نہیں۔

اور اسی طرح یائے مدوّر اور یائے مطول عربی میں دونوں صرف معروف ہی پڑھی جاتی ہیں اور "ی" صرف ایک ہی ہے خواہ "یے" لکھو یا "ی" لہٰذا عربی قواعد کے اعتبار سے "ے" کو بڑی "ی" پڑھنا اور اس کو مستقل حرف شمار کرنا غلط ہے یائے مجہول فارسی اور اُردو میں پڑھی جاتی ہے عربی میں بجز امالہ کے نہ کوئی حرف مجہول ہے اور نہ کوئی حرکت مجہولہ ہے اور نیز باء تاء ثاء حاء خاء راء زاء طاء ظاء فاء ہاء یاء کو بھی ب۔ ت۔ ث۔ خ۔ ر۔ ز۔ ط۔ ظ۔ ف۔ ی بطریق مشہور پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ بھی بقاعدہ عربیہ غلط ہے مگر بتاویل امالہ بلکہ ب کو باء بفتح اوّل وسکون ثانی وضم آخر اور اسی طرح تاء وغیرہ کو پڑھنا چاہئے اور لا کو مستقل حرف نہ قرار دینے اور "ی" اور "ے" کو ایک شمار کرنے سے عربی حروف صرف ۲۹ ہوتے ہیں اور صورت جو ان حروف کی مشہور طریق پر لکھی جاتی ہے جیسے۔ ا۔ ب۔ ت۔ تا آخر یہ صحیح ہے فقط۔

(۶۶) ۲۰ رمضان۔ ایک صاحب کا خط آیا جس میں یہ تحریر تھا کہ میں بغرض بیعت حاضر خدمت ہوا تھا مگر چونکہ آپ نے بیعت نہیں فرمایا اس لئے میں فلاں صاحب سے بیعت ہوگیا اور ان صاحب نے اسم ذات اور تصور شیخ کی تعلیم کی مگر تصور

مذکور کو شرک سمجھتا ہوں اور کچھ اورادا پنی طرف سے بھی میں نے فرمودۂ شیخ پر بڑھا لئے ہیں اور پھر امراض باطنیہ حضور کی خدمت میں تحریر کئے اور بہت کچھ عقیدت ظاہر کی، اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں اسی وجہ سے اخذ بیعت میں عجلت پسند نہیں کرتا اگر ان صاحب کو اعتقاد راسخ مجھ سے ہوتا تو دوسرے صاحب سے ہرگز بیعت نہ ہوتے کسی طرح بیعت کرنے میں تعجیل مناسب نہیں اور ان صاحب کو جواب تحریر فرمایا کہ یہ عجیب اَمر ہے کہ آپ نے امراض باطنیہ اپنے پیر صاحب کو کیوں نہیں لکھے صاف لکھئے کہ آپ کو اُن کے ساتھ عقیدت باقی ہے یا نہیں اس فیصلہ کے بعد رجوع مناسب ہے۔

(٦٧) فرمایا کہ تصور شیخ اپنی اصل کے اعتبار سے قطع نظر عوارض سے گو جائز ہے مگر شان و مذاق توحید کے خلاف ضرور ہے اور میرا ذوق اسی کا مقتضی ہے۔

(ف) جن حضرات کے طبائع لطیفہ ہیں اور وسائط کے زیادہ محتاج نہیں ہیں ان کو ایسے وسائط کی حاجت بھی نہیں ہے نیز یہ اشغال اُن کی طبائع کے نامناسب ہوتے ہیں اور طبعاً ان کو اس سے استنکار ہوتا ہے گو شرعاً نہ ہو اور ان کو ایسے اشغال کا اگر شیوخ اَمر بھی کریں تو غالب اندیشہ ضرر کا ہے فلیبصر الشیخ استعدادہم۔ زادہ الجامع عفی عنہ

(٦٨) فرمایا کہ شیخ علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد حافظ ابن القیم نہایت وسیع النظر اور دقیق النظر علماء ہیں اور حنبلی مشہور ہیں لیکن ان حضرات میں آزادی اور اجتہاد و تفرد کی شان ہے چنانچہ بعض مسائل میں علمائے اُمت سے منفرد ہیں ایک مہذب شخص نے اس عنوان سے ان پر اعتراض کیا ہے **علمهما اكثر من عقلهما** تہذیب بڑی عمدہ چیز ہے اگر یہی مضمون بعنوان **عقلهما اقل من علمهما** ادا کیا جاتا تو لطیف اور مہذب نہ رہتا۔

(٦٩) یکم شوال ۱۳۳۵ھ۔ احقر نے عرض کیا کہ بعض عبارات اتقان سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءات سبعہ میں تمام الفاظ و کلمات متواتر نہیں ہیں اور نہ قرآنیت کے لئے تواتر شرط ہے حالانکہ مشہور یہی ہے کہ قرآنیت کیلئے تواتر شرط ہے اور سبعہ بلکہ عشرۃ

قرأت ﴿وقال (ای تقی الدین السبکی) فی جواب سوال ساله ابن الجرزی القراء ت السبع التی اقتصر علیهما الشاطبی والثلاثث التی هی قراء ة ابی جعفر و یعقوب و خلف متواترة معلومة من الدین بالضرورة و کل حرف انفرد به واحد من العشرة معلوم من الدین بالضرورة انه منزل علی رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم لا یکا برفی شی من ذلک الاجاهل کذا فی الاتقان ۱۲﴾ متواتر ہیں اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نقل قرآن کیلئے بیان تواتر کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ قرائن معتبرہ سے ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں اس کے پڑھنے پڑھانے والے بے شمار رہے ہیں پس قرآن متواتر ہے اور تواتر سبعہ پر اجماع بھی ہے جمہور کا۔

(۷۰) اور قراء نے جہاں کہیں سند نقل کی ہے وہ محض تبرکاً بیان اتصال کے لئے نقل کردی ہے نہ اِس لئے کہ ثبوت قرآن اس پر موقوف ہے بخلاف احادیث متواترۃ کے کہ عامہ کے لئے اُن کے تعیین کے لئے تصریح ضروری ہے اس لئے کہ وہاں یہ قرائن اور اہتمام نہ تھا جو قرآن مجید کے بارے میں ہے البتہ اہل فن اسانید کے جمع کرنے سے تواتر کا حکم کرسکتے ہیں ہاں کیفیات اداء یعنی وجوہ میں اختلاف ہے کہ یہ متواتر ہے یا نہیں اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ متواتر نہیں (اور اس تقدیر پر خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کیفیت منقول ہو یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے یا من بعدہم سے ۱۲ رجامع) کہ یہ اختلاف پڑھنے کا ہے کوئی کسی طرح پڑھتا ہے اور کوئی کسی طرح جیسا کہ ہماری اُردو زبان میں بھی ایسا اختلاف ہے اور اختلاف کلمات ضرور متواتر ہے اور قراءت شاذہ کے شذوذ پر چونکہ اجماع ہے اس لئے قرائن تواتر وہاں جاری نہیں ہوسکتے۔

(۷۱) ۶ شوال۔ احقر نے عرض کیا کہ عید کی نماز کا وقت جب آفتاب ایک نیزہ کے برابر بلند ہوجاوے اُس وقت ہوتا ہے (کمافی الدرالمختار) اور اس کی مقدار بارہ بالشت ہے (کمافی ردالمحتار)۔ تو یہ بلندی کس طرح معلوم ہو فرمایا کہ اُفق سے جہاں سے آفتاب نکلتا ہے وہاں سے آفتاب دیکھنے میں اس مقدار بلند ہوجاوے اور

یہ صرف ظن اور تخمین سے معلوم ہوسکتا ہے۔

(۷۲) فرمایا کہ شیخ کے کہنے پر یقین کرنا چاہئے جب وہ کہہ دے کہ تم کامیاب ہوجاؤ گے اس کو صحیح سمجھے ہاں سعی میں دریغ نہ کرے اور اپنی حفاظت رکھے۔ ف۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

قلت ان المراد من الیقین ما یقربه من اغلب الظن و ھذا مما نبهت علیه لافادۃ الخواص۔ احقر کو حضرت نے بیعت کرنے کے چند روز بعد (بہت ہی قریب) خوش ہوکر دعا دی تھی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ جو آپ چاہیں گے وہ ہوگا مجھے بڑی اُمید ہوئی اور حالاً یقین اور علمًا **ما یقرب الیقین من اغلب الظن** حاصل ہوا۔

(۷۳) ۸ شوال۔ ایک مولوی صاحب نے طب پڑھنے کا مشورہ لیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں مشورہ تو دیتا نہیں (اس لئے کہ آج کل مشورہ اکثر بار ہو جاتا ہے مستشیر پر اور بعضوں کا یہ فاسد عقیدہ ہوتا ہے کہ جو مشورہ کسی بزرگ کی زبان سے نکلے گا ضرور ویسا ہی ہوجاوے گا۔ زادہ الجامع) ہاں میرا تجربہ یہ ہے کہ یہ بددینی کی جڑ ہے میں نے پندرہ روز فقط طب پڑھی تھی اسی مدت میں اس کا مضر ہونا معلوم ہوگیا نیز بعض اہل تجربہ دوستوں نے بھی اس کی مضرت بیان فرمائی۔ ہاں بہت بڑا قابل فن داں اور مستقل فی الدین ہو اُس کو البتہ یہ فن مضر نہیں ہے۔ **و قلیل ماھم**۔

(۷۴) فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ زُہد کی دو قسمیں ہیں زُہد فقراء، و زُہد حکام و مثل ایشاں ﴿کمتولی الاوقاف وغیرہا ۱۲۔ جامع﴾ فریق اوّل کا زُہد تو یہ ہے کہ علائق کو کم کریں اور بجز ضروری اُمور کے اور تعلقات کو بالکل ترک کردیں اور فریق ثانی کا زُہد یہ ہے کہ ہر کام میں دخل دیں اور اُس کو بخوبی انتظام کے ساتھ انجام دیں اور پھر اُس میں اتباع سنت کو ملحوظ رکھیں کوئی اَمر خلاف سنت نہ ہونے پاوے اور مال کی محبت قلب میں نہ ہو۔

(ف) قلت وھذا الاخیر ھو زھد الانبیاء علیھم الصلوٰۃ

والسلام زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۷۵) فرمایا کہ میری عادت مشورہ دینے کی نہیں لیکن جو شخص اپنی رائے کو میری رائے میں فنا کر چکا ہو اُس کو مشورہ دینے میں مجھے تامل نہیں ہوتا۔

(ف) کیونکہ درصورت عدم کامیابی وہ الزام نہ دے گا نہ ظاہراً نہ باطناً نہ قصداً نہ اضطراراً۔ زادہ الجامع عفی عنہ

(۷۶) ۱۰ رشوال۔ احقر نے عرض کیا کہ اہل کشف (کونی) کی بصیرت غیر اہل کشف سے کچھ زیادہ ہوتی ہے فرمایا کشف کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں کہ بصیرت تامہ ثمرہ ایمان کامل کا ہے اور محل اس کا قلب ہے اور کشف کونی ثمرہ صفاء نفس کا ہے اور محل اس کا نفس ہے ریاضات سے نفس میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے اور ظلمت عناصر مرتفع ہو جاتی ہے اسی لئے کشف بعض اہل کفر کو بھی ہوتا ہے اور بصیرت صحیحہ بجز اہل ایمان کامل دوسروں کو میسر نہیں ہوتی۔

(۷۷) احقر نے عرض کیا کہ اگر کسی مجاز اہل طریق اخذ بیعت کو تعلیم کے متعلق اپنے اندر بکثرت لغزشیں معلوم ہوں مثلاً اہل و نا اہل معتقد و غیر معتقد کو بیعت کر لینا اور اس کا دل پر اثر نہ ہونا کہ کون طالب ہے اور کون مجبور کر کے بیعت کے لئے لایا گیا ہے اور اپنے معتقدین میں خلاف اہل طریق کارروائیاں ہو جانا اور اس پر مطلع نہ ہونا وغیرہ وغیرہ تو اگر کوئی اہل بصیرت تامہ اس کو ان امور پر مطلع کرے تو کیا اس کو تعلیم و تلقین چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ جب یہ مؤید من اللہ تعالیٰ نہیں اور اس کے قلب میں نور نہیں تو تعلیم تصوف کا کب اہل ہے۔ فرمایا اسلم تو یہی ہے مگر اس میں اہل بصیرت سے بھی لوگ سوء ظن رکھنے لگیں گے اس لئے یہ مناسب ہے کہ ریاضت و اتباع سنت سے قابلیت پیدا کرے اور کام جاری رکھے۔

(۷۸) فرمایا کہ مجھے عقیدت تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ سے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے زیادہ تھی لیکن محبت حضرت مولانا شاہ محمد

یعقوب صاحب قدس سرہٗ سے زیادہ تھی لیکن بعد میں حضرت گنگوہی کی محبت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی محبت پر غالب ہوگئی تھی۔

(ف): قلت ولا عجب فی ذلک ولعله لاتقان علمه قدس سره مع الاعمال الصالحة و قد غلب علی شیخنا المذاق العلمی واللّٰه تعالٰی اعلم زاده الجامع عفی عنه۔

(۷۹) فرمایا کہ چند روز سے بعض مہمانوں کو میں بجائے کھانے کے دام دے دیتا ہوں تا کہ خرید کر کھالیں کیونکہ یہاں پکانے والی میسر نہیں آتی اور دونوں اہل خانہ کو کھانا زیادہ پکانے سے گرمی کے سبب بعض امراض پیدا ہو جاتے ہیں تو لوگ میرے اس فعل کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اپنے بزرگوں کی وضع کے خلاف ہے میں کہتا ہوں بھلا یہ بھی کوئی وضع کی بات ہے یہ تو ایک انتظامی اَمر ہے جس طرح جس کو سہولت ہوئی وہ طریقہ اس نے اختیار کر لیا بلکہ ایسے اُمور میں تو کسی خاص وضع کا پابند ہو جانا التزام مالایلزم اور ممنوع ہے نیز بعض اوقات بزرگوں کو بھی ایسا کرتے دیکھا گیا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ لوگ سچے طالب حق نہیں ہیں ورنہ روکھی روٹی بقیمت ملنے کو بھی غنیمت سمجھتے کہ ایسی جگہ تو ہے جہاں کھانا مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ طلب کرنے آتے ہیں یا عیش وعشرت برتنے اور اکثر بزرگ تو ضیق معیشت اور زہد کی حالت پر بسر کرتے ہیں وہاں تو ہمیشہ اتنا انتظام بھی نہیں ہوسکتا فرمایا سچ ہے۔

(ف) افسوس ہے کہ اُمور حقہ مستور ہو گئے دنیا کی عشرت دین کے پردے میں حاصل کرنا چاہتے ہیں مشائخ اور انبیاء علیہم السلام کی وضع تو فی الواقع زہد وتقویٰ کی ترقی کرنا ہے کہ اُنہوں نے دنیا سے کس قدر بے رغبتی خود بھی رکھی اور دوسروں کو بھی اس کی رغبت دلائی اور طریق کی ساری تعلیم کا خلاصہ یہی ہے کہ جب دنیا فنا ہو جاوے اور اس کی جگہ حب اللہ اور ذکر اللہ اور تقویٰ اللہ جاگزیں ہو جاوے خصوصاً اپنے متعلقین کو ان حضرات نے بہ نسبت دیگر اشخاص کے ترک کر دینا اور زہد کا خاص حصہ

مرحمت فرمایا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کا نیز ان کے اہل تعلق کا لقاء و معاشرت مذکر حق ہو گیا اور ہزاروں واصل الی اللہ ہو گئے اور ان کی وضع یہ نہیں ہے کہ نوابوں اور منہمکین فے الدنیا کی طرح کھانے پہننے کو مقدم رکھنا اور محبت حق سے جو کہ اصل مقصود ہے غفلت کرنا استغفر اللہ کیا یہ حضرات اس کام کے لئے تشریف لائے ہیں ان سے دنیا کا طالب ہونا ایسی مثال ہے جیسے کسی سنار سے کوئی خاکروب کی جھاڑو کا طالب ہو سو ظاہر ہے کہ سنار کی اس شخص نے کیا اچھی قدر کی افسوس ہزار افسوس اب تو علم اور عمل کا نام باقی رہ گیا ہے مشائخ کا کمال اور ان کی وضع تو یہ ہونی چاہئے کہ اُن کی اور اُن کے اہل و عیال کی معاشرت بلکہ صورت مذکر حق ہو زُہد و تقویٰ اُن کا شعار ہو توسع فی المباحات نہ ہو کہ ہر اَمر میں اباحت کی ہی طبیعت خواہاں ہو بلکہ رضائے مولا اس درجہ غالب ہو کہ جو امر مقرب الی الحق ہو حتی المقدور اسی کو معمول بہ قرار دیا جاوے اور دنیا کو مسافر خانہ اور آخرت کو دار القرار سمجھا جاوے۔ زادہ الجامع عفی عنہ۔

(۸۰) فرمایا بعضے بزرگ خود بھی متکلف فی اللباس ہوتے ہیں اور متعلقین کو بھی اس کا امر ہوتا ہے کہ شان و شوکت سے آراستہ رہیں گو یہ اُمور مباحہ ہیں مگر جس فرقہ کی طرف مشائخ کی نسبت ہے اس کی وضع نیز سنت کے بھی کسی درجہ میں تو خلاف ہے ہی میرے یہاں تو سادگی کا غایت اہتمام ہے جو اپنی تزئین اور اپنے مشاہدے میں مشغول رہے گا وہ قلب کا تحلیہ اور حق کا مشاہدہ کس وقت کرے گا پھر فرمایا بس جی اب تو وہ یہی بزرگ ہی ہے جس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں باقی اصلی بزرگی تو ختم ہو گئی۔

(ف) فقر اور تصوف کا نام سُن کر اور جو لوگ اس طرف منسوب ہیں ان کا ذکر سُن کر اہل فہم کا گماں متبادر اسی طرف جاتا ہے کہ یہ لوگ تارک الدنیا اور زاہد اور حب مال و جاہ مذموم سے خالی اور بے تکلف اور محبت الٰہی میں مغلوب ہوں گے۔ اور احقر کے نزدیک کسی فرقہ کی طرف منسوب ہونا اور پھر اس کا اتباع نہ کرنا ظاہر نفاق ہے اور یہ کہنا عذر نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی کو اپنا معتقد نہیں بناتے نہ ہم مدعی بزرگی ہیں پھر نفاق و

خداع کہاں رہا کیونکہ بزبانِ حال یہ حضرات لوگوں کو اس فرقہ کے طریق کی طرف بلا رہے ہیں اور اسی طرح نسبت بزرگی کی بھی حالاً آشکارا کررہے ہیں گو قالاً نہیں کرتے فافهم حق الفهم فانه من مزال الاقدام۔ (زادہ الجامع عفی عنہ)

(۸۱) فرمایا کہ اہل کمال (دینی یا دنیاوی) کی گو کوئی بھی قدر نہ کرے لیکن وہ خود کمال کی مسرت میں ایسا مست ہوتا ہے کہ کسی کی قدر کا طالب نہیں ہوتا۔

(ف) یہاں سے معلوم ہوا کہ طالب شہرت وجاہ ناقص ہے کامل نہیں۔

(زادہ الجامع عفی عنہ)

(۸۲) فرمایا کہ جن قراء کا علم ناقص ہے وہ اینٹھ مروڑ کر کے الفاظ کو ادا کرتے ہیں اور جو اس فن میں کمال رکھتے ہیں وہ بالکل سادہ طور پر پڑھتے ہیں حتیٰ کہ عوام کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ قاری ہیں۔ حضرت مولانا شاہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی قدس سرہ بالکل سادگی سے کلمات ادا فرماتے تھے اور پانی پت میں بڑے بڑے اہل فن گذرے ہیں حتیٰ کہ سُنا ہے والعهدة علی الراوی کہ ایک یہاں کے قاری روم پہنچے تھے اور سلطان المعظم کے یہاں بڑے بڑے قاری جمع تھے۔

جب انہوں نے قرآن مجید پڑھا تو سب سے اچھا پڑھا۔ بڑی وقعت ہوئی۔ سلطان المعظم نے انعام دینا چاہا فرمانے لگے مجھے حاجت نہیں ہے ارشاد ہوا کہ اور کچھ طلب فرمایئے فرمایا کہ مجھے تو کچھ حاجت نہیں مگر میرے بھائی ایک تکلیف میں مبتلا ہیں اور وہ یہ ہے کہ پانی پت پر اب محصول مقرر ہوگیا پہلے معافی تھا آپ سفارش کردیجئے کہ محصول معاف ہوجاوے چنانچہ سفارش کردی اور مقصود حاصل ہوگیا پھر فرمایا کہ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے کہ بھائیوں کی نفع رسانی کے لئے کہاں پہنچے۔

فرمایا کہ پانی پت میں قرآن مجید کے حفظ اور تجوید کا بڑا چرچا ہے حتیٰ کہ کثرت سے عورتیں حافظ ہیں اور بعضی عورتیں قرأت سبعہ بھی جانتی ہیں اور ہر قوم میں وہاں قرآن مجید کی خدمت کی بھی کیفیت ہے یہاں تک کہ چھوٹی قوموں میں بھی۔

(ف) سبحان اللہ تعالیٰ عورتوں نے کیا کچھ ترقی کی کہ بہت سے مرد بھی اس نعمت سے محروم رہے اس فن کی طرف بہت ہی کم توجہی ہے حالانکہ اس کی تحصیل بھی مثل دیگر علوم دینیہ کے واجب ہے پچھلے زمانہ میں بڑی بڑی فاضلہ عورتیں ہوئی ہیں عوانہ ایک لاکھ احادیث کی مع تنقید اسناد وغیرہ حافظہ تھیں **کما یتحصل من المیزان اللذہبی کریمہ** بخاری شریف کی راوی مشہور ہیں۔ مسند امام احمد کی رواۃ میں حافظ ہیثمی کے مشائخ بالواسطہ میں ایک عورت ہیں اور بڑی خوش نصیبی اس مرد کی ہے جس کی جلیسہ وانیسہ دارین میں ایسی شریفہ محدثہ مفسرہ قارہ عارفہ زاہدہ ہو۔ زادہ الجامع

(۸۳) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ۔ ذیل کا مضمون احقر کی تالیف ہے لیکن چونکہ حضرت والا کا تصحیح کردہ ہے اور نہایت مفید ہے اس لئے اِن ملفوظات میں درج کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے **قال اللہ تعالیٰ و علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین** ۔(۱) اس آیت میں جزاء کو مقدم کیا تا کہ اشارہ ہو اس کے مہتم بالشان ہونے کی طرف نیز مراعات رؤس آیات کی وجہ سے بھی۔(۲) یہ شرط ترغیب کے لئے ہے تعلیق اور شک جو اِن شرطیہ کا اصل مقتضی ہے یہاں مراد نہیں ہے۔(۳) جار مجرور کو اس کے متعلق فعل یعنی فتوکلوا پر مقدم کیا حصر کے لئے نیز اس لئے کہ اوّل سماع میں جلیل القدر ذات قادر علیٰ کل شی کا نام مبارک واقع ہوتا کہ ''امر فتوکلوا'' پر عمل سہل ہو کہ جب ایسی جامع کمالات ذات متوکل علیہ ہے تو پھر توکل میں ناکامی اور دُشواری اِن شاء اللہ تعالیٰ ہرگز واقع نہ ہوگی۔ لہٰذا ضرور اس پر عمل کرنا چاہئے اور محصل آیت یہ اُمور ہیں:

(۱) امر بالتوکل (۲) اُس کا مہتم بالشان ہونا (۳) اس کی ترغیب (۴) اس میں اعانت خاصہ کا وعدہ اور اُس کی تحصیل بسہولت ہو جانا۔

(۸۴) احقر ایک بار سخت بیمار ہوا تو خدمت والا میں عرض کیا کہ سخت مرض کی حالت میں جبکہ ظناً یاس ہو رجاء کا غلبہ ہونا چاہئے اور مجھ سے ایسے وقت خوف کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ میرے پاس کوئی سامان آخرت نہیں فرمایا کہ عقلاً رجاء کا غلبہ کافی ہے

اور خوف کا غلبہ طبعی ہے اور اضطراری ہے اور اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور بے سرو سامانی اور کوتاہی کی مکافات استغفار ہے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بار ہے رحمت خداوندی کی وسعت پر نظر کرنی چاہئے اس کلام کو سُن کر اس حالت میں تسلی ہوگئی۔

(۸۵) ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ۔ سلطان صلاح الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کا ذکر فرمایا کہ یہ بزرگ اہل نسبت تھے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب انہوں نے ایک خاص ملک فتح کیا تو ارا کین سلطنت نے عرض کیا کہ یہاں کی رعایا کے لئے کوئی قانون مناسب تجویز فرمایئے فرمانے لگے کہ شریعت کا قانون موجود ہے جو نہایت کافی ہے وہ لوگ (بوجہ ضعف ایمانی وقلت فہم کے) کہنے لگے کہ یہ رعایا نہایت چالاک اور سرکش ہے اور قانون شرعی معتدل طبائع کے لئے مناسب ہے اگر ان لوگوں کے ساتھ ایسا قانون برتا جاوے تو سلطنت تلف ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے۔ سلطان قدس سرہٗ نے غضب ناک ہو کر جواب دیا کہ کیا خدائے تعالیٰ کو تجویز قانون کے وقت یہ علم نہ تھا کہ ایسے سرکش لوگ بھی پیدا ہوں گے بس قانون شرعی بالکل کافی ہے" **قال اللّٰہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم** " اس کے سامنے کسی قانون کی حاجت نہیں اور ہم کو بقاء سلطنت مقصود نہیں ہے بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور اتباع شریعت مطلوب ہے سو سلطنت جاتے رہنے سے ہمارا کچھ بھی ضرر نہیں البتہ اتباع شریعت نہ کرنے سے دارین میں ہلاکی ہے تو یہ فرمانا بغیر اتصاف بہ نسبت مصطلحہ عادۃً ناممکن ہے واقعی مسلمان کو تو یہی خیال ہونا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جس حال میں بھی ہو اور آج کل اہل علم وسلوک پر بھی عموماً یہ مذاق غالب نہیں جو اِن دنیاداروں پر تھا (یعنی صورۃً دنیادار تھے کہ بادشاہ تھے گو حقیقۃً اولیاء کبار میں سے تھے) آج کل اہل دین پر بھی زیادہ مراعاۃ مصالح غالب ہے اور دینی خدمت عادت اور طبیعت کے مقتضاء پر کرتے ہیں نہ کہ عبادت اور شریعت کے مقتضاء پر حق تعالیٰ رحم فرماویں۔

(۸۶) فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں دو سلطنتیں نہایت قوی تھیں

رُوم اور فارس اور دنیوی عقل کا مقتضاء یہ تھا کہ اوّل فارس کو فتح کرتے کہ وہاں مال بہت تھا جو معین ہوتا تقویت دین پر نیز فارس اور رُوم میں باہمی یہ بھی تفاوت تھا کہ اہل روم اہل کتاب تھے اور اہل فارس گبر اور اہل کتاب اقرب الی الاسلام ہیں مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اوّل روم پر توجہ فرمائی اور جب ہرقل عظیم الروم نے اس کا سبب دریافت کیا اور کہا کہ آپ حضرات کو اوّل فارس پر توجہ کرنی چاہئے تھی کہ وہ بالکل آپ کے مخالف ہیں اور ہم تو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے کسی درجہ میں تو آپ کے موافق ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فی البدیہہ جواب دیا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''یایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ''یعنی جو کفار تمہارے قریب رہتے ہیں پہلے ان سے مقاتلہ کرو سبحان اللہ دین کا کس درجہ غلبہ تھا کہ اس ترتیب کی طرف داعی کتاب اللہ تھے اور اِن حضرات نے کتاب اللہ میں تامل اور تدبر سے اوّلاً قتال روم شروع کیا تھا اور کتاب اللہ کو اپنا امام بنالیا تھا ورنہ جس نے پہلے سے اس بارے میں اپنی دلیل قرآن مجید کو نہ بنالیا ہو وہ اس قدر جلد بے تکلف قرآن سے استدلال نہیں کرسکتا اور ظاہر ہے کہ یہ حکم قرآنی مصلحت دنیویہ کے بھی کس قدر مناسب ہے۔

(۸۷) ۱۳؍ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ۔ فرمایا کہ اِن دو شخصوں میں جو کہ باہم بود و باش کرتے ہوں حسن معاشرت کا یہ طریق ہے کہ ہر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں غایت درجہ سعی کرے اور صاحب حق یہ سمجھے کہ یہ جو کچھ حق ادا کرتا ہے غنیمت ہے گویا میرا حق اس کے ذمے واجب نہیں ہے اس صورت میں من وجب علیہ الحق سے اگر غلطی سے کوئی حق تلفی ہوجاوے گی تو صاحب حق کو رنج نہ ہوگا اور باہم منازعت و مخالفت نہ ہوگی۔

(۸۸) عرصہ ہوا کہ احقر نے دریافت کیا تھا کہ مقام رضا جس کو صوفیہ انتہائے مقام قرار دیتے ہیں اس کی علامت کیا ہے فرمایا کہ اس درجہ کی رضا حاصل ہوجاوے کہ طبعی کراہت بھی بدرجۂ پریشانی مکروہات و مصائب پر نہ ہو گو حزن ہو کہ حزن رضا کے کسی درجہ کے منافی نہیں ہے۔

(۸۹) احقر نے عرض کیا کہ شغل انحد سے جو آواز پیدا ہوتی ہے قصد السبیل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آواز طبی ہے اور ''ضیاء القلوب'' سے اس کا غیبی ہونا معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ اکثر طبی ہوتی ہے اور گاہے غیبی۔

(۹۰) احقر نے عرض کیا کہ جناب والا ارشاد فرماتے ہیں کہ انوار کی طرف توجہ کرنا مفید نہیں بلکہ مضر ہے اور ''ضیاء القلوب'' میں نور سیاہ جس کو نور فناء کہتے ہیں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے سے فنا میسر آتی ہے ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے دوسرے حضرات سے یہ مضمون نقل کیا ہے خود حضرت کی تحقیق وہی ہے جو میں کہتا ہوں۔

(۹۱) فرمایا کہ میں گفتگو میں حتی المقدور غایت سہولت منظور نظر رکھتا ہوں اور دوسرے کے لئے نہایت سہولت کر دیتا ہوں اور قیود اور احتمالات کا بہت ہی خیال رکھتا ہوں تاکہ اجمال نہ رہے اور مخاطب کو کلفت اور غلط فہمی نہ ہو۔

(۹۲) عرصہ غالباً دس یا گیارہ برس ہوئے کہ احقر نے ایک خواب دیکھا تھا کہ کوئی صاحب فرماتے ہیں تم یَا بَاسِطُ اِکیس بار پڑھا کرو تمہارا رومال مال سے پُر ہو جاوے گا۔ حضرت نے اس کی یہ تعبیر ارشاد فرمائی تھی کہ رومال سے مال قلب ہے بہ نیت حصول غناء باطن پڑھ لیا کرو گویا بطریق دعا اس کا ورد ہے اور بعد عشاء پڑھا کرو چنانچہ احقر نے ایسا ہی کیا چند سال کے بعد ترک اسباب معاش کی توفیق ہو گئی اور قلب توحید و توکل و غناء سے پُر ہو گیا۔

(۹۳) فرمایا کہ علامہ تفتازانی کی تصانیف کی عبارت نہایت عمدہ اور صاف ہے اور مولانا محمد مبین رحمہ اللہ کے حواشی کی عبارت بھی غایت درجہ واضح ہوتی ہے اور شیخ ابو علی بن سینا رحمہ اللہ کی عبارت بھدی اور خراب ہے۔

(۹۴) احقر نے یہاں جامع مسجد میں سال گذشتہ کے رمضان میں جمعہ کے روز وعظ بیان کیا تھا اور حضرت بھی مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے جناب خواجہ شاہ عزیز

الحسن صاحب نے حضرت کے سامنے وعظ کی مدح فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ تحریر سے تقریر زیادہ صاف اور عمدہ ہے یہ قصہ خواجہ صاحب ہی نے مجھ سے نقل کیا تھا۔

(ف) ناظرین حق تعالیٰ سے دُعا فرماویں کہ تحریر و تقریر دونوں نہایت واضح ہو جاویں اور ہر امر میں صواب میسر ہو۔ قالہ الجامع

(۹۵) ایک بار جس کو کئی سال ہوئے احقر سے وعظ کے لئے حضور نے ارشاد فرمایا احقر نے امتثالاً للامر منظور کر لیا پھر حضور نے سامعین سے ارشاد فرمایا کہ فلاں شخص عالم متقی ہے اور ایسے شخص کی نصیحت کا اثر ہوتا ہے لوگوں کو مناسب ہے کہ شوق کے ساتھ وعظ سنیں۔............(ف) حق تعالیٰ عالم متقی ہی اعلیٰ درجہ کا بنا دے۔ و رحم اللّٰہ علی من قال آمین۔قالہ الجامع

(۹۶) ایک بار وعظ کے لئے ارشاد فرمایا اور حج و قربانی کے متعلق مضمون بیان کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ احقر نے ارشاد کی تعمیل کی پھر تحریراً عرض کیا کہ اگر وعظ میں کوئی امر کسی درجہ میں بھی ناپسندیدہ واقع ہوا ہو تو ارشاد فرما دیا جاوے تا کہ مطلع ہو کر اِس سے احتیاط رکھوں جواباً ارشاد فرمایا کہ وعظ عمدہ تھا اور جامع مانع تھا۔ ہاں بعض وقت (سمجھے) کا لفظ بے موقع اور مکرر اور اسی طرح (اچھا) زبان سے نکل جاتا تھا یہ البتہ فصاحت کے خلاف ہے۔

(ف) بحمد اللہ تعالیٰ یہ عادت اب متروک ہو گئی۔

(۹۷) فرمایا کہ لوگ عدالت میں جاتے ہیں وہاں کی یہ شکایت نہیں کرتے کہ حاکم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی اور عجب ہے کہ بزرگوں کے یہاں طالب ہو کر آتے ہیں اور پھر اطعمہ نفیسہ کی اُمید رکھتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہماری مہمانی میں کوتاہی کی۔ افسوس کیا دین کی وقعت لوگوں کی نظر میں دنیا کے برابر نہیں رہی۔

(۹۸) ایک شخص نے دریافت کیا کہ تہبند باندھنا سنت ہے تو کیا اُس زمانہ میں بھی پاجامہ پہننے سے اُس کو افضل کہا جاوے گا۔ فرمایا کہ چونکہ یہاں لوگوں کو اس

کی عادت نہیں ہے اس لئے اچھی طرح باندھنا نہیں آتا ستر کھل جانے کا احتمال رہتا ہے پس اس وجہ سے پاجامہ پہننا افضل ہے ہاں جہاں لوگوں کو عادت ہو اور احتمال کشف ستر کا نہ ہو وہاں تہبند باندھنا افضل ہوگا۔

(۹۹) فرمایا کہ بجز چند خاص حضرات کے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کو لوگوں نے اُس نظر سے نہیں دیکھا جس نظر سے دیکھنا چاہئے تھا اگر دیکھتے تو حضرت کے کمالات سے ضرور مستفید ہوتے میں نے بعضے لوگوں کو دیکھا ہے کہ بزرگوں کی مجلس میں کثرت سے دیگر مشاغل کا تذکرہ رکھتے ہیں۔ امراض روحانی کا ذکر بھی نہیں لاتے۔

(۱۰۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی ایک زوجہ مطہرہ باوجود یکہ ایک دنیا حضرت کی غلام تھی اور فیض یاب ہوتی تھی مگر وہ حضرت مولانا قطب گنگوہی سے بیعت ہونے کو فرمایا کرتی تھیں۔

(ف) اکثر عورتیں باکمال خاوند سے مستفید نہیں ہوتیں حالانکہ اُن کو بہت ہی اچھا موقع استفادہ کا ہے اور اُن پر حق تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے جس کی قدر نہیں کرتیں ہاں کوئی خاص وجہ معتد بہ عارض ہو تو وہ اور بات ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان بی بی کی اس رائے کا محمل ایسا ہی تجویز کرنا مناسب ہے۔ زادہ الجامع عفی عنہ **واللہ ہو المیسر لکل عسیر اللھم یسرلنا جمیع امور نا واختم لنا بالخیر واعطنا عبودیتک و ثوابک اقصیٰ ما یمکن فانک علیٰ کل شیء قدیر۔** الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ خطبہ پنجم ملفوظات خمرت تمام ہوا۔

کتبہ: احمد حسن عفی عنہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

الحمد للہ! ''مقالات حکیم الامت'' جلد **107** مکمل ہوئی۔

بحمد اللہ تم

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کے متعلق مطبوعہ 4 عظیم شاہکار تحفے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر "بیان القرآن" کے متعلق آپ کے مزاج شناس اور ذوق آشنا حضرات خلفاء کرام کی درج ذیل مستند... معتمد... معتبر... تیسیر و تسہیل اور تشریح منظر عام پر آ چکی ہیں۔

آسان بیان القرآن

تفسیر بیان القرآن کی معتبر و معتمد تسہیل

جسے حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے علوم و معارف کے صحیح و مستند ترجمان و شارح شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے تسہیل فرمایا ہے۔ جو حضرات حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی مستند تفسیر کے مطالعہ کی تمنا رکھتے ہیں ان کے لیے یہ آسان تفسیر بڑی نعمت ہے۔

خلاصۂ تفسیر بیان القرآن

از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

یہ تفسیر بقول حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ درحقیقت "بیان القرآن" کا خلاصہ مع تسہیل ہے جو کم فرصت والوں کیلئے فہم قرآن کا مستند اور بہترین ذریعہ ہے جسے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیرینہ خواہش پر پہلی مرتبہ تفسیر معارف القرآن سے لے کر شائع کیا جا رہا ہے۔ نیز ہر سورہ کے شروع میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے قلم سے مضامین سورۃ کا تعارف بھی دے دیا گیا ہے۔

مکمل تفسیر بیان القرآن

پاکستان میں پہلی مرتبہ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں
"بیان القرآن کے اب تک جتنے ایڈیشن دیکھے ہیں ماشاء اللہ یہ ایڈیشن ان سب سے بہتر اور ممتاز ہے"۔
امپورٹڈ پیپر دو جلد خوبصورت بکس میں پیک

مخطوطہ قلمی بیان القرآن

آج سے 120 سال قبل

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے دست مبارک سے جو مکمل تفسیر "بیان القرآن" لکھی تھی یہ اس کے اصل مخطوطہ کا عکس ہے جو سلسلہ اشرفیہ اور باذوق حضرات کیلئے ایک عظیم تاریخی نعمت ہے۔ جو ہر حال میں قابل زیارت اور باعث برکت ہے۔

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان — فون کیجیے گھر بیٹھے تمام دینی کتب رعایتی قیمت پر بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کیلئے رابطہ فرمائیں

0322-6180738, 061-4519240